اعداد و تقدیم

قسم الدراسات والبحوث جمعیت آلِ واصحاب

# فہرست

# مقدمہ جمعیت

الحمد لله رب العالمين والصلاة و السلام على المبعوث رحمة للعالمين و على آله الطيبين الطاهرين، وصحابته أجمعين، والتالبعين لهم بإحسان إلى يوم الدين و سلّم تسليماً كثيراً۔۔۔ أما بعد!

ہمیں اس بات پر کتنی ہی خوشی محسوس ہوئی تھی کہ ہماری کتاب: ''دفاعاً عن الآل والأصحاب'' کی پہلی طباعت بہت ہی تیزی سے ختم ہوگئی؛ اور اس سے بڑھ کر خوشی اس بات کی تھی کہ اس کتاب کی مانگ مسلسل جاری تھی جس کی وجہ سے ہمیں اس کتاب کو دوبارہ شائع کرنا پڑا۔

جمعیت کو یہ نئی اشاعت پیش کرتے ہوئے خوشی محسوس ہورہی ہے؛ جس میں ہم اصل کتاب کا اختصار پیش کررہے ہیں۔ کیونکہ بہت سارے قارئین کی رغبت اور مانگ اتنی زیادہ تھی کہ ہم انکار نہیں کرسکے۔

ہم ان تمام افراد کا شکر ادا کرتے ہیں جنہوں نے کسی بھی طرح اس کتاب کی نشر و اشاعت یا طباعت میں حصہ لیا۔ اور ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ان کے اس نیک عمل کو ان کے میزان حسنات میں شامل کردے؛ اور انہیں دنیا و آخرت میں بہترین جزائے خیر عطا فرمائے؛ اور انہیں اجر و ثواب سے مالا مال کردے اور اللہ تعالیٰ سے ہماری یہ بھی دعا ہے کہ ہمیں ہر نیکی اور بھلائی کی توفیق عطاء فرمائے؛ آمین۔

وصلى الله تعالى على نبينا محمد و على آله و صحبه و سلم۔

و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

# مقدمہ کتاب

إنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهُ وَ نَسْتَعِينُهُ وَ نَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَسَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَامُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ. صلى الله عليه و على آله الطيبين الطاهرين، وصحابته أجمعين، والتابعين لهم بإحسان إلى يوم الدين و سلّم تسليماً كثيراً۔۔۔ أَمَّا بَعْدُ:

سب سے سچی کتاب اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے؛ اور سب سے بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔ اور ہر نئی بات بہت بڑی برائی ہے۔ اور نئی بات بدعت ہے؛ ہر بدعت گمراہی ہے؛ اور ہر گمراہی کا ٹھکانہ جہنم کی آگ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ وَ مَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾۔ [آل عمران ۷]

''وہی ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری اس میں بعض آیتیں محکم ہیں (جن کے معنی واضح ہیں) وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری مشابہ ہیں (جن کے معنی معلوم یا معین نہیں) سو جن لوگوں کے دل ٹیڑھے ہیں وہ گمراہی پھیلانے کی غرض سے اور مطلب معلوم کرنے کی غرض سے متشابہات کے پیچھے لگتے ہیں اور حالانکہ ان کا مطلب سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا اور مضبوط علم والے کہتے ہیں ہمارا ان چیزوں پر ایمان ہے یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نصیحت وہی لوگ مانتے ہیں جو عقلمند ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾ [النجم ۲۸]

''اور اس بات کو کچھ بھی نہیں جانتے محض وہم پر چلتے ہیں اور وہم حق بات کی جگہ کچھ بھی کام نہیں آتا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ﴾۔ [الحجرات ٦]

''اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کیا کرو کہیں کسی قوم پر بیخبری میں نہ جا پڑو پھر اپنے کیے پر پشیمان ہونے لگو۔''

یقیناً شکوک وشبہات پھیلانا اور بدگمانیوں کو ہوا دینا انبیائے کرام ومرسلین عظام علیہم السلام کے دشمنان کا بہت پرانا وسیلہ اور طریقہ ہے جس پر آج کل بھی ان کے پیروکار عمل پیرا ہیں۔ اہل حق و باطل کے مابین یہ معرکہ قیامت تک جاری رہے گا؛ اس کے ختم ہونے کے امکانات نہیں ہیں۔

کتنی ہی ایسی جھوٹی روایات اور خبریں ہیں جنہیں لوگ بغیر کسی تحقیق اور جانچ پڑتال کے قبول کرتے ہیں اور پھر ان کی روشنی میں دوسروں پر تہمتیں لگاتے رہتے ہیں۔ اور پھر اس پر مصیبت یہ ہے کہ اس پر اپنے دوٹوک پختہ اعتقاد کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ انہوں نے ضرور ایسے ہی کیا ہوگا۔

اور ایسی روایات قبول کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ان کی خواہشات نفس کے موافق ہیں۔ اور وہ اس کے مقابلہ میں قرآن وسنت کی واضح تعلیمات کو دیوار پر دے مارتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ [البقرة ١١١]

''آپ فرما دیجیے: اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔''

اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا﴾۔ (الإسراء ٣٦)

''اور جس بات کی آپ کو خبر نہیں اس کے پیچھے نہ پڑو بیشک کان اور آنکھ اور دل ہر ایک سے باز پرس ہوگی۔''

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہے:

''انسان کی سب سے بری سواری بلا دلیل بات ہے۔''[1]

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہے:

''خبردار اپنے آپ کو بدگمانی سے بچاؤ؛ بیشک بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔''[2]

اس بے ثباتی اور بلا تحقیق بات کا پہلا برا نتیجہ بدگمانی کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ ہمیشہ سے برے عقائد کی بنیاد بدگمانیوں پر ہی رکھی جاتی ہے۔ پھر اس کے بعد وہ ظلم ہے جو کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر بھی حرام کیا ہے؛ اور اسے

[1] أبو داؤد ٤٩٧٢

[2] البخاری (٤٨٤٩) مسلم (٢٥٦٣)

اپنے بندوں کے مابین بھی حرام ٹھہرایا ہے؛ وہ اس کے گناہ کے لیے کافی ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''آپ کو یہ مناسب نہیں ہے کہ کسی دوسرے کے متعلق بدگمانی رکھیں؛ ہاں جب آپ خود اپنی آنکھوں سے کوئی ایسا عیب دیکھ لیں جس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہ ہو۔''

**مزید برآں آپ فرماتے ہیں:**

''یہ بات اچھی طرح سے جان لیجیے کہ بدگمانی رکھنا حرام ہے۔ ویسے ہی جیسا کہ بری بات کہنا حرام ہے۔ بدگمانی اسی صورت میں مباح ہوسکتی ہے جس صورت میں کسی کا مال مباح ہوجائے؛ اور وہ صورت یہ ہے کہ یا تو انسان خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلے؛ یا پھر دو عادل آدمی گواہی دے لیں۔''❶

**اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ:**

''اللہ تعالیٰ نے مسلمان کے خون اور اس کی عزت کو حرام ٹھہرایا ہے؛ اور یہ کہ اس سے بدگمانی رکھی جائے۔''❷

**علامہ ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:**

''آپ کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ کسی مسلمان کے متعلق برا گمان رکھو۔ ہاں اس کی صرف یہ ایک ہی صورت ہے کہ جب معاملہ اس طرح سے واضح ہوجائے کہ اس میں تاویل کی کوئی گنجائش باقی نہ ہو۔ اور اگر آپ کے ہاں دو سچے گواہ اس کی گواہی دیدیں۔ تو پھر اپنے دل کو اس کی تصدیق کی طرف مائل کرلیں۔ اس لیے کہ اب آپ معذور ہیں۔ کیونکہ اگر اب آپ اس کی بات جھٹلائیں گے تو یہ خبر دینے والے کے متعلق بد گمانی ہوگی۔ یہ بھی مناسب اور لائق نہیں کہ ایک کے متعلق اچھے گمان کے چکر میں دوسرے سے بدگمانی رکھیں۔ بلکہ آپ کے لیے ضروری ہے کہ یہ دیکھیں کہ ان کے مابین کوئی حسد اور عداوت تو نہیں۔ تو اس صورت میں تہمت کو اس سبب پر محمول کیا جائے گا۔''❸

**شبہات:**

ابن منظور کہتے ہیں: شبہ التباس سے ہے۔ مشتبہ امور ان مخلوط امور کو کہا جاتا ہے جو آپس میں ملے ہوئے ہوں۔❹

نہج البلاغہ میں ہے؛ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

''بیشک شبہ کو شبہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ حق سے مشابہت رکھتا ہے۔ جب کہ اولیاء اللہ کو اس میں یقین کا نور حاصل ہوتا ہے۔ اور ان کی دلیل ہدایت [ونور] پر مبنی ہوتی ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن اس میں اپنی گمراہی کی دعوت پھیلاتے ہیں؛ اور ان کی دلیل اندھا پن اور گمراہی ہوتی ہے۔''❺

---

❶ فيض القدير (٣/ ١٥٧)

❷ أخرجه البيهقي في شعب الإيمان برقم (٦٧٠٦) سلسلة الأحاديث الصحيحة (٣٤٢٠)

❸ مختصر منهاج القاصدين / لابن قدامه المقدسي ❹ لسان العرب (١٣/ ٥٠٤)

❺ نهج البلاغة (١/ ٨٩) بحار الأنوار للمجلسي (٦٧/ ١٨١) موسوعة أحاديث أهل البيت (٥/ ٢٧١)

لوگوں میں شبہات اور بدگمانیاں پھیلانے والوں کا سب سے بڑا وسیلہ جس پر وہ یہ فتنے پھیلانے کی راہ میں عمل پیرا ہیں، وہ متشابہ مسائل ہیں۔ اگر وہ اس میں اپنی خواہشات کے مطابق کفایت نہ پائیں تو پھر کتاب اللہ کی آیات میں تحریف اور صحیح احادیث مبارکہ میں تبدیلی اور تاویل کا ارتکاب کرتے ہیں؛ اور انہیں ایسے دور کے احتمالات پر محمول کرتے ہیں جن کا شارع علیہ السلام کے مقصود سے کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا۔ اور ان روایات و آیات کو ان کے ظاہر سے اپنی خواہشات نفس اور آراء و رغبت کے مطابق موڑ دیتے ہیں۔ اور اگر ان تمام باتوں سے عاجز آجائیں تو پھر اپنے باطل مذہب و مقصد کے لیے احادیث گھڑنا شروع کر دیتے ہیں؛ تاکہ وہ اپنے مذہب کی نصرت کر سکیں۔

یہ آخری مرحلہ ان لوگوں کا سب سے بڑا وسیلہ ہے؛ جس کی طرف ان لوگوں نے رجوع کیا ہے۔ خصوصاً ان لوگوں کی اکثر من گھڑت روایات جو کہ مسلمانوں کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں [اس کی وجہ یہی ان کی مکاریاں ہیں]۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ مختلف علوم میں مسلمانوں کے مصادر میں ہزاروں روایات ایسی ہیں جنہیں اپنی طرف سے گھڑ کر رسول اللہ ﷺ؛ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور ائمہ رحمہم اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

اپنی طرف سے احادیث گھڑ لینا یہ ایک پرانی عادت ہے۔ ان دروغ گو لوگوں کے مقاصد مختلف رہے ہیں۔ زنادقہ جو کہ ایمان کا اظہار کرتے اور باطن میں کفر کو چھپائے رکھتے تھے؛ وہ دین کے بارے میں احادیث اس لیے گھڑتے تھے تاکہ وہ مسلمانوں کے سامنے ان کے دین کو حقیر بنا کر پیش کریں۔ اور ان پر معاملات کو خلط ملط کر دیں۔ جب کہ خواہشات نفس کے پجاری اور مذہبی تعصب رکھنے والے وہ احادیث گھڑا کرتے تھے جن سے وہ اپنے مذہب کی نصرت و تائید کر سکیں۔ جب کہ اس کے ساتھ ساتھ فضائل اعمال میں ترغیب اور جہنم سے تخویف کے بارے میں بھی احادیث گھڑی گئی ہیں۔ اور ان کے علاوہ بھی احادیث گھڑنے کے کئی ایک ایسے اسباب ہیں جن پر ماہرین اصول حدیث کا اتفاق ہے۔

فقہ و تفسیر؛ تاریخ و سیرت اور مغازی و احادیث کی کتابوں میں ان روایات کے پائے جانے کے بہت برے اثرات ان عقائد کے پھیلنے میں ہوئے جن کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ باطل مذاہب اور فرقوں کے ظہور و انتشار میں ان روایات کا بنیادی کردار رہا ہے؛ کیونکہ ان میں سے اکثر کی بنیادیں ان موضوع روایات پر ہی ہوا کرتی تھیں۔ کیونکہ ایسے لوگ جھوٹ بولنے میں ذرا بھی باک نہیں کرتے تھے؛ جو چیز بھی ان کی خواہش نفس اور رائے کے مطابق دل کو لگتی اسے حدیث بنا لیتے۔

پہلے وقت کے مسلمان اسناد کے بارے میں نہیں پوچھا کرتے تھے۔ حتی کہ جب فتنوں کا ظہور ہوا تو وہ راوی کے متعلق پوچھنے لگے۔ اگر وہ پابند سنت [اہل سنت] ہوتا تو اس کی روایت قبول کر لیتے؛ اور اگر اہل بدعت میں سے ہوتا تو اس کی روایت کو قبول نہ کرتے۔

پس نبی کریم ﷺ یا ائمہ کرام رحمہم اللہ تک متصل اسناد معرفت شریعت اور معرفت احکام کا وسیلہ بن گئیں۔ تو راوی حدیث کے متعلق تحقیق میں اتنا تشدد بھی برتا گیا حتی کہ کہا جانے لگا: کیا تم اس کی شادی کروانا چاہتے ہو؟۔

علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''یہ علم دین ہے؛ پس دیکھو کہ تم اپنا دین کس سے لے رہے ہو۔''❶
پس اس گروہ اولین کی سنت مبارکہ یہ تھی کہ حدیث بیان کرنے سے پہلے؛ اس کی سند بیان کیا کرتے تھے۔

علامہ زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''چھت پر سیڑھی کے بغیر چڑھنا ممکن نہیں۔''❷

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''علم اس وقت ختم ہو جاتا ہے جب اس کی اسناد ختم ہو جائیں۔''❸

امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بیشک صحت حدیث کا علم اس کی سند کی وجہ سے ہوتا ہے۔''❹

امام حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بیشک اسناد مؤمن کا ہتھیار ہیں؛ اگر اس کے پاس اسلحہ یا ہتھیار ہی نہیں ہوگا تو وہ کس چیز سے جنگ کرے گا۔''❺

امام ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اسناد دین کا حصہ ہیں۔ اگر اسناد نہ ہوتیں تو جسے جو کچھ مرضی میں آتا کہہ دیتا۔''❻

نیز آپ رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ:

''جو انسان بغیر سند کے دین تلاش کرتا ہے؛ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی بغیر سیڑھی کے چھت پر چڑھنا چاہتا ہے۔''❼

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بغیر سند کے دین طلب کرنے والے کی مثال ایسے ہی ہے جیسے رات کو لکڑیاں جمع کرنے والے کی۔ وہ لکڑیوں کا گھٹا اٹھاتا ہے؛ اس میں سانپ ہوتا ہے؛ مگر وہ نہیں جانتا۔''❽

ان کے علاوہ دیگر بھی کئی اقوال ہیں جن میں اسناد کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔

پس جب سے علم الرجال کا ظہور ہوا ہے؛ وہ علم جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تک پہنچنے والی سند کے راویوں کے احوال کی معرفت پر بحث کی جاتی ہے تاکہ حدیث کی صحت معلوم ہو سکے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے

❶ مقدمة صحيح مسلم (١/ ١٤)
❷ الجرح و التعديل لابن ابی حاتم (٢/ ١٦)
❸ التمهيد (١/ ٥٧) طبقات الشافعية (١م١٤٣)
❹ التمهيد لابن عبدالبر (١/ ٥٧)
❺ شرف أصحاب الحديث (٤٢) جامع التحصيل (٥٩)
❻ مقدمة صحيح مسلم (١/ ١٥)
❼ شرف أصحاب الحديث (٤٢)
❽ المدخل إلى سنن الكبرى (٢١١)

جب سند میں کوئی علت یا شذوذ نہ پایا جائے اور اس کی سند میں کوئی جھوٹا یا دروغ گو راوی نہ پایا جاتا ہو۔

امامیہ نے بھی اپنے ائمہ تک اسناد کا سلسلہ وضع کیا ہے۔ جس میں ائمہ رحمہم اللہ نے نقل اخبار میں تثبت سے کام لینے کی ترغیب دی ہے؛ یہ علیحدہ بات ہے کہ بعد میں ان پر جھوٹ کا غلبہ ہو گیا۔

**حضرت امام صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:**

'' بیشک ہم اہل بیت سچے لوگ ہیں؛ مگر ہم ایسے جھوٹوں سے خالی نہیں رہتے جو ہم پر جھوٹ گھڑتے رہتے ہیں: ان کے جھوٹ گھڑ کر ہماری طرف منسوب کرنے کی وجہ سے لوگوں کے ہاں ہماری صداقت بھی مجروح ہو جاتی ہے۔'' ❶

**نیز آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا ہے:**

'' بیشک ان لوگوں کو ہم پر جھوٹ بولنے کی لت پڑ گئی ہے۔ اور جب میں ان میں سے کسی ایک سے حدیث بیان کرتا ہوں؛ وہ میرے ہاں سے ابھی نکلتا نہیں کہ وہ اس کی ایسی تاویل کرنے لگ جاتا ہے جو تاویل ہم نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ہماری احادیث حاصل کرکے اللہ تعالیٰ کے ہاں سے اجر وثواب نہیں حاصل کرنا چاہتے۔ بلکہ ان کا مقصود دنیا ہوتی ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ وہی بڑا سردار بن جائے۔'' ❷

**اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:**

'' ہماری احادیث کو اس وقت تک ہم سے قبول نہ کرو جب تک وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے موافق نہ ہوں؛ یا ان کے ساتھ ہماری پہلی احادیث میں سے کوئی شہادت بھی پائی جائے۔ بلا شک وشبہ مغیرہ بن سعد نے میرے والد محترم کی کتابوں میں ایسی روایات ٹھونس دی ہیں جو کہ والد محترم نے روایت ہی نہیں کیں۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہو۔ اور ہمارے بارے میں کوئی روایت اس وقت تک قبول نہ کرو جب تک وہ ہمارے رب کے قول اور ہمارے نبی کریم ﷺ کی سنت کے موافق نہ ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب ہم حدیث بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں: '' اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے اور نبی کریم ﷺ نے یوں فرمایا ہے۔ ❸

یونس بن عبد الرحمٰن سے روایت کہتے ہیں: '' میں عراق گیا؛ وہاں پر مجھے ابو عبد اللہ اور ابو جعفر کے ساتھیوں کی ایک بڑی جماعت ملی؛ میں نے ان سے سنا۔ اور ان کی کتابوں سے علم اخذ کیا۔ اور اس کے بعد یہ تمام علم ابوالحسن پر پیش کیا۔

❶ أعيان الشيعة لمحسن الأمين (٣/ ٥٦٤) بحار الأنوار للمجلسي (٢/ ٣١٧، ٢٥/ ٢٦٣)

❷ بحار الأنوار (٢/ ٢٤٦) جامع أحاديث الشيعة للبروجردي (١/ ٢٢٦) فرائد الأصول للأنصاري (١/ ٣٢٦) تاريخ آل زرارة (٥١) اختيار معرفة الرجال للطوسى (١/ ٣٤٧) اعيان الشيعة (٧/ ٤٨)

❸ مستدرك الوسائل للميرزا النورى (١٠/ ٤٨) بحار الأنوار (٢/ ٢٥٠) جامع أحاديث الشيعة (١/ ٢٦٢) رسائل في دراية الحديث للبابلي (٢/ ٢٣٧) أصول الحديث عبد الهادي الفضلي (١٤٧)

انہوں نے اس میں سے کئی احادیث کا انکار کیا کہ یہ ابوعبداللہ سے مروی نہیں ہیں۔اور فرمایا:''ابوالخطاب نے ابو عبداللہ پر جھوٹ بولا ہے۔اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ابو خطاب پر اور ایسے ہی اس کے ساتھیوں پر بھی لعنت ہو۔وہ آج کے دن تک اپنی طرف سے احادیث گھڑ کر ابوعبداللہ کی کتب میں شامل کرتے ہیں؛ پس ہم سے کوئی روایت قرآن کے خلاف مت قبول کرو۔''❶

اور انہی سے یہ روایت بھی ہے؛ فرماتے ہیں:

میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے سنا آپ فرما رہے تھے۔

''مغیرہ بن سعید جان بوجھ کر میرے والد صاحب پر جھوٹ بولتا ہے۔اور اپنے ساتھیوں کی کتابیں لیتا ہے۔ اس کے ساتھی میرے والد صاحب کے ساتھیوں سے چھپتے پھرتے تھے۔وہ چھپ چھپ کر ابا جی کے ساتھیوں سے کتابیں لیتے؛ اور انہیں مغیرہ بن سعید تک پہنچا دیتے۔ وہ ان میں کفر اور زندیقیت کی ملاوٹ کرتا: اور انہیں ابا جی کی طرف منسوب کر کے اپنے ساتھیوں کو دیدیتا۔اور ساتھ ہی انہیں یہ حکم بھی دیتا کہ ان کتابوں کو شیعہ میں پھیلائیں۔میرے والد صاحب کی کتابوں میں غلو کی جتنی بھی باتیں پائی جاتی ہیں؛ وہی ہیں جو کہ مغیرہ بن سعید نے اپنی کتابوں میں شامل کی ہیں۔''❷

اہل علم کا اتفاق ہے کہ موضوع حدیث کو نقل کرنا حرام ہے؛ اس لیے کہ ایسا کرنا گناہ پر تعاون اور برائی و فحاشی کی اشاعت اور مسلمانوں کو گمراہ کرنا ہے۔اور جو کوئی ضعیف حدیث یا ایسی مشکوک حدیث بیان کرنا چاہتا ہو جس کی سند کے صحیح ہونے میں کلام ہو؛ تو اسے چاہیے کہ وہ یوں کہے: روایت کیا گیا ہے، یا ہم تک یہ بات پہنچی ہے، یا ایسے وارد ہوا ہے، یا ایسے بیان کیا گیا ہے؛ یا اس طرح کے الفاظ میں بیان کرے جن سے اس کے ضعیف ہونے کا پتہ چل جائے۔ ایسے یقینی اور جزم کے الفاظ کے ساتھ نہ بیان کرے جن سے پتہ چلتا ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے فرمایا ہے۔اور اگر سند کے ساتھ متن بیان کرے تو پھر اس پر حدیث کا حال (حکم) بیان کرنا واجب نہیں ہوتا۔اس لیے کہ اس نے وہ چیز بیان کر دی ہے جو اہل علم کے ہاں معتبر ہے۔''❸

اس میں کوئی شک وشبہ والی بات نہیں کہ ان کا یہ کہنا کہ:(روایت کو سند کے ساتھ بیان کرنا اس کا حکم یا حال بیان کرنے سے مستغنی کر دیتا ہے) یہ ایک حد تک درست ہے۔اس لیے کہ مسلمانوں کی بہت ساری کتابیں اسناد کے ساتھ موضوع روایات سے بھری پڑی ہیں۔لیکن اس میں کوئی اچھنبے کی بات نہیں ہے۔ہمیں اس بات کا علم ہے کہ پرانے دور

❶ رجال الكشي (١٩٥) بحار الأنوار (٢/ ٢٥٠) خاتمة المستدرك (٤/ ١٧٧) اختيار معرفة الرجال (٢/ ٤٩٠)

❷ تحف العقول لابن شعبة الحراني (٣١٠) بحار الأنوار (٢/ ٢٥٠) رسائل في دراية الحديث از بابلی (١٤٣) أصول الحديث از عبدالهادي الفضلي (١٤٣) اختيار معرفة الرجال (٢/ ٤٩١) معجم رجال الحديث للخوئي (١٩/ ٣٠٠)

❸ مقباس الهداية (١/ ٤١٧) دراسات في علم الدراية لعلي أكبر غفاري (٧٧) الرعاية في علم الدراية للشهيد الثاني (١٦٥) رسائل في دراية الحديث لابي الفضل حافظيان البابلي (١/ ٢١٠)

کے ہمارے علماء مختلف مراحل تدوین وتالیف سے گزرے ہیں۔ پہلے انہوں نے جمع کا کام کیا؛ جو کچھ سنتے تھے؛ اسے ایک جگہ پر اکٹھا کر لیتے تھے۔اور پھر آخری مرحلہ ان کی تحقیق کا ہوتا تھا تا کہ جھاگ اور مکھن میں فرق ہوجائے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے۔اوران میں سے بہت سارے علماء نے صرف پہلے مرحلہ پر اکتفاء کیا ہے۔یعنی انہوں نے جو کچھ سنا اسے جمع کردیا۔اس لیے کہ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ جب انہوں نے سند بیان کردی ہے؛ جس کی وجہ سے اس روایت کا سچ یا جھوٹ ہونا معلوم ہوسکتا ہے۔اور اس کی وجہ اس وقت میں ہر ایک روایت کی تحقیق کرنے میں کئی وجوہات کی بنا پر مشکلات کا سامنا تھا۔یعنی مثال کے طور پر: اس حدیث کی دوسری اسناد بھی ہوسکتی ہیں؛ جن کی بنا پر اس موضوع یا ضعیف سند کا ازالہ ہوجائے۔یا پھر بعض راویوں کا ضعیف ہونا ان کے ہاں ثابت نہ ہو۔یا ان کے علاوہ دیگر کوئی اسباب ہوں۔ اوراس کے ساتھ یہ بھی ملا دیجیے کہ: ممکن ہے ان کے ہاں اپنی کتاب میں روایت ذکر کرنے کے لیے اس کا صحیح ہونا شرط نہ ہو۔جیسا کہ انہوں نے اپنی کتابوں کے مقدمات میں اس چیز کی صراحت کی ہوتی ہے۔مگر اس کے باوجود علماء کرام نے موضوع روایت کو اس کا جھوٹ ہونا ذکر کیے بغیر بیان کرنے کو ناجائز کہا ہے۔اور ایسا کرنے والے انسان کو گنہگار شمار کیا ہے جس پر توبہ کرنا واجب ہے۔

ان میں سے سب سے خطرناک وسیلہ لوگوں کی جہالت اور لاعلمی سے فائدہ اٹھانا ہے۔اس لیے کہ بہت سارے لوگوں کو تخریج حدیث اور فقط ذکر حدیث کے مابین فرق کا پتہ نہیں ہوتا۔

حدیث ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ: اس میں صرف اس مصدر کا ذکر کیا جاتا ہے؛ جہاں پر یہ روایت موجود ہے۔ کبھی یہ روایت موضوع بھی ہوسکتی ہے؛ جس کا موضوع ہونا مؤلف نے اپنی جگہ پر ذکر کیا ہوگا۔لیکن شکوک وشبہات کو ہوا دینے والے روایت کو نقل کرتے وقت اس کی حقیقت کو بیان نہیں کرتے۔اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ مصنف نے اس پر رد بھی ذکر کیا ہو؛ مگر یہ لوگ صرف کتاب میں اس روایت کے وجود سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔اور لوگوں پر معاملہ ملتبس کردیتے ہیں؛ اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ مسلمہ امور میں سے ہے۔اس لیے کہ ان کے مخالفین تک نے اسے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔اکثر شبہات کا تعلق ان دو اقسام سے ہے۔

دوسرا معاملہ تخریج کا ہے۔اس کا مطلب ہے کہ حدیث کی سند اور متن کا تحقیقی مطالعہ و جائزہ؛ تا کہ اس کی صحت یا ضعف کو بیان کیا جاسکے۔اور یہ وہ علت ہے جس کا اظہار بہت سارے علماء اپنے اقوال میں کرتے آئے ہیں؛ جب وہ صحتِ نقل کا مطالبہ کرتے ہیں۔اس لیے کہ محض کسی روایت کے کسی کی طرف منسوب ہونے سے اس کی صحت ثابت ہی نہیں ہوتی؛ یا اس کی وجہ سے حجت قائم نہیں ہوجاتی؛ اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔

## اس بارے میں ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اور بہت سارے مؤرخین؛ مفسرین اور ائمہ نقل کے ہاں حکایات اور واقعات میں مغالطہ پیش آیا ہے۔اس

لیے کہ وہ لوگ صرف نقل پر اعتماد کرتے تھے؛ اور صحیح وسقیم کے چکر میں نہیں پڑتے تھے۔"

ہم نے یہ کتاب اپنی اصل تالیف سے مختصر کی ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلے یہ بات بتا چکے ہیں۔

اور اب ہم بہت سارے ان شبہات کا جائزہ لیں گے جو کہ وجہ اختلاف ونزاع ہیں؛ اور پھر ان پر نبی کریم ﷺ کے بعد اس امت کے بہترین لوگوں کے متعلق عقائد کی بنیادیں قائم کی گئی ہیں۔

اور پھر ہم ان شاء اللہ اس پر علمائے کرام کے ردود بھی بیان کریں گے؛ اور استدلال کے فاسد ہونے کی وجوہات بھی بیان کریں گے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا گو ہیں کہ ہمیں ہر خیر و بھلائی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

# صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق شبہات

## ا۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی عدالت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر طعن کرنے والوں کا ایک بڑا شبہ؛ جس میں ان کے متعلق حسن ظن اور خیر و بھلائی کا عقیدہ رکھنے والوں کی طرف بہت بڑی برائی کی نسبت کرتے ہیں؛ وہ مسئلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت کا عقیدہ ہے۔

### عدالت کا معنی لغت میں:

عدل ؛ظلم کی ضد اور الٹ ہے۔کہا جاتا ہے کہ: فلاں نے اس معاملہ میں عدل و انصاف سے کام لیا۔اور کسی چیز میں تعدیل کرنے سے مراد اسے ٹھیک کرنا ہے۔کہا جاتا ہے: عدلتہ فاعتدل ؛ میں نے اسے ٹھیک کیا؛ تو وہ ٹھیک ہو گیا۔

اس لغوی تعریف سے واضح ہوتا ہے کہ لغت میں عدالت کا معنی ٹھیک اور درست یعنی استقامت پر ہونا ہے۔اور عدل [جب فرد کے لیے بولا جائے تو اس سے مراد] وہ انسان ہے جس سے کوئی ایسی چیز ظاہر نہ ہوئی ہو جو شک وشبہ میں ڈالتی ہو۔یہی وہ انسان ہے جس سے لوگ راضی ہوتے ہوں؛ اور اس کی گواہی قبول کرتے ہوں ؛ اور اس کی بات پر قناعت کر لیتے ہوں۔''

### عدالت کا معنی اصطلاح میں:

اصطلاح میں عدالت کا معنی بیان کرنے میں علماء کرام نے مختلف قسم کی عبارتوں سے کام لیا ہے۔لیکن ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ عدالت یا عدل کا معنی یہ ہے کہ: وہ انسان جو فرائض ادا کرتا ہو؛ احکام شریعت کی پیروی کرتا ہو؛ اور جس چیز سے منع کیا گیا ہے؛ اس سے بچ کر رہتا ہو؛ اور فحاشی اور گناہ کے کام سے اور گرے ہوئے ناپسندیدہ کاموں سے دور رہتا ہو۔اپنے افعال ؛ معاملات ؛ اور دیگر امور میں حق اور واجب کی تلاش میں رہتا ہو۔اور بول چال میں بھی ایسے الفاظ سے بچ کر رہتا ہو جس سے اس کا دین اور مروت داغدار ہوں۔پس جس کے احوال ایسے ہوں اسے دین میں عدل سے موصوف مانا جاسکتا ہے۔اور بول چال میں سچا تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

اور عدل یا عدالت کا معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ: یہ دینی محافظت کا نام ہے؛ جو انسان کو تقوی کے لزوم اور مروت کا متحمل بناتی ہے؛ اور اس کے ساتھ کوئی بدعت نہ پائی جائے۔اور ایسا انسان کبیرہ گناہوں سے بچ کر رہتا ہو؛ اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرتا ہو۔''

یہ اہل علم کے ہاں عدل کا شرعی معنی تھا۔اس میں اگرچہ ان کی عبارتیں مختلف ہیں؛ لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ ان

سب کا خلاصہ اور نچوڑ یہ ہے کہ: ''عدل نفس کے اندر موجود وہ ملکہ [وصف] ہے جو کہ انسان کو دائمی تقوی اور مروت کا متحمل بناتا ہے۔ اور ایسا ہونا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک انسان اوامر کو بجا نہ لائے اور نواہی سے اجتناب نہ کرے۔ اور ہر اس چیز سے دور رہے جو کہ مروت کے خلاف ہو۔ اور ایسا ہونا اسلام اور بلوغ؛ اور عقل اور فسق و فجور سے سلامتی کی صورت میں ہی ممکن ہے۔

اس لحاظ سے کسی ایک میں ایسی عدالت ثابت نہیں ہوسکی؛ جیسی عدالت اصحاب رسول اللہ ﷺ میں ثابت ہوئی ہے۔ تمام صحابہ عادل تھے؛ اور ان میں صفت عدالت [اپنے پورے لوازمات اور حسن و جمال کیساتھ] موجود تھی۔ اور ان میں سے بعض سے اگر چہ اس کے خلاف واقعات صادر ہوئے ہیں؛ جیسا کہ کسی سے گناہ کا صادر ہوجانا؛ تو آپ ان میں سے کسی ایک کو بھی اس گناہ پر مصر نہ پاؤ گے۔ بلکہ آپ دیکھیں گے کہ وہ فوراً توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ پس اس صورت میں ان کی عدالت میں قدح واقع نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ ہمارا یہ دعوی کبھی نہیں رہا کہ ان سے کوئی لغزش یا گناہ ہو ہی نہیں سکتا۔ [بلکہ ہم کہتے ہیں کہ وہ گناہ پر اصرار نہیں کرتے]۔

## صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور اسلامی عقیدہ:

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو عادل قرار دیا ہے۔

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں تعدیل [عدالت] صحابہ کے اتنے دلائل ہیں جن کی موجودگی میں کسی بیمار ذہن کے لیے ان کی عدالت میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔

ہر وہ حدیث جس کی سند رسول اللہ ﷺ تک متصل ہو؛ وہ اس وقت تک حجت نہیں ہوسکتی جب تک اس کے راویوں کی عدالت ثابت نہ ہوجائے۔ اس کے لیے ان راویوں کے حالات زندگی دیکھے جائیں گے؛ سوائے صحابی کے۔ اس لیے کہ صحابہ کرام کی عدالت اور ثقاہت اللہ تعالیٰ نے ثابت کی ہے۔ اور ان کی طہارت و پاکیزگی اور انتخاب ہونے کی خبر دی ہے۔ اور اس پر قرآنی نصوص موجود ہیں جن میں کہیں سے بھی اور کسی بھی طرح باطل کی دخل اندازی نہیں ہوسکتی۔

اس مسئلہ کی مزید تفصیل بیان کرنے سے پہلے یہ بات واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں ہمارے پاس اصل اور بنیاد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی صحابہ کرام کی تعریف و ثناء اور مدح سرائی ہے۔

قرآن مجید دسویں نصوص سے بھرپور ہے جن میں ان صحابہ کرام کے ایمان کا بیان اور ان کی تعریف و ثناء اور ان سے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا اظہار ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ إِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ☆وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ [الأنفال ٦٢-٦٤]

''اور اگر وہ چاہیں کہ آپ کو دھوکہ دیں تو آپ کے لیے اللہ کافی ہیں جس نے آپ کو اپنی مدد سے اور

مسلمانوں سے قوت بخشی۔اوران کے دلوں میں الفت ڈال دی۔ جو کچھ زمین میں ہے اگر آپ سارا خرچ کر دیتے تو بھی ان کے دلوں میں الفت نہ ڈال سکتے لیکن اللہ نے ان میں الفت ڈال دی؛ بیشک اللہ غالب حکمت والے ہیں۔اے نبی! آپ کو اور مومنوں کو جو آپ کے تابعدار ہیں اللہ ہی کافی ہے۔"[1]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

[1]۔ پہلی آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ: "اگر یہی احتمال واقع ہوجائے کہ صلح کرنے سے ان کی نیت خراب ہو؛ اور وہ آپ کو دھوکہ ہی دینا چاہیں تب بھی آپ کوئی پروانہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کافی ہیں پہلے بھی اللہ تعالے ہی کی امداد وتائید سے آپ کا کام چلا ہے۔اوراس کے ساتھ ہی مسلمانوں کی جماعت بھی آپ کی امداد کے لئے کھڑی کردی جوکہ اسباب ظاہرہ میں سے ہیں۔اسی لئے علما تفسیر نے فرمایا ہے کہ یہ وعدہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسا ہے جیسا کہ (واللہ یعصمك من الناس) کا وعدہ۔اس آیت کے نزول کے بعد آنخضرت صلی اللہ وسلم نے اپنی نگرانی کرنے والے صحابہ کرام کو مطمئن اور سبکدوش فرمادیا تھا۔اسی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعدہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھا۔[معارف القرآن]

اب اگلی آیت میں اس کی مزید کچھ تفصیل اور انعامات کا تذکرہ ہورہا ہے۔کہ مسلمانوں کی جماعت سے کسی کی امداد ونصرت ظاہر ہے کہ صرف اسی صورت میں ہوسکتی ہے جب کہ یہ جماعت باہم متفق اور متحد ہو۔اور بقدر اتفاق واتحاد ہی اس کی قوت اوروزن ہوتا ہے۔باہمی اتحاد ویگانگت کے رشتے قوی ہوں تو پوری جماعت قوی ہوتی ہے اوراگر یہ رشتے ڈھیلے ہیں تو پوری جماعت ڈھیلی اور کمزور ہے۔اس آیت میں حق تعالیٰ نے اپنے اس خاص انعام کا ذکر فرمایا جو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید ونصرت کے لئے عام مسلمانوں پر ہوا کہ ان کے دلوں میں مکمل وحدت والفت پیدا کردی گئی۔ حالانکہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ سے پہلے ان کے دوقبلیوں۔اوس وخزرج کے آپس میں شدید جنگیں لڑی جاچکی تھیں اور جھگڑے چلتے رہتے تھے۔آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اللہ تعالے نے ان جانی دشمنوں کو باہم شیروشکر اور بھائی بھائی بنادیا۔مدینہ میں قائم ہونے والی نئی ریاست کے قیام وبقا اور دشمنوں پر غالب آنے کا حقیقی اور معنوی سبب تو اللہ تعالیٰ کی نصرت وامداد تھی اور ظاہری سبب مسلمانوں کی آپس میں مکمل الفت ومحبت اور اتفاق واتحاد تھا۔اس کے ساتھ اس آیت میں یہ بھی بتلادیا گیا کہ مختلف لوگوں کے دلوں کو جوڑ کر ان میں الفت ومحبت پیدا کرنا کسی انسان کے بس کا کام نہیں صرف اس ذات کا کام ہے جس نے سب کو پیدا کیا ہے۔اگر کوئی انسان ساری دنیا کی دولت بھی اس کام کے لئے خرچ کرڈالے کہ باہم منافرت رکھنے والے لوگوں کے دلوں میں الفت پیدا کردے تو وہ کبھی اس پر قابو نہیں پاسکتا۔

جماعتوں اور افراد کے درمیان وحدت واتفاق ایک ایسی چیز ہے جس کے محمود اور مفید ہونے سے کسی مذہب وملت اور کسی فکر ونظر والے کو اختلاف نہیں ہوسکتا اور اسی لئے ہر شخص جو لوگوں کی اصلاح کی فکر کرتا ہے وہ ان کو آپس میں متفق کرنے پر زور دیتا ہے لیکن عام دنیا اس حقیقت سے بے خبر ہے کہ دلوں کا پورا اور پائیدار اتفاق ظاہری تدبیروں سے حاصل نہیں ہوتا یہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت ورضاجوئی سے حاصل ہوتا ہے۔قرآن حکیم نے اس حقیقت کی طرف کئی آیتوں میں اشارے فرمائے ہیں۔جیسا کہ ارشاد ہے ﴿واعتصموا بحبل اللهِ جميعا ولا تفرقوا﴾۔ اس میں اختلاف وتفرقہ سے بچنے کی یہ تدبیر بتلائی گئی ہے کہ سب مل کر اللہ کی رسی یعنی قرآن یا شریعت اسلام کو مضبوط تھام لیں تو سب آپس میں خود بخود متفق ہوجائیں گے اور باہمی تفرقے ختم ہوجائیں گے۔رائے کا اختلاف دوسری چیز ہے اور وہ جب تک اپنی حد کے اندر رہے تفرقہ اور جھگڑے کا سبب کبھی نہیں بنتا۔جھگڑا فساد جبھی ہوتا ہے جب کہ حدود شریعت سے تجاوز کیا جائے۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے: ﴿إن الذين امنوا وعملوا الصلحتِ سيجعل لهم الرحمن ودا﴾۔یعنی جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اللہ ان کے آپس میں محبت ومودت پیدا فرمادیتے ہیں۔" اس آیت نے واضح کردیا کہ دلوں میں حقیقی محبت ومودت پیدا ہونے کا اصلی طریق ایمان اور عمل صالح کی پابندی ہے اس کے بغیر اگر کہیں کوئی اتفاق واتحاد مصنوعی طور پر قائم کر بھی لیا جائے تو وہ محض بے بنیاد اور کمزور ہوگا ذراسی ٹھیس میں ختم ہوجائے گا۔جس کا مشاہدہ تمام اقوام دنیا کے حالات وتجربات سے ہوتا رہتا ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام پر حق تعالیٰ کے اس انعام کی وضاحت کی گئی ہے جو مدینہ کے تمام قبائل اور مہاجرین صحابہ کے دلوں میں الفت پیدا کر کے رسول کریم ﷺ کی امداد ونصرت کے لئے ان کو ایک آہنی دیوار کی طرح بناکر کیا گیا ہے۔

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ (البقرہ:۱٤۳)

''اور اسی طرح ہم نے تمہیں معتدل جماعت بنایا تا کہ تم لوگوں پر (اس دین کے) گواہ بن جاؤ اور رسول تم پر اس کی گواہی دیں۔''

اس آیت سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ یہاں پر اس امت کا وصف ''وسط'' بیان کیا گیا ہے؛ جس کا معنی ہے عادل اور بہترین۔ اور چونکہ اس آیت میں براہ راست مخاطب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ بعض اہل علم نے اس کی تفسیر میں یہ بھی کہا ہے کہ اگر چہ یہ لفظ عام ہیں؛ مگر اس سے مراد خاص صحابہ کرام کی جماعت ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت کریمہ صرف صحابہ کرام کے حق میں وارد ہوئی ہے کسی دوسرے کے حق میں نہیں۔ پس جو بھی ہو؛ آیت کریمہ کسی بھی بعد میں آنے والے امتی سے پہلے صحابہ کرام کی عدالت پر بول بول کر گواہی دے رہی ہے۔

**اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:**

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (آل عمران ١١٠)

''تم سب امتوں میں سے بہتر ہو جو لوگوں کے لیے بھیجی گئی ہیں اچھے کاموں کا حکم کرتے رہو اور برے کاموں سے روکتے رہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہتر تھا کچھ ان میں سے ایماندار ہیں اور اکثر ان میں سے نافرمان ہیں۔'' [1]

---

[1] ۔ دراوی جی کہتا ہے: ذرا سا ان آیات میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔ سب سے بہتر شخص کون؟ اور سب سے بہتر امت کا اعزاز کس کو ملا؟ اللہ تعالیٰ خبر دے رہے ہیں کہ: ''امت محمد یہ تمام امتوں سے بہتر ہے۔'' صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں تم اوروں کے حق میں سب سے بہتر ہو تو لوگوں کی گردنیں پکڑ پکڑ کر اسلام کی طرف جھکاتے ہو۔'' اور مفسرین بھی یہی فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تم تمام امتوں سے بہتر ہو اور سب سے زیادہ لوگوں کو نفع پہنچانے والے ہو، ابولہب کی بیٹی حضرت درہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک مرتبہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ اس وقت منبر پر تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کونسا شخص بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا سب لوگوں سے بہتر وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ قاری قرآن ہو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو، سب سے زیادہ اچھائیوں کا حکم کرنے والا سب سے زیادہ برائیوں سے روکنے والا سب سے زیادہ رشتے ناتے ملانے والا ہو۔ [مسند احمد]

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: ''یہ وہ صحابہ ہیں جنہوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔'' صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت ساری امت پر مشتمل ہے، بیشک یہ حدیث میں بھی ہے کہ سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر اس کے بعد اس سے ملا ہوا زمانہ پھر اس کے بعد والا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''تم نے اگلی امتوں کی تعداد ستر تک پہنچا دی ہے، اللہ کے نزدیک تم ان سب سے بہتر اور زیادہ بزرگ ہو۔'' امام ترمذی نے اس مشہور حدیث کو حسن کہا ہے۔ اس امت کی افضلیت کی ایک بڑی دلیل اس امت کے نبی کی افضلیت ہے، آپ تمام مخلوق کے سردار تمام رسولوں سے زیادہ اکرام و عزت والے ہیں، آپ کی شرع اتنی کامل اور اتنی پوری ہے کہ ایسی شریعت کسی نبی کو نہیں ملی تو ظاہر بات ہے کہ ان فضائل کو سمیٹنے والی امت بھی سب سے اعلیٰ و افضل ہے، اس شریعت کا تھوڑا سا عمل بھی اور امتوں کے زیادہ عمل سے [حاشیہ جاری ہے]

اس آیت سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اس امت کی خیر و بھلائی کو باقی ماضی کی تمام امتوں پر مطلق طور پر ثابت کیا گیا ہے۔ اور اس خیر و بھلائی میں سب سے پہلے وہ لوگ داخل ہوتے ہیں جو کہ ان آیات کے نزول کے وقت براہ راست مخاطب تھے۔ اور وہ ہیں صحابہ کرام۔ اور اس آیت کا تقاضا ہے کہ یہ حضرات ہر حال میں استقامت پر رہیں۔ اور یہ بات بعید از قیاس ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی امت کے بارے میں فرمائیں کہ وہ بہترین امت ہیں؛ لیکن وہ نہ ہی اہل عدل ہوں اور نہ ہی استقامت پر چلتے ہوں۔ کیا خیر و بہتری یہی ہوتی ہے؟ اور ایسے ہی یہ بھی جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے وسط یعنی عادل امت ہونے کی خبر دیں اور وہ ویسے نہ ہوں۔" [الموافقات للشاطبي ٤/ ٤٠]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (الآنفال ٧٤-٧٥)

"اور جو لوگ ایمان لائے اور اپنے گھر چھوڑے اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جن لوگوں نے انہیں جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی سچے مسلمان ہیں ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔ اور جو لوگ اس کے بعد ایمان لائے اور گھر چھوڑے اور تمہارے ساتھ ہو کر لڑے سو وہ لوگ بھی تم ہی میں سے ہیں اور رشتہ دار آپس میں اللہ کے حکم کے مطابق ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں بیشک اللہ ہر چیز سے خبردار ہیں۔" [1]

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین و انصار صحابہ کی تعریف و ثنا بیان کی ہے؛ اور ان کے سچا مسلمان ہونے کی شہادت دی ہے۔ جس کے لیے اللہ تعالیٰ اس قسم کی گواہی دیدیں تو وہ عدالت کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

[بقیہ حاشیہ]: بہتر و افضل ہے۔ یہی وہ اہل ایمان کا گروہ ہے جنہیں اللہ تعالیٰ بہترین لوگ قرار دے رہے ہیں اور نبی کریم ﷺ انہیں جنت کی بشارتیں سنا رہے ہیں؛ اور متعہ کی اولاد انہیں کافر اور منافق ثابت کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ لعنت ہو تم پر اور تمہاری اس برائی پر۔

[1] اس آیت میں مکہ سے ہجرت کرنے والے صحابہ اور ان کی مدد کرنے والے انصار مدینہ کی تعریف و ثنا اور ان کے سچا مسلمان ہونے کی شہادت اور ان سے مغفرت اور باعزت روزی کا وعدہ مذکور ہے۔ اور فرمایا: "یہی لوگ سچے پکے مسلمان ہیں" اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ ہجرت نہ کرنے والے حضرات بھی اگرچہ مسلمان ہیں مگر ان کا اسلام ان مہاجرین جیسا کامل بھی نہیں۔ اس لیے جس آڑے وقت میں اسلام کی سربلندی کے لیے ان مہاجرین و انصار نے اپنی جان اور مال سے قربانیاں پیش کی ہیں۔ ان کا اعزاز اور ان کے درجات یقیناً ان مسلمانوں سے بلند ہوں گے اور ہونے چاہئیں جو اس وقت ایمان لائے یا ہجرت کی یا جہاد کیا۔ جبکہ اسلام پوری طرح جڑ پکڑ چکا ہے اور اس وقت اسلام لانے میں کسی خوف و خطرہ کی فکر تو درکنار فائدہ ہی فائدہ نظر آ رہا تھا۔ ان دونوں قسم کے مسلمانوں میں حقیقی اور راست باز مسلمان تو وہی قرار دیئے جا سکتے ہیں جنہوں نے کئی قسم کے خطرات مول لے کر اپنے گھر اور وطن کو خیر باد کہا یا پھر وہ لوگ جنہوں نے ان خستہ حال مسلمانوں کو وہاں پہنچتے ہی اپنے گلے سے لگا لیا اور اس طرح مہاجرین و انصار دونوں نے اپنے اسلام کے دعوی پر اپنے عمل سے مہر تصدیق ثبت کر دی۔ یقیناً یہی لوگ زیادہ اجر و ثواب کے مستحق ہیں۔

﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾۔ [التوبة ۱۰۰]

''مہاجرین وانصار میں سے سابقین اولین اور جولوگ نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والے ہیں اللہ ان سے راضی ہوئے اور وہ اس سے راضی ہوئے ان کے لیے ایسے باغ تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔''

اس آیت کو بطور دلیل پیش کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ سے اپنی رضامندی کی خبر دی ہے۔ اور اس کی رضامندی صرف اسی کے لیے ہوسکتی ہے جو اس رضا کا اہل اور حق دار ہو۔ اور یہ اہلیت صرف اس میں پائی جاسکتی ہے جو تمام امور دین میں عادل اور استقامت پر ہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ صرف اس سے راضی ہوتے ہیں جو اس کا محبوب اور پسندیدہ ہو۔ اللہ تعالیٰ آنکھ کی خیانت اور دلوں کے پوشیدہ حال جانتے ہیں۔

ایک بڑا مشہور عالم علامہ نوری الطبرسی اس آیت کی تفسیر میں لکھتا ہے:

''اس آیت میں سابقین کی فضیلت پر دلیل ہے۔ اور انہیں دوسرے لوگوں پر خصوصیت حاصل ہے: اس لیے کہ ان لوگوں نے دین کی نصرت کی خاطر طرح طرح کی مشقتیں برداشت کیں؛ اپنے خاندان اور قرابت داروں کی جدائیاں برداشت کیں؛ اور اپنے آباء واجداد کے مانوس دین کو چھوڑا۔ اور اسلام کی نصرت اس وقت میں کی جب مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور دشمنان کی تعداد بہت زیادہ۔ اور خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان لوگوں کا اسلام کی طرف سبقت لے جانا اور دوسروں کو اس کی دعوت دینا۔'' [1]

تفسیر المیزان کے مفسر نامور عالم علامہ طباطبائی نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے:

''سابقین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس دین کی نہ صرف بنیادیں کھڑی کیں۔ بلکہ اس کی بنیادوں کو ایسا مضبوط کیا کہ اس کا جھنڈا گرنے نہ پائے۔ وہ لوگ جو کہ ایمان لائے؛ اور نبی کریم ﷺ سے جاملے؛ اور آزمائشوں اور تکلیفوں پر صبر کیا؛ حبشہ اور مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی وجہ سے اپنے گھر بار اور اموال سے نکالے گئے۔ اور دوسرا اہل ایمان کا وہ گروہ تھا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی نصرت کی؛ اور اپنے ہاں پناہ دی؛ اور اپنی طرف ہجرت کرکے آنے والوں کو بھی ٹھکانہ دیا۔ اور نئے واقعات کے پیش آنے سے قبل اس دین کا دفاع کیا۔'' [2]

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے راضی نہیں ہوتے جو اس کی متعین کردہ راہ کی مخالفت کریں۔ اور پھر ان سے جنات نعیم اور بہت بڑی کامیابی کا وعدہ بھی کیا جائے؛ مگر وہ اس کی راہ پر قائم نہ رہیں؛ اور اس کی رضامندی کو

[1] مجمع البیان (۵/ ۹۸)
[2] تفسیر المیزان (۹/ ۳۷۳)

نہ پاسکیں۔ مجموعی طور پر ان حضرات سے خطاء اور گمراہی اٹھالی گئی تھی۔ اس وجہ سے یہ حضرات قدوہ قرار پائے۔ اور یہ اس قولِ نبی ﷺ میں شامل پہلے درجہ کے لوگ ہیں: " لا تجتمع أمتي علی ضلالة أو خطأ۔"

''میری امت گمراہی یا خطاء پر جمع نہیں ہوسکتی۔''

اور ایک دوسری روایت میں ہے:

''بیشک میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی؛ اور جب تم اختلاف دیکھو تو سوادِ اعظم کی اکثریت کا ساتھ دو۔''

اور ایک روایت میں ہے:

''اللہ تعالیٰ اس امت کو-یا یہ ارشاد فرمایا کہ امت محمد کو- گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے؛ اور جو کوئی جماعت سے علیحدہ ہوگا؛ وہ جہنم کی نذر ہوگا۔''

اور ارشاد فرمایا:

''تم پر جماعت کی اتباع لازم ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ میری امت کو صرف ہدایت پر ہی جمع کریں گے۔''

اور ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کبھی بھی میری امت کو گمراہی پر جمع نہیں کریں گے۔''

اور ارشاد فرمایا: ''میری امت ہرگز کبھی بھی گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔''

اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے میری امت کو گمراہی یا کسی بھی ایسی چیز پر جمع ہونے سے بچالیا ہے۔''[1]

اسی مسئلہ میں امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ایسا نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ مہاجرین و انصار کو گمراہی پر لگادیں۔ اور ایک روایت کے الفاظ ہیں: ''انہیں گمراہی پر جمع کردے اوران پر اندھا پن مسلط کردے۔''[2]

ایسے ہی امیر المومنین ان خوارج سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں؛ جنہوں نے آپ کو غلط کار اور گنہگار بتایا تھا:

''اور اگر تم نہیں مانتے؛ اور تم یہی کہتے ہو کہ میں گمراہ ہوگیا ہوں تو پھر تم میری گمراہی کی وجہ سے ساری امت محمد ﷺ کو کیوں گمراہ کہتے ہو۔''[3]

---

[1] ان روایات کے لیے دیکھیں:"ولاية الفقيه و فقه الدولة الإسلامية (٢/ ١٦)

[2] شرح نهج البلاغة لابن أبي الحديد (٣/ ٨٩) أعيان الشيعة لمحسن العاملي (١/ ٤٧١) بحار الأنوار (٣٢/ ٣٨٠) مصباح البلاغة مستدرك نهج البلاغة للمير جهاني (٤/ ٢٧) الأربعين للقمي (١٦٤) الغدير للأميني (٩/ ١٥٧) نهج السعادة للمحمودي (٤/ ٩٤)

[3] نهج البلاغة (٢/ ٧) بحار الأنوار (٣٣/ ٣٧٣) المعجم الموضوعي لنهج البلاغة لأويس كريم محمد (٣٠) شرح نهج البلاغة (٨/ ١١٢) جواهر التاريخ لعلي الكوراني (١/ ٣٦١) موسوعة الإمام علي بن أبي طالب في الكتاب والسنة والتاريخ لمحمد الريشهري (٦/ ٣٦٤)

ایک سائل حضرت جعفر الصادق علیہ السلام سے سوال پوچھا: ''کیا بیشک ایمان کے درجات اور منازل ہیں۔ جن میں اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں؟۔

**تو آپ نے فرمایا: ''ہاں!**

کہا: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائیں! اس کی کچھ تفصیل تو بیان فرمائیں! تا کہ میں اسے سمجھ سکوں۔

تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے درمیان مسابقت رکھی ہے جیسے گھوڑوں کے مابین دوڑ کے وقت مسابقت ہوتی ہے۔ اور پھر اپنی طرف سبقت لے جانے کے اعتبار سے انہیں فضیلت دی ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک انسان کے لیے اس کی مسابقت کے اعتبار سے فضیلت ہے۔ اس میں اس کے حق میں کچھ بھی کمی نہیں کی جائے گی۔ اور نہ ہی کسی پیچھے رہ جانے والے کو آگے بڑھنے والے پر مقدم کیا جائے گا اور نہ ہی مفضول کو فاضل پر۔ جیسا کہ اس امت کے آخری اور پہلے لوگوں کے مابین تفاضل ہے۔ اور اگر ایمان کی طرف سبقت لے جانے والے کی پیچھے رہ جانے والے پر کوئی فضیلت نہ ہو؛ جب اس امت کے آخری لوگ پہلے لوگوں سے مل جائیں۔

ہاں انہیں تقدیم دی جائے؛ جب ایمان کی طرف سبقت لے جانے والے کے لیے پیچھے رہ جانے والے پر کوئی فضیلت نہ ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کے درجات کی وجہ سے سابقین کو مقدم کیا ہے؛ اور ایمان میں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے دوسروں کو پیچھے رکھا ہے۔ اس لیے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعد میں آنے والے اہل ایمان میں ایسے لوگ بھی تھے جو کہ سابقین سے زیادہ عمل کرنے والے تھے۔ ان کی نمازیں؛ روزے؛ حج؛ زکواۃ اور جہاد؛ اور اللہ کی راہ میں خرچ؛ سب کچھ بہت زیادہ تھا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں سابقین اہل ایمان کی ایک دوسرے پر فضیلت نہ ہوتی تو بعد میں آنے والے کثرت عمل کی وجہ سے سابقین پر سبقت لے جاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں مانتے کہ بعد میں ایمان لانے والے پہلوں کے مقام و مرتبہ کو پالیں۔ اور ان کو مقدم کیا جائے جنہیں اللہ تعالیٰ نے مؤخر کیا ہے؛ اور انہیں مؤخر کیا جائے جنہیں اللہ تعالیٰ نے مقدم کیا ہے۔''

راوی کہتا ہے: میں نے کہا: مجھے کچھ ایسے فرمودات الٰہیہ کی خبر دیں جن میں اہل ایمان کو ایمان میں سبقت لے جانے کی ترغیب دی گئی ہو۔'' تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿سَابِقُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾۔ [الحدید ۲۱]

''اپنے رب کی مغفرت کی طرف دوڑو اور جنت کی طرف جس کا عرض آسمان اور زمین کے عرض کے برابر

ہے ان کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ اُوْلٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ﴾۔ [الواقعة ۱۰-۱۱]

"اور جو سبقت لے گئے تو وہ سبقت لے گئے۔ وہی مقربین خاص ہیں۔"

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾۔[التوبة ۱۰۰]

"مہاجرین وانصار میں سے سابقین اولین اور جو لوگ نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والے ہیں اللہ ان سے راضی ہوئے اور وہ اس سے راضی ہوئے۔"

پس اللہ تعالیٰ نے یہاں پر مسابقت ایمانی کے اعتبار سے مہاجرین اولین کا درجہ بیان کرنے سے شروع کیا ہے؛ پھر ان کے بعد انصار کا ذکر فرمایا؛ اور پھر ان کے بعد تابعین کا ذکر فرمایا۔ پس ان میں سے ہر ایک قوم کو اس کے اس درجہ اور منزلت پر رکھا ہے؛ جو اس کے ہاں ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان وجوہ کا بیان فرمایا جن کی وجہ سے وہ اپنے اولیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت سے سرفراز فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ﴾ (البقرة ۲۵۳)

"یہ سب رسول ہیں ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام فرمائی اور بعضوں کے درجے بلند کیے۔"

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ لَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا﴾۔[الإسراء ۵۵]

"اور ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت دی ہے اور ہم نے داؤد کو زبور دی تھی۔"

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَ لَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا﴾ (الإسراء ۲۱)

”دیکھو ہم نے ایک کو دوسرے پر کیسی فضیلت دی ہے اور آخرت کے تو بڑے درجے اور بڑی فضیلت ہے۔“

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ﴾۔[آل عمران ۱۶۳]

”اللہ کے ہاں لوگوں کے مختلف درجے ہیں اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَّ يُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ﴾۔[ھود ۳]

”گا اور ہر صاحب فضل کو اس کا فضل عطا کرے گا۔“

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾۔[التوبة ۲۰]

”جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے لڑے اللہ کے ہاں ان کے لیے بڑا درجہ ہے اور وہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًاo دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَ مَغْفِرَةً وَّ رَحْمَةً وَّ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًاo﴾۔[النساء ۹۵-۹۶]

”مسلمانوں میں سے جو لوگ کسی عذر کے بغیر گھر بیٹھے رہتے ہیں اور وہ جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتے ہیں دونوں برابر نہیں ہیں اللہ نے بیٹھنے والوں پر جان و مال سے جہاد کرنے والوں کا درجہ بڑھایا دیا ہے اگرچہ ہر ایک سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے اور اللہ نے لڑنے والوں کو بیٹھنے والوں سے اجر عظیم میں زیادہ کیا ہے۔ان کے لیے اللہ کی طرف سے بڑے درجے اور مغفرت اور رحمت ہے اور اللہ معاف کرنے والے رحم کرنے والے ہیں۔“

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا

وَ كُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴾۔[الحدید ۱۰]

''اور تمہیں کیا ہو گیا جو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کا ورثہ تو اللہ ہی کے لیے ہے تم میں سے اور کوئی اس کے برابر ہو نہیں سکتا جس نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا یہ ہیں کہ اللہ کے نزدیک جن کا بڑا درجہ ہے ان لوگوں پر ہے جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور جہاد کیا اور اللہ نے ہر ایک سے نیک جزا کا وعدہ کیا ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ﴾۔[المجادلة ۱۱]

''اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان داروں کے اور ان کے جنہیں علم دیا گیا ہے درجے بلند کرے گا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾۔[التوبة ۱۲۰]

''یہ اس لیے ہے کہ انہیں اللہ کی راہ میں جو تکلیف پہنچتی ہے پیاس کی یا تھکاوٹ کی یا بھوک کی؛ یا وہ ایسی جگہ چلتے ہیں جو کافروں کے غصہ کو بھڑکائے اور یا کافروں سے کوئی چیز چھین لیتے ہیں ہر بات پر ان کے لیے عمل صالح لکھا جاتا ہے بیشک اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾۔[البقرة ۱۱۰]

''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور جو کچھ نیکی سے اپنے واسطے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں پاؤ گے بیشک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو سب دیکھتا ہے۔''



اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ☆وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾۔[الزلزلة ۷-۸]

''پھر جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لیگا۔''

یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایمان کے درجات اور منازل کا بیان ہے۔''[1]

[1] الكافي (۲/ ٤١) شرح، أصول الكافي للمازندراني (۱۲۱) بحار الأنوار (۳۲/ ۳۰۸) رياض السالكين في صحيفة سيد الساجدين للشيرازى (۲/ ۸۸) موسوعة أحاديث أهل البيت (في الهامش) (۱/ ۵۰۳) تفسير نور الثقلين (۲/ ۲۵۵)

اور ایسے ہی قرآن مجید کی کوئی مدنی سورت ایسی نہیں ہے؛ جس میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے جہاد فی سبیل اللہ کا بیان نہ ہو۔ مثال کے طور پر یہ آیات پڑھیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ☆ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ☆خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾۔[التوبة ٢٠-٢٢]

”جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنی جانوں اور مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا؛ اللہ کے ہاں ان کا بڑا درجہ ہے اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔ انہیں ان کا رب اپنی طرف سے مہربانی اور رضا مندی اور باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں انہیں ہمیشہ آرام ہوگا۔ ان میں ہمیشہ رہیں گے بیشک اللہ کے ہاں بڑا ثواب ہے۔“

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾۔[الحج ٤٠]

”جن لوگوں کو ناحق ان کے گھروں سے نکال دیا گیا؛ صرف اتنا کہنے پر کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا تو تکیے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں ڈھا دی جاتیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے اور اللہ ضرور اپنی مدد کرنے والوں کی مدد کرے گا بیشک اللہ زبردست غالب ہے۔“

ابو جعفر کہتے ہیں: ”یہ آیت مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں نازل ہوئی۔“[1]

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ☆ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾۔[التوبة ٨٨-٨٩]

”لیکن رسول اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے وہ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا؛ انہی لوگوں کے لیے بھلائیاں ہیں اور وہی نجات پانے والے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے باغ تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے یہی بڑی کامیابی ہے۔“

[1] تفسير مجمع البيان (٧/ ١٥٦) تفسير الصافي (٣/ ٣٨١) تفسير نور الثقلين للحويزي (٣/ ٥٠١) الميزان لطباطبائي (١٤/ ٣٩٥) تفسير شبر لعبد الله شبر (٣٣٦) تأويل الآيات أز شرف الدين الحسيني (١/ ٣٣٨)

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾۔[الحدید ۱۰]

''اور تمہیں کیا ہو گیا جو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کا ورثہ تو اللہ کے لیے ہے۔ تم میں سے کوئی اس کے برابر ہو نہیں سکتا جس نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا۔ اللہ کے نزدیک ان کا بڑا درجہ ان لوگوں پر ہے جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور جہاد کیا اور اللہ نے ہر ایک سے جنت کا وعدہ کیا ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِن بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيمٌ ☆ الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ☆ فَانقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ﴾۔[آل عمران ۱۷۲-۱۷۴]

''جنہوں نے زخمی ہونے کے بعد بھی اللہ اور رسول کا حکم مانا؛ ان میں سے جو کوئی نیک اور پرہیزگار ہیں ان کیلئے بڑا اجر ہے۔ جنہیں لوگوں نے کہا کہ لوگ تمہارے مقابلے کے لیے جمع ہو گئے ہیں تم ان سے ڈرو تو ان کا ایمان بڑھ گیا؛ اور بولے: ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ پھر وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ لوٹے؛ انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچی اور اللہ کی مرضی کے تابع ہوئے اور اللہ بڑے فضل والے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ﴾۔[الأنفال ۱۱]

''جس وقت اس نے تم پر اپنی طرف سے تسکین کے لیے اونگھ ڈال دی اور تم پر آسمان سے پانی اتارا تا کہ اس سے تمہیں پاک کر دے اور شیطان کی نجاست تم سے دور کر دے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس سے تمہارے قدم جما دے۔''

یہ آیت غزوہ بدر میں نازل ہوئی

رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے

بارے میں اس وقت ؛ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں قتل کرنے کی اجازت طلب کی ؛ تو فرمایا:

((وما يدريك يا عمر! لعل الله اطلع على اهل بدر ، فقال :

((اعملوا ماشئتم فقد غفرت لكم.))

''اے عمر! آپ کو کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے (آسمان پر سے) بدر والوں کو جھانک کر دیکھا اور فرمایا:

''اب تم جو چاہو کرو، میں نے تم کو بخش دیا ہے۔''[1]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ: یہاں پر ''اعملوا'' تکریم کے لیے آیا ہے۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ اہل بدر صحابہ کے کسی بھی عمل پر ان سے کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے۔ اور اس کا معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ ان کے برے اعمال کی پہلے سے ہی مغفرت کردی گئی ہے گویا کہ انہوں نے کوئی برا عمل کیا ہی نہیں۔[2]

## امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: علمائے کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں:

''اس کا معنی یہ ہے کہ: آخرت میں ان کی مغفرت کردی جائے گی؛ وگرنہ ان میں سے کوئی ایک اگر دنیا میں برا عمل کرے گا تو اس کی حد اس پر جاری کی جائے گی۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے حد قائم کرنے پر اجماع نقل کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ پر حد قائم کی تھی؛ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ پر حد جاری کی تھی؛ یہ بدری صحابی تھے۔''[3]

## علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ خطاب ان لوگوں کے لیے ہے جن کے بارے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو علم تھا کہ وہ اس دین کو نہیں چھوڑیں گے؛ بلکہ اسی دین پر مریں گے۔ اور یہ کہ ان سے بعض ایسی کوتاہیاں بھی ہوجائیں گی جیسا کہ دوسرے لوگوں سے ہوجاتی ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہوگا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ انہیں اس گناہ یا برائی پر مصر رہنے دے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں سچی توبہ واستغفار کرنے کی توفیق دیں گے۔ اور ان نیکیوں کی توفیق دیں گے جو کہ گناہوں کے اثرات کو ختم کردیتی ہیں۔ یہ ان کے لیے خاص ہے کسی دوسرے کے لیے نہیں۔ اس لیے کہ ان کے حق میں یہ باتیں ثابت ہوچکی ہیں کہ یہ حضرات بخشے ہوئے ہیں۔ اور اسباب کے بجالانے کے بعد کوئی چیز مغفرت میں مانع نہیں ہوسکتی۔ اس کا تقاضا ہرگز یہ نہیں کہ وہ اپنی مغفرت پر یقین کرتے ہوئے شرعی فرائض کو معطل کردیں۔ اور اگر یہ مغفرت استمرار کے ساتھ اوامر بجالائے بغیر ہی حاصل ہوگئی ہوتی تو انہیں نماز وروزہ اور زکواۃ وحج کی اور جہاد کی کوئی ضرورت باقی نہ رہتی۔ یہ سب باتیں محال ہیں۔''[4]

[1] بخاري كتاب المغازي باب من شهد بدرا؛ ص(٥٦٧، ج٢)   [2] معرفة الخصال المكفرة لابن حجر (٣١)

[3] صحيح مسلم مع شرح النووي (١٦/ ٥٦)

[4] الفوائد لابن قيم (١٩)

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ﴾۔ [البقرة ٢١٤]

''کیا تم خیال کرتے ہو کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تمہیں وہ (حالات) پیش نہیں آئے جو ان لوگوں کو پیش آئے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں انہیں سختی اور تکلیف پہنچی اور ہلا دیئے گئے یہاں تک کہ رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے بول اٹھے کہ اللہ کی مدد کب ہوگی سنو بیشک اللہ کی مدد قریب ہے۔''

نوری الطبرسی نے کہا ہے:

''یہ آیت نبی کریم ﷺ کے ان مہاجر اصحاب کی شان میں نازل ہوئی جو اپنا گھر بار چھوڑ کر اور اموال ترک کر کے مدینہ چلے گئے تھے۔ اور انہیں بہت تکلیف اٹھانا پڑی تھی۔''❶

ان کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو شعر کہے ہیں؛ ان کا ترجمہ یہ ہے:

''آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ قرآن لیکر آئے جس کی آیات اہل عقل کے لیے بالکل واضح ہیں۔ قابل عزت لوگ ان پر ایمان لائے؛ اور الحمد للہ کہ ان کی شیرازہ بندی ہوگئی۔ اور کچھ لوگوں نے ان کا انکار کیا تو ان کے دلوں میں ٹیڑھا پن پیدا ہوگیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی گمراہی کو اور زیادہ بڑھا دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن اپنے رسول کو ان پر فتح عطاء فرمائی۔ اور ایک غضبناک قوم نے ان میں اچھے اچھے کارنامے دکھائے۔ اور ان کے سفید ہاتھوں میں یہ مشرکین گرفتار ہو کر آئے............۔''❷

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾۔[الحديد ١٠]

''تم میں سے اور کوئی اس کے برابر ہو نہیں سکتا جس نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا؛ اللہ کے نزدیک ان کا بڑا درجہ ان لوگوں پر ہے جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور جہاد کیا اور اللہ نے ہر ایک سے جنت کا وعدہ کیا ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔''

یہاں پر آیت کریمہ میں ذکر کردہ ''الحسنیٰ'' سے مراد جنت ہے۔ جیسا کہ مجاہد اور قتادہ نے کہا ہے۔ اور اس سے ابن حزم نے یہ استدلال لیا ہے کہ: تمام کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قطعی طور پر جنتی ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

❶ تفسير مجمع البيان (٢/ ٦٨)

❷ ديوان أمير المؤمنين على بن ابى طالب (١٠٧) مناقب آل أبي طالب (١/ ٧٥) بحار الأنوار (١٩/ ٣٢١)

﴿وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾۔ان تمام سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے۔ ❶

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا وصف یہ بیان فرمایا ہے کہ: وہ سچے اور متقی و پرہیز گار لوگ تھے۔اور پھر ان لوگوں سے کئی ایک مواقع پر کامیابی اور نجات کا وعدہ فرمایا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾۔[التوبة ۱۱۹]

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچوں کے ساتھ رہو۔''

مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں: یہ آیت مبارکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔'' ❷

جن لوگوں کی اقتداء و پیروی کا حکم ہمیں دیا گیا ہے ان کا مقام و مرتبہ کسی پر مخفی نہیں ہے۔اور یہ سلسلہ روز قیامت تک باقی رہے گا۔اور یہاں یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ان کا یہ حال اصلاح کے عالم میں ارتداد سے پہلے تھا۔جیسا کہ مریض القلب لوگ اس قسم کے دعوے کرتے ہیں۔اس لیے کہ یہ تمام بشری مقیاس ہیں۔یہ اس عالم الغیب کی طرف سے خبر نہیں ہے جس پر آسمانوں اور زمینوں کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں؛ اور وہ دلوں میں چھپی باتوں کا بھی جاننے والا ہے۔

**اور ایک عالم نے کہا ہے:**

''یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دشمن کے خلاف جہاد کرنے کا جو وعدہ کیا تھا؛ اسے سچ کر دکھایا، اور اس راہ میں رسول اللہ ﷺ کی نصرت؛ اور اس کے دین کی سر بلندی کے لیے انہوں نے اپنی جان تک کی بازی لگادی۔جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا﴾۔[الأحزاب ۲۳]

''ایمان والوں میں سے ایسے آدمی بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اسے سچ کر دکھایا پھر ان میں سے بعض تو اپنا کام پورا کر چکے اور بعض منتظر ہیں اور عہد میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔'' ❸

امامیہ فرقہ کا ایک اور بڑا عالم شیخ مفید کہتا ہے:

**اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ:**

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾۔[التوبة ۱۱۹]

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچوں کے ساتھ رہو۔''

اس میں یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ منادی بہ منادی بالیہ کے بغیر کوئی اور ہے۔اور جن کو اتباع کی دعوت دی جارہی ہے

❶ الفصل (٤/ ١٤٨) ❷ مجمع البيان للطبرسي (٣/ ١٢٢) ❸ الغيبة للنعماني (٦٤)

وہ ان لوگوں کے بغیر کوئی دوسرے ہیں جن کی اتباع کی دعوت ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جنہیں صادقین یعنی سچے لوگوں کی اتباع کا حکم دیا جارہا ہے؛ وہ ساری امت نہیں ہیں۔ بلکہ ان میں سے کچھ گروہ ہیں۔ ان کی اتباع کا حکم جن کو ملا ہے؛ وہ متبعین سے ہٹ کر ہیں۔ پس ان دونوں گروہوں میں نصوص کی روشنی میں تمیز کرنا بہت ضروری ہے۔ وگرنہ اس میں التباس پیدا ہوجائے گا؛ اور یہ تکلیف مالا یطاق ہوگی۔ [1]

## عبداللہ الشبر (شیعہ عالم) نے لکھا ہے:

''الصادقین سے تمام لوگ مراد نہیں ہیں۔ اس لیے کہ کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جو کہ اجمالی طور پر سچا نہ ہو۔ حتی کہ کافر بھی۔ اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ساتھ دینے کا حکم نہیں دیتے۔ بلکہ اس سے مراد اپنے ایمان اور وعدہ میں؛ قصد اور ارادہ میں؛ اور اقوال و اخبار میں؛ اور اعمال و شرائع میں؛ حتی کہ تمام احوال اور زمانوں میں سچے لوگ ہیں۔'' [2]

جب ہم اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں ہر قسم کی تاویل کو ترک کردیں؛ اور روایات کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کریں۔ اور قرآن کی تفسیر قرآن سے کریں۔ تو ہم دیکھتے ہیں کہ آیات مبارکہ پوری وضاحت و بیان کے ساتھ ایک دوسری سے مطابقت رکھتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو جلی صورت میں پیش کرتی ہیں:

﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ أُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾۔ [الحشر ۸]

''وہ مال وطن چھوڑنے والے مفلسوں کے لیے بھی ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے وہ اللہ کا فضل اس کی رضا مندی چاہتے ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی سچے مسلمان ہیں۔''

پس یہی لوگ ہیں جو اس آیت کریمہ میں مراد ہیں۔

اور یقیناً اس پر وہ ادعیہ (دعائیں) بھی دلالت کرتی ہیں جو کہ اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کی زبانی وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً امام جعفر الصادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اے اللہ تعالیٰ! آپ نے ہمیں اپنے حکمرانوں کی اطاعت کا حکم دیا۔ اور ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم سچے لوگوں کا ساتھ دیں۔ اور فرمایا:

﴿يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾۔[النساء ۵۹]

''ایمان والو! اللہ کی فرمانبرداری کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہوں۔''

اور یہ بھی فرمایا:

[1] المسائل العکبریة للشیخ المفید (٤٧)

[2] الأنوار اللامعة في شرح الزیارة الجامعة لعبدالله الشبر (١١٤)

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾۔[التوبة ١١٩]

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچوں کے ساتھ رہو۔''

اے ہمارے رب! ہم نے آپ کی بات سنی اور اس کی اطاعت کی۔ پس ہمارے رب! ہمیں ثابت قدم رکھ۔ اور ہمیں ان مسلمانوں کے ساتھ موت دینا جو تیرے ان اولیاء کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ اے ہمارے رب! ہمارے دلوں میں ہدایت کے بعد کجی نہ ڈالنا۔ اور ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطاء فرما؛ بیشک تو بہت ہی عنایت کرنے والا ہے۔''❶

ایسے ہی امام زین العابدین رحمہ اللہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب آپ یہ آیت تلاوت کرتے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾۔[التوبة ١١٩]

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچوں کے ساتھ رہو۔''

تو ایک لمبی دعاء کرتے ؛ جس میں ان لوگوں سے ملنے کی طلب ہوتی؛ اور صادقین کا مقام و مرتبہ اور درجات عالیہ طلب کرتے۔''❷

### اور ان ہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾۔[الفتح ٢٩]

''محمد اللہ کے رسول ہیں اور آپ کے ساتھی کفار پر سخت اور آپس میں رحم دل ہیں آپ انہیں دیکھو گے کہ رکوع و سجود کر رہے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں ان کی شناخت ان کے چہروں میں سجدہ کا نشان ہے؛ ان کا یہ وصف تورات میں ہے اور انجیل میں ان کا وصف مثل اس کھیتی کے ہے جس نے اپنی کونپل نکالی پھر اسے مضبوط کیا پھر موٹی ہو کر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی کسانوں کو خوش کرنے لگی تاکہ اللہ ان کی وجہ سے کفار کو غصہ دلائے اللہ ان میں سے مؤمنین اور نیک کام کرنے والوں سے بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔''

❶ تهذيب الأحكام للطوسي (٣/ ١٤٧) جامع أحاديث الشيعة للبروجردي (٧/ ٤٠٢) موسوعة أحاديث أهل البيت (٨/ ٣٠) غاية المرام هاشم البحراني (١/ ٣٤٣)

❷ المراجعات لشرف الدين (٦٩) جامع أحاديث الشيعة (١/ ٤٠) أمان الأمة من الاختلاف لطف الله الصافي (١٨٦) مكاتيب الرسول لأحمد ميانجي (١/ ٥٧٣) نفحات الأزهار لعلي الميلاني (٦٠٢)

پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُوا الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوْتُوا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾۔

''جنہوں نے ان سے پہلے مدینہ میں گھر اور ایمان حاصل کر رکھا ہے جو ان کے پاس وطن چھوڑ کر آتا ہے اس سے محبت کرتے ہیں اور اپنے سینوں میں اس کی نسبت کوئی خلش نہیں پاتے جو مہاجرین کو دیا جائے اور وہ اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں اگر چہ ان پر فاقہ ہو۔''

یہ منزل انصار کی ہے۔اور یہ بھی گزر چکی ہے۔'' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاؤُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾۔[الحشر ١٠]

''اور جو ان کے بعد آئے اور وہ دعا کرتے ہیں: اے ہمارے رب ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمانداروں کے لیے کینہ نہ ڈال؛ اے ہمارے رب بیشک آپ بڑے مہربان نہایت رحم کرنے والے ہیں۔''

وہ دو منزلیں گزر چکی ہیں؛ اور یہ ایک منزل باقی ہے۔اور تمہاری بھلائی اور خوش نصیبی ہوگی کہ اس منزل پر رہو جو باقی بچی ہوئی ہے۔یعنی اپنے سے پہلے لوگوں کیلئے استغفار کرو۔'' [1]

## ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''لوگوں کو ان (اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے استغفار کرنے کا حکم دیا گیا، تو انہوں نے (استغفار کے بجائے) سب وشتم کیا۔'' [2]

ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس سے بڑھ کر بد نصیب و بدحال کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے؛ اور ان کی نافرمانی اور مخالفت کے گناہوں کا بوجھ لے کر لوٹے۔کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا تھا کہ اپنے اصحاب کو معاف فرمائیں؛ اور ان کے لیے استغفار کریں؛ اور ان کے لیے اپنے دامن کو نرم کریں۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾۔ [آل عمران ١٥٩]

[1] الحاكم (٢/ ٣٤٨٤) صححه الألباني [2] مسلم كتاب التفسير ح: (٣٠٢٢)

یہ آیت دوسرے دلائل کے ساتھ مل کر؛ اس بات کی دلیل ہے کہ: صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں جو کوئی کوتاہی اور نا عاقبت اندیشی کرتا ہے؛ یا ان کی شان میں گستاخی کرتا ہے؛ اور جو مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عطاء کیا ہے؛ اس میں کمی اور کوتاہی کرتا ہے؛ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوتے ہیں۔

## امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ نصاری جب ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو دیکھتے جنہوں نے شام فتح کیا ہے؛ تو کہتے: اللہ کی قسم! یہ لوگ حواریوں سے بہتر ہیں؛ جیسے کہ ہمیں خبر پہنچی ہے۔ اور اس خبر کی وہ تصدیق کرتے۔ اس لیے کہ اس امت کی تعظیم سابقہ کتابوں میں بھی بیان ہوئی ہے۔ اور اس امت میں سب سے زیادہ عظمت والے اور سب سے افضل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ سابقہ متداول کتابوں میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ذکر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اس فرمان الٰہی میں ہے: ﴿ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ﴾ یہی وصف ان کا تورات میں ہے۔ اور پھر فرمایا: ﴿وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ﴾۔ اور انجیل میں ان کا وصف اس کھیتی کے مثل ہے جس نے اپنی کونپلیں نکالیں۔ ﴿فَـآزَرَهُ﴾ پھر اسے قوی کر دیا ؛یعنی پھر وہ مضبوط اور لمبی ہوگئیں۔ ﴿فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ ﴾''پھر اپنے تنا پر کھڑی ہوگئی کسانوں کو خوش کرنے لگی۔'' یہی حال اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ہے۔ انہوں نے آپ کی مدد و نصرت کی؛ آپ کی تائید میں ہمہ تن دوش مصروف ہوئے۔ اور ان کی مثال اسی تنے کی ہے تاکہ ﴿ لِيَـغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ ''ان کی وجہ سے کفار کو غصہ دلائے۔''❶

## علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جمہور علمائے اہل سنت کے نزدیک یہ وصف تمام صحابہ کا ہے۔''❷

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''لوگوں کی تین منازل ہیں: دو منزلیں گزر چکی ہیں؛ اور ایک باقی ہے۔ پس تمہاری سب سے بڑی بہتری یہ ہوگی کہ تم اس منزل پر رہو۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا﴾ ''وہ مال وطن چھوڑنے والے مفلسوں کے لیے بھی ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے اللہ کا فضل اس کی رضا مندی چاہتے ہیں۔''

یہ منزل مہاجرین کی ہے۔ یہ منزل گزر چکی ہے۔

---

❶ الاستيعاب (١/ ٦) تفسير ابن كثير (٤/ ٢٠٤)

❷ زاد المسير (٤/ ٢٠٤)

''پھر اللہ کی رحمت کے سبب سے تو ان کے لیے نرم ہو گیا اور اگر تو تند خو اور سخت دل ہوتا تو البتہ تیرے گرد سے بھاگ جاتے پس انہیں معاف کر دے اور ان کے واسطے بخشش مانگ اور کام میں ان سے مشورہ لیا کر پھر جب تو اس کام کا ارادہ کر چکا تو اللہ پر بھروسہ کر بیشک اللہ توکل کرنے والے لوگوں کو پسند کرتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾۔[الشعراء ۲۱۵]

''اور جو ایمان لانے والے تیرے ساتھ ہیں ان کے لیے اپنا بازو جھکائے رکھ۔''

''پس جو کوئی ان کو گالی دے؛ یا ان سے بغض رکھے؛ یا ان کے مابین ہونے والی جنگوں اور چپقلشوں کی ناروا اور غلط تاویل کرے؛ تو وہ انسان اللہ تعالیٰ کے حکم؛ ان کے ادب اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی وصیت سے روگردانی کرنے والا ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بدزبانی وہی کرسکتا ہے؛ جس کے دل میں نبی کریم ﷺ؛صحابہ؛ اسلام اور مسلمانوں کے متعلق بدنیتی ہو۔''❶

مجاہد سے روایت ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''اصحاب محمد ﷺ کو برا بھلا نہ کہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کے لیے استغفار کرنے کا حکم دیا ہے' حالانکہ وہ جانتا تھا کہ یہ لوگ آپس میں لڑیں گے۔''❷

پس اس سابقہ آیت کے ساتھ ربط کی روشنی میں؛امام جعفر الصادق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے؛ آپ اس آیت:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾[البقرة: ۱۴۶]

کی تفسیر میں فرماتے ہیں:''یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو جانتے تھے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر تورات و انجیل اور زبور میں محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کی؛ اور آپ کے دار ہجرت کی نشانیاں اتاری تھیں۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾۔[الفتح ۲۹]

❶ الإمامة (۳۷۵)
❷ الصارم المسلول (۵۷۴) منهاج السنة (۲/ ۱۴) أحمد في الفضائل (۱۸۷) یہ حدیث صحیح مسلم کے بعض نسخوں میں ہے۔

''محمد اللہ کے رسول ہیں اور آپ کے ساتھی کفار پر سخت اور آپس میں رحم دل ہیں آپ انہیں دیکھو گے کہ رکوع و سجود کر رہے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں ان کی شناخت ان کے چہروں میں سجدہ کا نشان ہے؛ ان کا یہ وصف تورات میں ہے اور انجیل میں ان کا وصف مثل اس کھیتی کے ہے جس نے اپنی کونپل نکالی پھر اسے مضبوط کیا پھر موٹی ہو کر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی کسانوں کو خوش کرنے لگی تا کہ اللہ ان کی وجہ سے کفار کو غصہ دلائے اللہ ان میں سے مؤمنین اور نیک کام کرنے والوں سے بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔''

تورات میں یہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کی نشانیوں کا ذکر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا تو اہل کتاب نے آپ کو پہچان لیا تھا؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَمَّا جَآءَ هُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾-[البقرة ۸۹]

''پھر جب ان کے پاس وہ چیز آئی جسے انہوں نے پہچان لیا تو اس کا انکار کیا سو کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔''

اب ہم پلٹ کر دوبارہ اپنے پہلے موضوع کی طرف جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں صحابہ کرام کے فضائل کا ذکر ہو رہا تھا۔''[1]

## اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۞ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا﴾- [الفتح ۱۸-۲۰]

''بیشک اللہ مؤمنوں سے راضی ہوا جب وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے پھر اس نے جان لیا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا پس اس نے ان پر اطمینان نازل کر دیا اور انہیں جلد ہی فتح دے دی۔ اور بہت سی غنیمتیں بھی دے گا جنہیں وہ لیں گے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے جنہیں تم حاصل کرو گے پھر تمہیں اس نے یہ چیز جلدی دے دی اور اس نے تم سے لوگوں کے ہاتھ روک دیئے تا کہ ایمان لانے والوں کے لیے یہ ایک نشان ہو اور تا کہ تم سیدھے راستہ پر چلائے۔''

ان آیات مبارکہ میں واضح طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی عدالت کی دلیل ہے؛ جو کہ حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے۔ اس آیت سے عدالت صحابہ پر استدلال کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے اپنی رضامندی کی خبر دی ہے۔ اور ان کے لیے ایمان اور تزکیہ نفس کی گواہی دی ہے کہ ان کے دلوں میں صدق و ایمان،

[1] بحار الأنوار (۶۹/ ۹۲) التفسير الصافي (۵/ ۴۵) تفسير نور الثقلين (۱/ ۹۹) الميزان (۱/ ۳۲۴)

اخلاص و وفاء اور سمع و طاعت رچ بس گئے تھے۔ اور یہ تزکیہ علام الغیوب؛ اور خفیہ خبریں جاننے والے کی طرف سے صرف ان لوگوں کے حق میں صادر ہوسکتا ہے جو کہ استقامت اور اطاعت الٰہی کی معراج پر فائز ہوں۔

**طبرسی کہتا ہے:**

''بیعت حدیبیہ کو اس آیت کی وجہ سے بیعت رضوان بھی کہا جاتا ہے؛ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان لوگوں پر راضی ہوگئے تھے۔ اس سے مراد ان لوگوں کی تعظیم؛ اور ان کی تائید و اثابت [ثابت قدمی] ہے؛ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دی جا رہی ہے کہ وہ ان اہل ایمان سے راضی ہوگیا جنہوں نے حدیبیہ کے موقع پر کیکر کے ایک معروف درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔''❶

بیعت رضوان کے اس مبارک موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تعداد بارہ سو تھی؛ ایک روایت میں چودہ سو آیا ہے؛ اور ایک روایت میں پندرہ سو اور ایک روایت میں اٹھارہ سو کا تذکرہ ہے۔''❷

**حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:**

''اصحاب محمد ﷺ کو برا بھلا نہ کہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کے لیے استغفار کرنے کا حکم دیا ہے' حالانکہ وہ جانتا تھا کہ یہ لوگ آپس میں لڑیں گے۔''❸

اس آیت مبارکہ میں صحابہ کرام کے تزکیہ پر کھلی ہوئی دلیل ہے۔ اور یہ ایسا تزکیہ ہے کہ اس پر اور ایسی خبر دینے پر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا قادر نہیں ہوسکتا۔ یہ ان کے باطن اور دلوں کے احوال کا تزکیہ ہے۔ یہاں سے ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رضامندی کا اظہار ہوتا ہے۔ اور جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوجائیں؛ تو اس کے بارے میں یہ ہرگز ممکن نہیں کہ وہ کفر پر مرے گا۔ اس لیے کہ اصل اعتبار تو اسلام پر وفات کا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی رضامندی صرف ان لوگوں کو حاصل ہوسکتی ہے جن کے بارے میں علم ہو کہ ان کی موت بھی اسلام پر ہوگی۔❹

**اس کی تائید صحیح مسلم کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے؛ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:**

((لا يدخل النار إن شاء الله من أصحاب الشجرة أحدٌ . الذين بايعوا تحتها . ))

''درخت والوں میں سے کوئی ایک بھی جہنم میں نہیں جائے گا؛ ان شاء اللہ؛ جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی۔''❺

---

❶ مجمع البيان / للطبرسي (٥/ ١٧٦)

❷ مجمع البيان للطبرسي (٥/ ١٧٦) بحار الأنوار (٢٠/ ٣٤٦) روضة الكافي للكليني (٣٢٢) مناقب آل ابي طالب لابن شهر آشوب (٢/ ٢٢) صحيح البخاري كتاب المغازي (٤١٥٤)

❸ الإرشاد (١٣) تفسير فرأت (٢/ ٤٢١) كشف الغمة (١/ ٨١) كشف اليقين للحلي (٣٣)

❹ الصواعق المحرقة (٣١٦)

❺ مسلم (٢٤٩٦)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''رضامندی اللہ تعالیٰ کی قدیم صفت ہے۔اللہ تعالیٰ صرف اس انسان سے راضی ہوتے ہیں جس کے متعلق وہ جانتے ہیں کہ وہ رضا مندی کے تقاضوں کو پورا کرے گا اور جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوجاتے ہیں پھراس پر کبھی ناراض نہیں ہوتے۔پس وہ تمام حضرات جن کے بارے میں اس نے خبر دی ہے کہ وہ ان سے راضی ہوگیا ہے؛ وہ اہل جنت میں سے ہیں؛ بیشک ان سے اس کی رضا ایمان اور اعمال صالحہ کے بعد ہوئی تھی۔اس لیے کہ اس رضامندی کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح وثناء کے شروع میں کیا ہے۔اور اگر اللہ تعالیٰ کو یہ علم ہوتا کہ ان نیک اعمال کے بعد یہ لوگ ایسے کام کریں گے جن سے ان کا رب ناراض ہوتا ہو؛ تو پھر وہ اس رضامندی کے اہل نہ ہوتے۔''❶

علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''پس جن لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہمیں یہ بتارہے ہیں کہ اس نے ان کے دلوں کے احوال کو جان لیا؛اوران سے راضی ہوگیا؛ اوران پر سکون نازل فرمایا؛ تو پھر کسی ایک کے لیے حلال نہیں ہوتا کہ ان کے بارے میں کسی بھی قسم کے شک وشبہ کا اظہار کرے۔''❷

اللہ تعالیٰ ان حضرات کے بارے میں یہ بھی فرماتے ہیں:

﴿هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰىكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ﴾۔[الحج ۷۸]

''اسی نے تمہارا نام پہلے سے مسلمان رکھا تھا اوراس قرآن میں بھی تاکہ رسول تم پر گواہ بنے اورتم لوگوں پر گواہ بنو پس نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کو مضبوطی سے پکڑو وہی تمہارا مولی ہے پھر کیا ہی اچھا مولی اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔''

اس کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں۔پہلا قول یہ ہے کہ: تاکہ تم لوگوں کے اعمال پر دنیا وآخرت میں ان کے متعلق گواہی دو کہ انہوں نے حق کی مخالفت کی تھی۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾۔[الزمر ٦٩]

''اورزمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی اور کتاب رکھ دی جائے گی اور نبی اور گواہ لائے جائیں گے اوران میں انصاف سے فیصلہ کیا جائے گا اوران پر ظلم نہ کیا جائے گا۔''

❶ الصارم المسلول (٥٧٢) ❷ الفصل في الملل و النحل (٤/ ١٤٨)

**اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:**

﴿إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ﴾۔[غافر ٥١]

''ہم اپنے رسولوں اور ایمانداروں کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد کریں گے اور اس دن بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے۔''

کہا گیا ہے کہ: یہ گواہ چار اقسام کے ہیں: ۱۔ ملائکہ۔ ۲۔ انبیاء۔ ۳۔ امت محمد۔ ۴۔ اعضاء۔

اور دوسرا معنی یہ ہے: ''تاکہ تم لوگوں پر حجت بن جاؤ۔ اوران کے لیے حق بات اور دین کو واضح کرو۔ اور رسول تم پر گواہ ہوجائیں؛ یعنی تم تک یہ دین پہنچانے والے۔

اور تیسرا معنی یہ ہے: یہ انبیائے کرام کے حق میں ان کو جھٹلانے والی امتوں کے خلاف گواہی دیں گے کہ انہوں نے تبلیغ کا حق ادا کردیا تھا۔ اور نبی کریم ﷺ کے ان کو بتانے کی وجہ سے ایسا جائز ہے۔ اور: ﴿وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾۔[البقرة ١٤٣] ''اور رسول تم پر گواہ ہو۔'' یعنی تمہارے اعمال پر گواہ؛ کہ اعمال کیسے ہوں گے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول تم پر حجت ہوجائیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: تم پر گواہ ہوجائیں؛ کہ جو کچھ قیامت کے دن تم نے اپنی گواہی میں بتایا ہے؛ اس میں سچ بولا ہے۔''

**اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:**

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾۔[آل عمران ١١٠]

''تم سب سے بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے بھیجی گئی ہیں نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے رہو۔''

کہا گیا ہے کہ اس سے مراد بطور خاص اصحاب رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ خطاب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے ہے؛ اور ساری امت اس میں داخل ہے۔''❶

خواہ جو بھی حال ہو؛ فضائل صحابہ پر دلالت کرنے والی تمام آیات مبارکہ کا احاطہ کرنا ہمارے بس میں نہیں؛ اس لیے کہ ہمیں اندیشہ ہورہا ہے کہ ہم اپنے اختصار کے اس منہج سے نکل جائیں گے جس کا ہم نے شروع میں ذکر کیا ہے۔ پس اس لیے ہم آخر میں بذیل آیات پیش کرتے ہوئے اپنی بات ختم کرتے ہیں؛ اور اس سے پہلے جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے؛ اس میں ان لوگوں کے لیے کفایت اور تسلی ہے جو کہ سمجھنے والا دل رکھتے ہوں اور بات کو توجہ سے سنتے ہوں۔ اور اس پر گواہ بننے والے ہوں۔

**اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:**

﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ

❶ مجمع البيان (١/ ٤١٨) بحار الأنوار للمجلسي (٢٢/ ٤٤٢) التبيان للطوسي (٢/ ٧)

وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾۔ [الحشر ۸]

''ان مفلسوں کے لیے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے؛ وہ اللہ کا فضل اس کی رضا مندی چاہتے ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی سچے مسلمان ہیں۔ اور جنہوں نے ان سے پہلے مدینہ میں گھر اور ایمان بنایا؛ جو اپنے پاس آنے والے مہاجرین سے محبت کرتے ہیں اور اپنے سینوں میں اس کی نسبت کوئی خلش نہیں پاتے جو مہاجرین کو دیا جائے اور وہ اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہو اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچایا جائے پس وہی لوگ کامیاب ہیں۔ اور جو ان کے بعد آئے وہ دعا کرتے ہیں: ہمارے رب ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں مؤمنوں کے متعلق کینہ نہ ڈال؛ اے ہمارے رب بیشک تو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔''

یہ آیات ثناء ان صحابہ کے بارے میں ہیں؛ جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِيْ لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِي.)) [1]

''میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا نہ کہو۔ میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا نہ کہو۔''

اور ان ہی کے بارے وہ فرمایا ہے؛ جیسا کہ امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ اپنے آباء رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں:

[رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:]

''میں اپنے صحابہ کے لئے حفاظت کا ذریعہ ہوں، جب میں چلا جاؤں گا، تو میرے اصحاب پر وہ وقت آ جائے گا، جس کا وعدہ ہے۔ میرے صحابہ میری امت کے لئے حفاظت کا ذریعہ ہیں، جب میرے صحابہ چلے جائیں گے تو میری امت پر وہ وقت آ جائیگا جس کا وعدہ ہے۔ اور یہ دین ہمیشہ کے لیے اس وقت تک غالب رہے گا جب تک تم میں ایسے لوگ ہیں جنہوں نے مجھے دیکھا ہو۔'' [مسلم ؛ کتاب فضائل الصحابہ ۲/ ۳۰۸]

اس بارے میں آیات [اور احادیث] بہت زیادہ ہیں؛ ان کا شمار یا جمع کرنا یہاں پر ممکن نہیں۔

اور اس میں بھی کوئی حرج والی بات نہیں کہ ہم امامیہ کی اسناد سے اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم سے فضائل صحابہ میں منقول بعض روایات کا یہاں پر ذکر کر دیں۔

---

[1] مسلم/ الغدير للأميني (۱۰/ ۲۷۰)

امامیہ نے روایت کیا ہے کہ اہل عراق کے کچھ لوگ وفد کی صورت میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور انہوں نے ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے متعلق کچھ نازیبا کلمات کہے۔ جب وہ اپنی گفتگو سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ: مجھے بتاؤ! کیا تم وہی مہاجرین اولین ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾

''ان مفلسوں کے لیے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے اللہ کا فضل اس کی رضا مندی چاہتے ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی سچے مسلمان ہیں۔''

کہنے لگے: نہیں۔

پھر آپ نے فرمایا: کیا تم وہ انصار ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾

''اور جنہوں نے ان سے پہلے اپنا گھر اور ایمان پالیا؛ جو اپنے پاس آنے والے مہاجرین سے محبت کرتے ہیں اور اپنے سینوں میں اس کی نسبت کوئی خلش نہیں پاتے جو مہاجرین کو دیا جائے اور وہ اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہو اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچایا جائے پس وہی لوگ کامیاب ہیں۔''

کہنے لگے: نہیں؛ ہم یہ لوگ بھی نہیں۔

تو آپ نے فرمایا: تم نے خود اس بات سے برأت کا اظہار کر لیا ہے کہ تم ان دو گروہوں میں سے کوئی ایک ہو۔ اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تم اس گروہ میں سے نہیں ہو جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾۔[الحشر ۱۰]

''اور جو ان کے بعد آئے وہ دعا کرتے ہیں: ہمارے رب ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں مؤمنوں کے متعلق کینہ نہ ڈال؛ اے ہمارے رب بیشک تو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔''

''پس میرے پاس سے دفع ہو جاؤ؛ خدا تمہارا برا حشر کرے۔''[1]

[1] كشف الغمة للإربلي (۲/ ۲۹۱) الفصول المهمة لابن صباغ (۲/ ۲٦٤) الصوارم المهرقة لنور الله التستري (۲٤۹)

حضرت زین العابدین رحمہ اللہ ہمیشہ اپنے آپ کو اس تیسرے گروہ میں سے سمجھتے رہے؛ اور سابقین کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہے۔ آپ اپنی دعاؤں میں فرمایا کرتے تھے:

''اے اللہ! اصحاب محمد وہ خاص لوگ ہیں جنہوں نے اچھی صحبت گزاری۔ اور انہیں اس دین کی نصرت میں بڑی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اور اس دین کی طرف جلدی کی۔ اور اس کی دعوت میں سبقت لے گئے۔ اور اس پکار پر لبیک کہا۔ کہ جیسے ہی انہوں نے رسالت کی حجت کا سنا [تو ایمان لے آئے]۔ اور اپنی گھر بار اور اہل عیال کو تیرے دین کی نصرت کی خاطر چھوڑ دیا۔ اور نبی کریم ﷺ کی نصرت میں اپنے والدین اور اولادوں تک کو قتل کیا۔ اور ان پر فتح پائی۔ وہ لوگ جو کہ آپ کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے؛ اور آپ کی محبت پر اس تجارت کی امید رکھتے تھے جس میں کبھی نقصان نہیں ہوگا۔ وہ حضرات جنہیں آپ کے نبی سے تعلق کی وجہ سے ان کے خاندانوں نے چھوڑ دیا۔ جب قرابت نبوت ملی تو ہر قرابت داران سے دور ہوگیا۔

اے اللہ! جو کچھ انہوں نے تیری رضا پانے کے لیے تیری راہ میں چھوڑا ہے؛ اسے بھلا نہ دینا۔ اور انہیں اپنی رضامندی پر راضی کرلے۔

اے اللہ ان پر مخلوق ناراض ہوئی ہے۔ یہ تیرے رسول کے ساتھ مل کر تیری طرف دین کی دعوت دیتے تھے۔

اے اللہ! تیری رضا کیلئے انہوں نے اپنے دیار قوم اور گھر بار کو چھوڑا۔ ان کی قدردانی کرنا۔ یہ وسعت معاش سے نکل کر تنگی کی طرف آئے۔ اپنی کثرت سے تیرے دین کی خاطر نکل کر مظلومیت کی طرف آئے۔

اے اللہ اس کا اجر ان تابعین کو بھی دینا جنہوں نے احسان کے ساتھ ان کی پیروی کی؛ جو کہتے ہیں:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾۔[الحشر ١٠]

''اور جو ان کے بعد آئے وہ دعا کرتے ہیں: ہمارے رب ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں مؤمنوں کے متعلق کینہ نہ ڈال؛ اے ہمارے رب بیشک تو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔''

اے اللہ! انہیں وہ بہترین جزائے خیر عطاء فرمایا جس کی وہ تجھ سے امید رکھتے تھے۔ اور اپنی پوری بصیرت کے ساتھ اس کی تلاش میں رہتے تھے۔ اور ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کے آثار کی پیروی کرنے میں کسی قسم کے شک وشبہ کا شکار نہیں ہوئے۔ اور وہ ان کے دین کو اپنائے ہوئے ہیں۔ اور ان کی راہ پر گامزن ہیں۔ وہ ان کے ساتھ متفق ہیں؛ اور ان پر امانت ادا کرنے کے بارے میں کسی قسم کے شک وشبہ کا اظہار نہیں کرتے۔''[1]

---

[1] الصحیفة السجادیة از إمام زین العابدین (٢٩) ریاض السالکین (٢/ ٨١) الشیعة فی المیزان (٢٩٣)

اور اس میں کوئی تعجب والی بات نہیں ہے کہ امام سجاد رحمۃ اللہ علیہ بھی اہل عراق کے سامنے صحابہ کے فضائل بیان کرنے میں اپنے دادا حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے منہج پر گامزن رہے۔

## حضرت باقر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے عراق میں فجر کی نماز پڑھی؛ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں میں وعظ کیا؛ خوف الٰہی سے خود بھی روئے اور لوگوں کو بھی رلا دیا۔ پھر فرمایا:

''ہاں؛ لوگو! اللہ کی قسم! میں نے اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایسے لوگوں کو پایا؛ جو خالی پیٹ اور پراگندہ حالت میں صبح و شام کرتے۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ایسے نشان ہوتا تھا جیسے بکری کے گھٹنے۔ وہ اللہ تعالیٰ رضامندی کے لیے بیداری میں رات سجدے اور قیام کی حالت میں گزارتے۔ ان کے پاؤں اور پیشانیوں پر نشان پڑ چکے تھے۔ وہ اپنے رب سے سرگوشیاں کرتے۔ اور اس سے اپنی گردنوں کو جہنم کی آگ سے آزاد کرنے کا سوال کرتے۔ اور اللہ کی قسم! میں نے اس کے باوجود انہیں دیکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور اس کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتے تھے۔''[1]

## حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے؛ فرماتے ہیں:

''حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے فجر کی نماز پڑھی؛ اور پھر اپنی جگہ پر بیٹھے رہے حتی کہ سورج ایک نیزے کے قدر بلند ہوگیا۔ پھر آپ لوگوں کی طرف اپنا چہرہ کر کے متوجہ ہوئے؛ اور فرمایا:

''یقیناً ہم نے ایسے لوگوں کو پایا ہے جو اپنے رب کی رضا کیلئے راتیں سجدہ اور قیام کی حالت میں گزارا کرتے تھے۔ ان کے گھٹنے اور پیشانیاں زمین پر رہتے تھے۔ گویا کہ وہ اپنے کانوں سے جہنم کی چنگھاڑ سن رہے ہوں۔ اور جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا تو ایسے جھک جاتے جیسے ہوا میں درخت جھک جاتا ہے۔''[2]

---

[1] الكافي للكليني (٢/ ٢٣٦) شرح أصول الكافي للمازندراني (٩/ ١٦٦) وسائل الشيعة للحر العاملي (١/ ٦٥) الإرشاد للمفيد (١/ ٢٣٧) الأمالي للطوسي (١٠٢) حلية الأبرار هاشم البحراني (٢/ ١٨٢) بحار الأنوار (٢٢/ ٣٠٦) بحار میں یہاں پر صحابہ کرام کی بابت لکھا ہے کہ: وہ حق پر مجتمع تھے؛ ان کے مابین تفرقہ نہیں ہوا۔ جس طرح تم لوگ تفرقہ کا شکار ہو۔ مزید دیکھیں: جامع أحاديث الشيعة للبروجردي (١/ ٤٠٨) مستدرك سفينة البحار للنماري (٦/ ١٣٤) تفسير نور الثقلين للحويزي (٥/ ١٤١) اعلام الدين في صفات المؤمنين للديلمي (١١١)

[2] الكافي للكليني (٢/ ٢٣٦) شرح أصول الكافي للمازندراني (٩/ ١٦٦) وسائل الشيعة للحر العاملي (١/ ٦٥) الإرشاد للمفيد (١/ ٢٣٧) الأمالي للطوسي (١٠٢) حلية الأبرار هاشم البحراني (٢/ ١٨٢) بحار الأنوار (٢٢/ ٣٠٦) الجامع لأحاديث الشيعة للبروجردي (١/ ٤٠٨) مستدرك سفينة البحار للشاهرودي (٦/ ١٧٤)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان الفاظ میں نصیحت فرمایا کرتے تھے:

''اما بعد: بیشک اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو کہ قرآن پر ایمان لائے؛ اور انہوں نے اس کی تفسیر سیکھی؛ اور دین میں تفقہ حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے فضائل قرآن میں بیان کئے ہیں۔ اور تم اس زمانے میں رسول اللہ ﷺ کے دشمن ہوگئے ہو؛ تم وہ لوگ تھے جو اس دین میں یا تو ڈر کے مارے داخل ہوئے یا پھر لالچ کی وجہ سے۔ جب کہ اسی دم سبقت لے جانے والے سبقت لیکر کامیاب ہوگئے۔ اور مہاجرین و انصار اپنی فضیلتیں پاکر کامیاب ہوگئے۔ پس جس انسان کو دین میں ان جیسی فضیلت اور اسلام میں ان جیسی سبقت حاصل نہیں ہے؛ وہ ان سے کسی کے ساتھ ایسے معاملہ میں جھگڑا نہ کرے جس کے وہ زیادہ اہل اور حق دار ہیں؛ اور نہ ہی اس طرح ان پر ظلم و جور روا رکھے۔''❶

اور آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی مدح بیان کرتے ہوئے؛ ان لوگوں پر عتاب کرتے ہوئے جنہوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا؛ فرماتے ہیں:

''وہ لوگ کہاں ہیں جنہیں اسلام کی طرف دعوت دی گئی؛ تو انہوں نے اس دعوت کو قبول کیا؛ جنہوں نے قرآن مجید کی تلاوت کی اور اسے محکم کیا؛ اور جب میدان جہاد میں نکلے تو پورے شوق سے ایسے نکلے کہ اپنی اولادوں تک کو بھی اس راہ میں پیش کردیا۔ اور تلواریں نیاموں سے نکال لیں۔ اور گروہ در گروہ اپنی جان کی بازی لگا کر اللہ کی زمین پر اس کے دین کا علم لہراتے گئے۔ بعض شہید ہوگئے اور بعض غازی بنے۔ نہ انہیں اپنے زندوں پر کوئی زیادہ خوشی تھی اور نہ ہی مرنے والوں پر تعزیت کرتے تھے۔ ان کی آنکھیں رونے کی عادی تھیں۔ روزے رکھنے کی وجہ سے خالی پیٹ تھے۔ اور ہونٹوں پر ہر وقت دعا رہتی تھی۔ شب بیداری سے ان کے رنگ پیلے پڑ گئے تھے۔ ان کے چہرہ پر خشوع و خضوع والوں کی غبار تھی۔ یہ لوگ میرے وہ بھائی تھے جو [اس دنیا سے] چلے گئے۔ ہم پر یہ حق ہے کہ ہم ان کی طرف اپنی پیاس وطلب بڑھائیں اور ان کے فراق میں اپنے پورے کاٹ دیں۔''❷

اور فرمایا: ''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنے آبا کو اپنے بیٹوں اور بھائیوں کو اور چچاؤں کو قتل کرتے تھے: اور اس سے ہمارے ایمان وتسلیم میں اضافہ ہی ہوتا تھا؛ اور ہم صبر واستقامت کے ساتھ دشمن کے ساتھ جہاد میں تکالیف اور دکھ و درد کو برداشت کرتے چلے جاتے۔ اور کبھی ہم میں سے کوئی ایک ہمارے دشمن کے ساتھ ایسے بھڑ جاتا جیسے دو سانڈھ لڑ پڑتے ہیں۔ اور وہ دونوں ایک دوسرے پر وار کرتے اور کوشش کرتے کہ کون

❶ بحار الأنوار (۳۲/ ۴۲۹) مصباح البلاغة (٤/ ٢٥) نهج السعادة (٤/ ٢١٨)

❷ نهج البلاغة (١/ ٢٣٤) الاختصاص للمفيد (١٥٦) بحار الأنوار للمجلسي (٣٣/ ٣٦٢) رياض السالكين في شرح الصحيفة سيد الساجدين للشيرازي (٢/ ١٠٨) جواهر التاريخ للعلي الكوراني (١/ ٣٤١)

اپنے حریف کو پہلے موت کا پیالہ پلادے۔اس میں کبھی ہمارے دشمن کو کامیابی ملتی اور کبھی ہمیں دشمن پر کامیابی ملتی۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے صدق واخلاص کو دیکھا تو ہمارے دشمن کی ناک کو خاک میں ملایا۔اور ہم پر اپنی فتح ونصرت نازل فرمائی؛ اور دین اسلام کو استقامت نصیب ہوئی۔مختلف اوطان میں اسے ٹھکانہ نصیب ہوا۔اور اللہ کی قسم! اگر ہم وہ کام کرتے جو کام تم لوگ کرتے ہوتو دین کا کوئی عمود قائم نہ ہوتا اور نہ ہی دین کی کوئی ٹہنی ہری ہوتی۔اللہ کی قسم ہم نے اسے اپنے خون سے سیراب کیا ہے؛ اوراب کے اعمال پر ندامت ہو رہی ہے۔'' ❶

## اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

''میں نے کسی ایک کو بھی نہیں دیکھا جوان حضرات سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت میں خیر خواہ اور نصیحت کرنے والا؛ اور نبی کریم ﷺ کی اطاعت کرنے والا؛ اور لڑائیوں اور جنگوں اور دیگر مواقع پر دکھ تکلیف اور سختی پر ان سے بڑھ کر صبر کرنے والا ہو۔مہاجرین میں بہت بڑی خیر پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال پر نیک بدلہ دے۔'' ❷

اور یہ حضرات اصحاب نبی کریم ﷺ کے مابین کوئی ایسا فرق نہیں کرتے تھے جیسے ان سے دوستی رکھنے اوران کی راہ پر چلنے کے دعویدار کرتے ہیں۔

عمرو بن الکندی فرماتے ہیں: ایک دن ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے؛ آپ سے عرض کیا گیا: ہمیں اپنے ساتھیوں کے بارے میں کچھ بیان فرمائیں۔

تو آپ نے پوچھا: میرے کون سے ساتھی؟

تو عرض گزار ہوئے اصحاب محمد ﷺ۔!

تو آپ نے فرمایا: ''تمام اصحاب محمد ﷺ میرے ساتھی اور اصحاب ہیں۔'' ❸

## حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اصحاب محمد ﷺ کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ان میں سے آٹھ ہزار مدینہ میں سے تھے۔اور دو ہزار اہل مکہ میں سے۔ اور دو ہزار طلقاء تھے۔ان میں نہ ہی کوئی قدری تھا اور نہ ہی مرجئی؛ نہ ہی حروری تھا اور نہ ہی

❶ نهج البلاغة (١/ ١٠٤) مصباح البلاغة مستدرك نهج البلاغة (٤/ ٣٢) الغارات لإبراهيم الثقفي (٢/ ٣٧٣) بحار الأنوار للمجلسي (٣٢/ ٥٤٩) موسوعة أحاديث أهل البيت (٢/ ١٦٢)

❷ بحار الأنوار للمجلسي (٣٣/ ١١٢) مصباح البلاغة (٤/ ٣٢) نهج السعادة (٤/ ١٨٠) موسوعة أمام على بن ابي طالب في الكتاب والسنة و التاريخ (٦/ ٢٥)

❸ الغارات للثقفي (١/ ١٧٧) نفس الرحمن في فضائل سلمان للنورى الطبرسي (٢١٠)

معتزلی؛ اور نہ ہی صاحب رائے۔ وہ دن اور رات رونے والے تھے۔ اور یہ دعائیں کرتے تھے: ''اے ہمارے رب! خمیری روٹی کھانے سے پہلے ہماری روحیں قبض کرلے۔'' ❶

اور حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے وصایا میں سے یہ بھی ہے کہ آپ فرماتے ہیں:

''یقین کو شک کی بنیاد پر ترک نہ کرو؛ اور نہ ہی کھلی چیز کو خفیہ کی بنیاد پر ترک کرو۔ جو چیز آپ دیکھ نہیں رہے؛ ان میں صرف روایت کی بنا پر فیصلہ نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اہل ایمان بھائیوں کی غیبت اور ان سے بد گمانی کی بہت بڑی قباحت بیان کی ہے؛ تو پھر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی ایک کے قول وعقیدہ پر جھوٹی بہتان تراشی کرتے ہوئے تہمت لگانے کی جرأت کرنے کا گناہ کتنا بڑا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ﴾۔ [النور ۱۵]

''جب تم اسے اپنی زبانوں سے نکالنے لگے اور اپنے مونہوں سے وہ بات کہنے لگے جس کا تمہیں علم بھی نہ تھا اور تم نے اسے ہلکی بات سمجھ لیا تھا حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی بات ہے۔''

((یعنی محض سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے آگے بیان کردینا کبیرہ گناہ ہے۔ آپ نے فرمایا: کہ کسی انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے اسے آگے منتقل کردے))۔ [مقدمہ صحیح مسلم]

جہاں تک بھی آپ کسی کے ساتھ اچھے قول وفعل کی راہ پاتے ہیں؛ تو اسے ترک کرکے دوسری راہ ہرگز اختیار نہ کریں؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾۔ [البقرۃ ۸۳]

''اور لوگوں سے اچھی بات کہنا۔''

اور یہ بات جان لیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک بہترین گروہ کو چن لیا تھا؛ جنہیں انتہائی عزت و بزرگی سے نوازا؛ اور ان کو اپنی تائید و نصرت ؛ اور آپ کی صحبت میں ہر محبوب ومکروہ چیز پر استقامت کے زیور سے مزین کیا۔ اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ان کے فضائل ومناقب اور کرامات بیان کروائیں۔ آپ بھی ان کی محبت کا اعتقاد رکھیں اور ان کے فضائل کا ذکر کریں۔ اور اہل بدعت کی مجالس سے بچ کر رہیں۔ اس سے دل میں کفر اور کھلی ہوئی گمراہی پیدا ہوتی ہے۔ اور اگر ان میں سے بعض کی فضیلت تم پر مشتبہ رہ جائے؛ تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیجیے؛ اور یہ کہہ دیجیے کہ: اے اللہ! میں بھی اس سے محبت کرتا ہوں جس سے آپ اور آپ کا رسول محبت کرتے ہیں؛ اور میں بھی اس سے بغض رکھتا ہوں؛ جس سے آپ اور آپ کا رسول بغض رکھتے ہیں۔'' ❷

---

❶ الخصال للصدوق (٦٤٠) بحار الأنوار للمجلسي (٢٢/ ٣٠٥) حدائق الأنس (٢٠٠) مستدرك سفينة البحار للشاهرودي (٦/ ١٧٣) خاتمة المستدرك للنوري الطبرسي (٢/ ٢١٢)

❷ مصباح الشريعة (٦٧) خاتمة المستدرك للنوري الطبرسي (١/ ٢٠٩) نور الثقلين (٣/ ٥٨٣) ميزان الحكمة (٣/ ٣٣٠)

## اور حضرت امام باقر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اصحاب نبی اکرم ﷺ نے آپ سے سوال کیا: کیا آپ ان کے بارے میں نفاق سے ڈرتے ہیں؟
تو آپ نے فرمایا: ہرگز نہیں؛......اور اگر تم لوگ گناہ نہ کرو؛ اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار نہ کرو:
تو یقیناً اللہ تعالیٰ ایسی مخلوق کو پیدا کر دے جو کہ گناہ کریں' پھر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں؛ اور اللہ تعالیٰ انہیں
معاف کر دیں۔''[1]

جب ان اقوال کا موازنہ مہاجرین و انصار کی شان میں وارد اس آیت سے کریں کہ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾۔ [التوبة ۱۰۰]

''مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین اور جو لوگ نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والے ہیں اللہ ان سے راضی ہوئے اور وہ اس سے راضی ہوئے ان کے لیے ایسے باغ تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔''

تو آپ جان لیں گے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان سے جنت اور اس میں ہمیشہ رکھنے کا وعدہ کیا ہے؛ تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ لوگ ایمان و ہدایت پر مریں گے۔ اور یہ بات ان سے معاصی کے وقوع کے منافی نہیں ہے؛ کیونکہ ان میں سے کوئی بھی معصوم نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے؛ اس میں کوئی اختلاف والی بات نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر سچ کہنے والا اور کون ہو سکتا ہے؛ اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر سچی بات کس کی ہو سکتی ہے۔

## شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ سابقین اولین سے بغیر کسی شرط کے راضی ہوئے ہیں؛ اور تابعین سے صرف اس شرط پر رضا مندی کا اظہار فرمایا ہے کہ وہ احسان کے ساتھ ان کی پیروی کریں۔'' [الصارم المسلول ۵۷۲]

اور امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے اقوال میں سے یہ قول بھی ہے؛ آپ فرماتے ہیں:

''بعض اصحاب رسول اللہ ﷺ اپنے مونہوں میں کنکریاں رکھا کرتے تھے۔ جب وہ کسی ایسی چیز کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتے جس کے متعلق انہیں یہ علم ہوتا کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کی ہے؛ اس کی رضا کے لیے اور اس کی منشاء کے مطابق ہے تو وہ کنکر نکال دیتے؛ اور بیشک بہت سارے صحابہ سانس بھی ایسے لیتے تھے جیسے کوغرق ہونے والا [پانی میں ڈوبا ہوا] شخص سانس لیتا ہے؛ اور مریضوں کے مشابہ باتیں کرتے تھے۔''[2]

---

[1] الكافي للكليني (۲/ ٤٢٤) تحف العقول لابن شعبة الحراني (۳۸) شرح أصول الكافي للمازندراني (۱۰/ ۱٤۸) بحار الأنوار للمجلسي (٦/ ٤٢) موسوعة أحاديث أهل البيت (۹/ ۱۸۲) ميزان الحكمة (۲/ ۱۱۷۳)

[2] مصباح الشريعة (۲۰) بحار الأنوار للمجلسي (٦٨/ ٢٨٤) مستدرك الوسائل (۹/ ۲۱) جامع السعادات (۲/ ۲٦۷)

یہی وجہ تھی کہ ان کے امور اصلاح پر گامزن تھے۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بیشک اس امت کے اولین کی اصلاح زہد اور یقین پر تھی؛ اور اس امت کے آخری لوگوں کی ہلاکت بخل اور لمبی امیدوں کی وجہ سے ہوگی۔''❶

اس عظیم الشان اور مثالی نسل انسانی کی عظمت یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے بعد میں آنے والوں کو منع فرمایا ہے کہ وہ انہیں برے الفاظ میں یاد کریں؛ یا ان کی شان میں کوتاہی کریں۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس غیب سے آگاہ کر دیا تھا تاکہ آپ کو پتہ چل جائے کہ آگے چل کر کیا ہونے والا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" إذا ذكر أصحابی فامسكوا۔"

''جب میرے صحابہ کو ذکر ہو تو اپنی زبانوں کو روک لو۔''❷

اور ایک دوسری روایت میں ہے:

((وَعَنِ الرِّضَا، عَنْ آبَائِهِ رضی اللہ عنہم قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ سَبَّ نَبِيًّا قُتِلَ، وَمَنْ سَبَّ صَحَابِياً جُلِدَ۔ وَفِي رِوَايَةٍ عَنْهُ أَيْضًا: عَنْ آبَائِهِ علیہم السلام عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ سَبَّ نَبِيًّا قُتِلَ، وَمَنْ سَبَّ أَصْحَابِي جُلِدَ))❸

''امام رضا اپنے آباء رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں' وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی کسی نبی کو گالی دے' اسے قتل کیا جائے گا' اور جو صحابی کو گالی دے' اسے کوڑے لگائے جائیں گے۔'' اور ایک روایت میں ہے: جو کسی نبی کو گالی دے' اسے قتل کیا جائے گا' اور جو میرے صحابہ کرام کو گالی دے اسے کوڑے لگائے جائیں گے۔'' (دوسری روایت میں لفظ میرے صحابہ کی تخصیص ہے)۔

---

❶ أمالي الصدوق (١٨٩) بحار الأنوار (٦٧/ ١٧٣) الخصال (٧٩) روضة الواعظين للنيشاپوري (٤٣٣) وسائل الشيعة للحر العاملي (٢/ ٤٣٨) جامع أحاديث الشيعة (١٤/ ٤٣٨) نور الثقلين (٣/ ٣)

❷ بحار الأنوار (٥٥/ ٢٧٦) تحفة الأزهار (٣/ ١٧٠) نور الثقلين (٤/ ٤٠٧)

❸ هداية المرتاب إلى فضائل الآل والأصحاب (١/ ٦١) از فیصل نور؛ صحيفة الرضا(ع) ص (٨٧) مؤسسه الامام المهدی۔ بحار الأنوار؛ از مجلسی ، (٧٦/ ٢٢٢)، قاموس الرجال للتستری ، (٩/ ٥١٢)، معارج اليقين فی أصول الدين [illegible] (٤٥٦)، جواهر الكلام للجواهری ، (٤١/ ٤٣٧)، در المنضود للگلپايگانی ، (٢/ ٥٧ [illegible] الصادق (ع) لمحمد صادق الروحانی ، (٢٥/ ٤٧٦) مسند زيد بن علی (٤٦٤)، وسائل الشيعة [illegible] العاملی ، (٢٨/ ٢١٣)، مستدرك الوسائل للنوری الطبرسی ، (١٨/ ٢٧٢)، جامع أحاديث الشيعة ، للبروجردی (٢٥/ ٤٩٥)، حياة الأمام الرضا (ع) لباقر شريف القرشی ، (١/ ٢٣٨) اور حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے' وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ سَبَّ نَبِيًّا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ فَاقْتُلُوهُ وَمَنْ سَبَّ وَاحِداً مِنْ أَصْحَابِي فَاجْلِدُوهُ))۔ ''جو کوئی کسی نبی کو گالی دے اسے قتل کر دو' اور جو میرے صحابی کو گالی دے' اسے کوڑے لگاؤ۔'' [الفوائد لتمام بن محمد' ابو القاسم الرازی؛ المتوفی (٤١٤ [illegible] ١/ ٢٩٥)

حضرت امام جعفر الصادق رحمہ اللہ اپنے آباء سے اور وہ حضرت علی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں' آپ نے فرمایا:
''میں تمہیں اصحاب نبی ﷺ کے بارے میں وصیت کرتا ہوں؛ انہیں برا بھلا مت کہنا۔ یہی تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی بدعت ایجاد نہیں کی؛ اور نہ ہی کسی بدعتی کو ٹھکانہ دیا۔ اور بیشک رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ بھلا سلوک کرنے کی وصیت فرمائی ہے۔''

اور ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:
''اللہ اللہ! اپنے نبی کریم ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا خوف کرو۔ انہوں نے نہ ہی کوئی بدعت ایجاد کی اور نہ ہی کسی بدعتی کو ٹھکانہ دیا۔ اور بیشک رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ بھلا سلوک کرنے کی وصیت فرمائی ہے۔''[1]

ان اقوال کو اور ان جیسے دوسرے اقوال کو ان لوگوں پر محمول کرنا کوئی مشکل نہیں ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی بدعت ایجاد نہیں کی۔ کیونکہ اس حدیث کے راوی خود حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ ان اہل شام کی روایات میں سے نہیں ہے جو آپ کے خلاف خروج کو جائز سمجھتے تھے۔ جیسا کہ آپ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔ یہ بات خود امامیہ کی کتابوں میں موجود ہے؛ حضرت جعفر الصادق اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ:
''ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے جنگی کارکنوں سے کہا: ''ہم ان لوگوں سے اس لیے نہیں لڑتے کہ وہ کافر ہوگئے ہیں؛ اور نہ ہی اس بات پر لڑتے ہیں کہ وہ ہمیں کافر کہتے ہیں؛ لیکن لڑائی اس بات پر ہے کہ ہمارا خیال یہ ہے کہ ہم حق پر ہیں؛ اور ان کا خیال یہ ہے کہ وہ حق پر ہیں۔''[2]

## حضرت امام باقر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ لڑنے والوں میں سے کسی ایک کو بھی شرک یا نفاق کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے۔ لیکن آپ یہ فرمایا کرتے تھے: ''یہ ہمارے بھائی ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔''[3]

## مروان بن حکم سے روایت ہے؛ وہ کہتا ہے:

''جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بصرہ میں ہمیں شکست دیدی؛ تو لوگوں کے اموال ان کو واپس کردیے۔ جس نے بھی کسی چیز کا ثبوت پیش کردیا؛ وہ اسے مل گئی۔ اور جس کے پاس ثبوت نہیں تھا؛ اسے قسم دی گئی۔ تو کسی کہنے والے نے آپ سے کہا: اے امیر المؤمنین! یہ مال غنیمت اور قیدی ہمارے مابین تقسیم کردیجیے۔

[1] أمالي الطوسي (٣٣٢) بحار الأنوار للمجلسي (٢٢/ ٣٠٦) مستدرك سفينة البحار (٦/ ١٧٤) من لا يحضره الفقيه (٤/ ١٩١) تهذيب الأحكام للطوسي (٩/ ١٧٧) مصباح البلاغة (٣/ ٤١)

[2] قرب الإسناد (٩٤) دراسات في ولاية الفقيه و فقه الدولة الإسلامية (٢/ ٨٠٦) بحار الأنوار (٣٢/ ٣٢٤)

[3] قرب الاسناد للحموي القمي (٩٤) دراسات في ولاية الفقيه وفقه الدولة الإسلامية للمنتظري (٢/ ٨٠٦) نظام الحكم في الإسلام للمنتظري (٤٠٩) وسائل الشيعة للحر العاملي (١٥/ ٨٣) بحار الأنوار للمجلسي (٣٢/ ٣٢٤) جامع أحاديث الشيعة للبروجردي (١٣ـ ٩٣)

**اور آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ:**

"اللہ کی قسم! میں نے آپ کا اتنا دفاع کیا؛ حتی کہ مجھے اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں میں گنہگار نہ ہو جاؤں۔"[1]

آپ اس محاصرہ کے دوران حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے اپنے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پانی بھیجا کرتے تھے۔[2]

پھر یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ عقیدہ تو خوارج کا مسلک ہے؛ کیونکہ وہ آپ کی مدح کی روایات کو اپنی بدگمانی کے مطابق آپ کے کفر سے پہلے کی زندگی پر محمول کرتے ہیں۔ اس پر ذرا غور کریں۔

اہل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین نبی کریم ﷺ کی اقتداء میں صحابہ کرام کی راہ کو مضبوطی سے پکڑنے کی وصیت کیا کرتے تھے۔ کیونکہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور صحابہ کی پیروی کی ترغیب خود نبی کریم ﷺ نے دی ہے۔

اس سے اس بات کی تاکید ہوتی ہے کہ ان حضرات میں دین بدرجہ اتم اور کامل موجود تھا۔

حضرت امام جعفر الصادق رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"جو کچھ تم کتاب اللہ میں پاؤ؛ اس پر عمل کرو؛ اس کے ترک کرنے میں تمہارا کوئی عذر نہیں مانا جائے گا۔ اور جو کچھ کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو اس میں میری سنت موجود ہوگی۔ میری سنت کے ترک کرنے میں تمہارا کوئی عذر نہیں مانا جائے گا۔ اور جو کچھ میری سنت میں بھی نہ ہو؛ تو جو کچھ میرے اصحاب نے کہا ہو؛ تم بھی وہی کہو۔ بیشک تم میں میرے اصحاب کی مثال ستاروں کی طرح ہے۔ ان میں سے جس کی راہ پر بھی چلو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ اور میرے صحابہ کا جو قول بھی اختیار کرو گے؛ راہ ہدایت پر رہو گے۔ اور میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف تمہارے لیے رحمت ہے۔"[3]

اور حضرت امام کاظم رحمہ اللہ علیہ اپنے آباء سے روایت کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میں اپنے صحابہ کے لئے حفاظت کا ذریعہ ہوں، جب میں چلا جاؤں گا، تو میرے اصحاب پر وہ وقت آ جائیگا، جس کا وعدہ ہے۔ اور میرے صحابہ میری امت کے لئے حفاظت کا ذریعہ ہیں، جب میرے صحابہ چلے جائیں گے تو میری امت پر وہ وقت آ جائیگا جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اور یہ دین اس وقت تک باقی تمام ادیان پر غالب رہے گا جب تم میں ایسے لوگ موجود رہیں جنہوں نے مجھے دیکھا ہے۔"[4]

---

[1] نهج البلاغة (٢/ ٢٣٣) بحار الأنوار (٣١/ ٢٦٨) الغدير للأميني (٨/ ٣٨١) شرح نهج البلاغة لابن أبي الحديد (١٣/ ٢٩٦) یہاں پر لکھا ہے کہ: آپ فرمایا کرتے تھے: "میں نے آپ کا اتنا دفاع کیا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈال دوں۔ اور لوگ غصہ میں آ کر مجھے قتل نہ کر دیں۔ پس مجھے اس بات پر اندیشہ ہوا کہ کہیں اپنے نفس کو دھوکہ دینے کی وجہ سے میں گنہگار نہ ہو جاؤں۔ نیز دیکھیں: جواهر التاريخ للكوراني (١/ ١٩١) موسوعة أمام علي بن ابي طالب (٣/ ٢٦١)

[2] دلائل الإمامة (١٦٨) مدينة المعاجز للبحراني (٣/ ٢٣٥) الدرر النظيم لابن حاتم العاملي (٥٠٣)

[3] معاني الأخبار للصدوق (٥٠) بحار الأنوار للمجلسي (٢/ ٢٢٠) الاحتجاج للطبرسي (٢/ ٢٥٩)

[4] نوادر الراوندي (٢٣) بحار الأنوار (٢٢/ ٣٠٩) خلاصة عقبات الأنوار (١/ ٨٠) دراسات الحديث والمحدثين لهاشم معروف (٧٨) إحقاق الحق للتستري (٢٦٧) نفحات الأزهار للميلاني (٩/ ٨٠)

اور آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ:

''اللہ کی قسم! میں نے آپ کا اتنا دفاع کیا؛ حتی کہ مجھے اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں میں گنہگار نہ ہو جاؤں۔'' [1]

آپ اس محاصرہ کے دوران حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے اپنے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پانی بھیجا کرتے تھے۔ [2]

پھر یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ عقیدہ تو خوارج کا مسلک ہے؛ کیونکہ وہ آپ کی مدح کی روایات کو اپنی بدگمانی کے مطابق آپ کے کفر سے پہلے کی زندگی پر محمول کرتے ہیں۔ اس پر ذرا غور کریں۔

اہل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں صحابہ کرام کی راہ کو مضبوطی سے پکڑنے کی وصیت کیا کرتے تھے۔ کیونکہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور صحابہ کی پیروی کی ترغیب خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔

اس سے اس بات کی تاکید ہوتی ہے کہ ان حضرات میں دین بدرجہ اتم اور کامل موجود تھا۔

حضرت امام جعفر الصادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جو کچھ تم کتاب اللہ میں پاؤ؛ اس پر عمل کرو؛ اس کے ترک کرنے میں تمہارا کوئی عذر نہیں مانا جائے گا۔ اور جو کچھ کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو اس میں میری سنت موجود ہوگی۔ میری سنت کے ترک کرنے میں تمہارا کوئی عذر نہیں مانا جائے گا۔ اور جو کچھ میری سنت میں بھی نہ ہو؛ تو جو کچھ میرے اصحاب نے کہا ہو؛ تم بھی وہی کہو۔ بیشک تم میں میرے اصحاب کی مثال ستاروں کی طرح ہے۔ ان میں سے جس کی راہ پر بھی چلو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ اور میرے صحابہ کا جو قول بھی اختیار کرو گے؛ راہ ہدایت پر رہو گے۔ اور میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف تمہارے لیے رحمت ہے۔'' [3]

اور حضرت امام کاظم رحمہ اللہ اپنے آباء سے روایت کرتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں اپنے صحابہ کے لئے حفاظت کا ذریعہ ہوں، جب میں چلا جاؤں گا، تو میرے اصحاب پر وہ وقت آجائیگا، جس کا وعدہ ہے۔ اور میرے صحابہ میری امت کے لئے حفاظت کا ذریعہ ہیں، جب میرے صحابہ چلے جائیں گے تو میری امت پر وہ وقت آجائیگا جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اور یہ دین اس وقت تک باقی تمام ادیان پر غالب رہے گا جب تم میں ایسے لوگ موجود رہیں جنہوں نے مجھے دیکھا ہے۔'' [4]

---

[1] نهج البلاغة (٢/ ٢٣٣) بحار الأنوار (٣١/ ٢٦٨) الغدير للأميني (٨/ ٣٨١) شرح نهج البلاغة لابن أبي الحديد (١٣/ ٢٩٦) یہاں پر لکھا ہے کہ: آپ فرمایا کرتے تھے: ''میں نے آپ کا اتنا دفاع کیا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈال دوں۔ اور لوگ غصہ میں آکر مجھے قتل نہ کردیں۔ پس مجھے اس بات پر اندیشہ ہوا کہ کہیں اپنے نفس کو دھوکہ دینے کی وجہ سے میں گنہگار نہ ہو جاؤں۔ نیز دیکھیں: جواهر التاريخ للكوراني (١/ ١٩١) موسوعة أمام علي بن ابي طالب (٣/ ٢٦١)

[2] دلائل الإمامة (١٦٨) مدينة المعاجز للبحراني (٣/ ٢٣٥) الدرر النظيم لابن حاتم العاملي (٥٠٣)

[3] معاني الأخبار للصدوق (٥٠) بحار الأنوار للمجلسي (٢/ ٢٢٠) الاحتجاج للطبرسي (٢/ ٢٥٩)

[4] نوادر الراوندي (٢٣) بحار الأنوار (٢٢/ ٣٠٩) خلاصة عقبات الأنوار (١/ ٨٠) دراسات الحديث والمحدثين لهاشم معروف (٧٨) إحقاق الحق للتستري (٢٦٧) نفحات الأزهار للميلاني (٩/ ٨٠)

ائمہ اہل بیت رحمۃ اللہ علیہم کی یہی شان تھی؛ اور یہ ان کا عالم تھا۔ وہ دوسرے لوگوں کو اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر عمل کرنے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

یہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما ہیں؛ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرتے وقت ان کے ساتھ یہ شرط لگاتے ہیں کہ: وہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی سیرت پر گامزن رہیں گے۔ آپ فرماتے ہیں:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ صلح نامہ ہے جو حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما اور معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے مابین طے پایا۔ اس بات پر صلح کی جارہی ہے کہ مسلمانوں کی ولایت ان کے سپرد کی جائے گی؛ اس شرط کے ساتھ کہ وہ لوگوں کے مابین کتاب اللہ؛ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؛ اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی سیرت کے مطابق عمل پیرا رہیں گے۔ اور ایک روایت میں صالحین کے الفاظ ہیں۔''

**اور علی بن ابوحمزہ سے روایت ہے؛ فرمایا:**

''میں حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو ابوبصیر نے آپ سے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں! کیا میں ماہ رمضان میں ایک رات میں ایک قرآن پڑھ سکتا ہوں؟ تو آپ نے فرمایا:

''اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کوئی ایک قرآن مجید ایک ماہ یا اس سے کم عرصہ میں پڑھا کرتا تھا۔''❶

ان کے علاوہ دیگر بھی بہت ساری روایات ہیں جن میں اصحاب کرام کی اتباع کی ترغیب ائمہ اہل بیت سے منقول ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی فرمایا کرتے تھے: ''تم میں سے کوئی ایک مجھے میرے کسی صحابی کے متعلق کوئی شکایت نہ کرے۔ مجھے یہ بات پسند ہے کہ جب میں تم لوگوں کے پاس آؤں تو میرا سینہ بالکل صاف ہو۔''❷

**اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:**

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے ان بھائی بندوں میں سے کسی ایک کو تین دن تک نہ دیکھتے تو اس کے بارے میں پوچھا کرتے تھے۔ اور اگر وہ کہیں سفر پر گیا ہوتا تو اس کے لیے دعا فرماتے؛ اور اگر شہر میں موجود ہوتا تو اس کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے۔ اور اگر بیمار ہوتا تو اس کی عیادت فرماتے۔''❸

❶ وسائل الشيعة (٦/ ٢١٥) الكافي (٢/ ٦١٧) جامع أحاديث الشيعة (١٥/ ٥٢) التفسير الصافي (١/ ٧٠)
❷ مكارم الأخلاق للطبرسي (٢١) بحار الأنوار (١٦/ ٦١٧) سنن النبي للطباطبائي (١٢٨) موسوعة أحاديث أهل البيت (١/ ١٣٨) الأمثل لمكارم الشيرازي (١٨/ ٥٣٧)
❸ مكارم الأخلاق للطبرسي (١٧) بحار الأنوار (١٦/ ٢٣٦) سنن النبي للطباطبائي (١٢٢) موسوعة أحاديث أهل البيت (١/ ١٣٩) دراسات في ولاية الفقيه (٢/ ٧٩٣) تفسير الميزان (٦/ ٣١٤)

اور آپ ﷺ یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے:

''اے اللہ زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے۔اے اللہ! مہاجرین وانصار کی مغفرت فرما۔''[1]

اور آپ ﷺ یہ بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے:

''مہاجرین وانصار دنیا اور آخرت میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔''[2]

نبی کریم ﷺ نے صرف اپنی زندگی میں ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل ومناقب بیان کرنے پر اکتفاء نہیں کیا: جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے-؛ کیونکہ یہ تو ان کی اصلاح کے دور کا عالم تھا۔ بلکہ اپنی وفات کے بعد بھی ان کے فضائل کا بیان فرمایا ہے؛ اور ان کے لیے استغفار اور مغفرت کی دعا فرمائی۔ کیونکہ ان میں سے بعض حضرات سے کچھ غلطیاں (یا گناہ) ہوسکتے تھے۔ حضرت امام باقر رحمہ اللہ علیہ سے روایت ہے؛ فرمایا:''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''بیشک میرا تمہارے مابین اس جگہ پر موجود ہونا تمہارے لیے بہتر ہے۔اور میرا تم سے جدا ہوجانا بھی تمہارے لیے بہتر ہے۔میرا وجود اس لیے بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ [الأنفال ٣٣]

''اور اللہ آپ کی موجودگی میں ان کو عذاب دینے والا نہیں اور اللہ اس حال میں بھی عذاب کرنے والا نہیں؛ کہ وہ بخشش مانگتے ہوں۔''

''اور میری تم سے جدائی اس لیے بہتر ہے کہ ہر جمعرات اور پیر کے دن تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جائیں گے۔ان میں جو بھلائی ہوگی میں اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کروں گا۔اور جو کچھ ان میں برائی ہوگی میں اس پر تمہارے لیے استغفار [مغفرت کی دعا] کروں گا۔''[3]

حضرت امام جعفر الصادق رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میری زندگی بھی تمہارے لیے بہت بہتر ہے اور میری موت بھی تمہارے لیے بہتر ہے۔ جہاں تک میری زندگی کا تعلق ہے؛ تو اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے تمہیں گمراہی سے ہدایت نصیب فرمائی۔ اور تمہیں جہنم کے گڑھے کے کنارے سے بچالیا۔ اور جہاں تک میری موت کا تعلق ہے؛ تو بیشک تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جائیں گے۔ جو عمل اچھا ہوگا؛ میں اللہ تعالیٰ سے اس کے اور زیادہ ہونے کی دعا کروں گا۔ اور جو کوئی برا عمل ہوگا؛ اس پر میں تمہارے لیے استغفار کروں گا۔''[4]

---

1. مناقب آل أبي طالب لابن شهر آشوب (١/ ١٨٥) بحار الأنوار (١٩/ ١٢٤) نور الثقلين (٤/ ٣٤٤) خلاصة عقبات الأنوار (٣/ ٥٢) مستدرك سفينة البحار (٥/ ٤٤٧) تفسير الصافي (٤/ ١٧١)
2. الأمالي للطوسي (٢٦٨) بحار الأنوار (٢٢/ ٣١١) النصائح الكافية (١٤٠) جواهر التاريخ للكوراني (٢/ ١٦)
3. البصائر للصفار (٤٦٤) تفسير العياشي (٢/ ٥٤) بحار الأنوار (٢٣/ ٣٣٨) أمالي للطوسي (٤٠٨) تفسير نور الثقلين (٢/ ١٥٣) وسائل الشيعة آل بيت (١٦/ ١١١) تفسير البرهان (٢/ ٧٩) ينابيع المعاجز (١٠٦)
4. بحار الأنوار (٢٢/ ٥٥٠) درر الأخبار لخسرو شاهي (١٩٦)

اور رسول اللہ ﷺ نے پل صراط پر ثابت قدمی کا ایک سبب اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی محبت کو بتایا ہے۔ حضرت باقر رحمۃ اللہ علیہ اپنے آباء سے روایت کرتے ہیں؛ فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''پل صراط پر تم میں سے سب سے زیادہ ثابت قدم رہنے والا وہ شخص ہوگا جو میرے اہل بیت اور صحابہ کرام سے بہت زیادہ محبت کرتا ہو۔'' ❶

## اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے؛ فرمایا:

'' رسول اللہ ﷺ ایک رات اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی ایک جماعت کے پاس تشریف لے گئے؛ اور ان سے فرمایا: '' اے میرے صحابہ! آج رات میں نے جنت میں تمہارے ٹھکانے دیکھے ہیں؛ اور تمہاری منزلیں دیکھی ہیں جو کہ میری منزل کے قریب تھیں۔'' ❷

یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مہاجرین و انصار میں سے تھے۔ اور ایسے ہی اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی۔

ان کے مابین اختلاف صرف حبِّ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں نہیں؛ کہ اتنا ہی کافی ہو۔ کیونکہ محبت رسول اللہ ﷺ تو مسلمات میں سے ہے۔ لیکن جھگڑا اس بات میں ہے کہ ان میں سے کون اس محبت کا زیادہ حق دار ہے؟۔ اور ان کے نزدیک کون زیادہ محبوب ہے؟۔ حضرت کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

مہاجرین و انصار اور بنو ہاشم نبی کریم ﷺ کے پاس یہ جھگڑا لیکر پیش ہوئے کہ ان میں سے کون رسول اللہ ﷺ کے نزدیک کون زیادہ محبوب ہے؟ اور کون زیادہ اولی ہے؟

تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: '' اے انصار کی جماعت! رہے تم؛ تو میں تمہارا بھائی ہوں۔ اس پر انہوں نے نعرہ تکبیر لگایا؛ اللہ اکبر! رب کعبہ کی قسم! ہم رسول اللہ ﷺ کو اپنے ساتھ لے گئے۔

پھر فرمایا: '' رہے تم اے گروہ مہاجرین! تو میں تم میں سے ہوں۔ اس پر انہوں نے نعرہ تکبیر لگایا؛ اللہ اکبر! رب کعبہ کی قسم! ہم رسول اللہ ﷺ کو اپنے ساتھ لے گئے۔

پھر فرمایا: '' رہے تم اے بنی ہاشم! تو مجھ سے ہو؛ اور میری ہی طرف ہو۔ پس ہم وہاں سے اٹھے تو ہم راضی تھے اور رسول اللہ ﷺ پر رشک کر رہے تھے۔'' ❸

اور انصار کے ذکر کے بارے میں؛ حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے امامیہ نے روایت کیا ہے؛ آپ فرماتے ہیں:

'' نہ ہی تلواریں نیام سے باہر آئیں؛ اور نہ ہی نماز یا جنگ کی صفیں قائم کی گئیں؛ اور نہ ہی بلند آواز میں اذان دی گئی اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے ﴿یا أیہا الذین آمنوا﴾ کہہ کر مخاطب کیا حتی کہ بنو قیلہ یعنی اوس اور خزرج مسلمان ہو گئے۔'' ❹

---

❶ بحار الأنوار (٢٧/ ١٣٣) الغدير للأميني (٢/ ٣١٢) شرح احقاق الحق (٢٤/ ٤٢١٧)

❷ شرح احقاق الحق (٦/ ١٨٧) المسترشد للطبري الشيعي (٣٥٣) أهمية الحديث عند الشيعة للعراقي (١٦٨)

❸ بحار الأنوار (٢٢/ ٣١٢) مناقب آل ابي طالب (٣/ ١١٢)

❹ بحار الأنوار (٢٢/ ٣١٢) تفسير نور الثقلين (٥/ ٨٠) مجمع البيان (٩/ ٢١٧) تفسير الميزان (١٨/ ٣١٧)

**اور رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا فرمائی ہے:**

''اے اللہ! انصار کی مغفرت فرما؛ انصار کے بیٹوں اور ان کی اولاد کی مغفرت فرما۔ اے گروہ انصار! کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ لوگ بکریاں اور چوپائے لیکر جائیں؛ اور تم اپنے گھروں کو اس حال میں جاؤ کہ تمہارے حصہ میں اللہ کے رسول ہوں؟۔ تو سارے کہنے لگے: یارسول اللہ! ہم اس پر راضی ہیں۔''

اس وقت آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''انصار استر کی طرح ہیں[ جو جسم سے ہمیشہ لگا رہتا ہے۔ لوگ کسی گھاٹی یا وادی میں رہیں گے میں تو انصار کی گھاٹی اور وادی میں رہوں گا؛'' اے اللہ! انصار کی مغفرت فرما۔''❶

**اور طبرسی نے اس کے بعد یہ جملہ زیادہ کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:**

''لوگ کسی گھاٹی یا وادی میں رہیں گے میں تو انصار کی گھاٹی اور وادی میں رہوں گا؛ اور اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار کا ایک فرد ہوتا۔''❷

اور حضرت امام جعفر الصادق علیہ السلام سے روایت ہے؛ فرماتے ہیں:

''انصار کا ایک گروہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا؛ اور انہوں نے سلام کیا؛ رسول اللہ ﷺ نے سلام کا جواب دیا۔ انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! آپ تک ہماری ایک حاجت ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اپنی حاجت پیش کرو۔''

عرض گزار ہوئے: یہ حاجت بہت بڑی ہے۔

فرمایا: ''لاؤ پیش کرو؛ وہ کیا ہے؟۔

عرض گزار ہوئے: آپ اپنے رب کی بارگاہ میں ہمارے لیے جنت کی ضمانت دیں۔

رسول اللہ ﷺ نے سر مبارک جھکا لیا؛ اور کچھ دیر زمین پر انگلی رکھے رہے؛ پھر سر اٹھایا اور فرمایا:

''میں آپ کے ساتھ یہ طے کرنے کیلئے تیار ہوں؛ مگر اس شرط پر کہ کبھی کسی سے کسی چیز کا سوال نہ کرو گے۔''

امام جعفر فرماتے ہیں:] پس ان میں سے کوئی آدمی اگر سفر میں ہوتا اور اس کا کوڑا گر جاتا تو وہ یہ بات گوارا نہ کرتا تھا کہ کسی دوسرے کو کہے کہ مجھے میرا کوڑا پکڑا دو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بھی سوال کے زمرہ میں آ جائے۔ وہ خود سواری سے اتر کر اپنا کوڑا اٹھا لیتا۔ اور جب ان میں سے کوئی ایک دستر خوان پر بیٹھا ہوتا ؛ بعض ہم نشین پانی کے زیادہ قریب ہوتے؛ مگر وہ کسی کو نہ کہتا کہ مجھے پانی دیدو؛ بلکہ خود اٹھ کر پانی پی لیتا۔''

---

❶ الارشاد (۷۵) بحار الأنوار (۲۱/ ۱۵۹) مستدرك السفينة (۱۰/ ۷۰) أعيان الشيعة (۱/ ۲۸۱) كشف الغمة (۱/ ۲۲٤) الاحتجاج للطبرسي (۱/ ۹۰) شجرة الطوبي للحائري (۲/ ۳۱۱) تفسير كنز الدقائق (۲/ ۲۰۸) في الحاشية

❷ مجمع البيان للطبرسي (٥/ ۱۹) بحار الأنوار (۲۱/ ۱٦۲) التفسير الكاشف (۷/ ۲۹۰) تفسير الميزان (۹/ ۲۲۳)

❸ الكافي (٤/ ۲۱) بحار الأنوار (۲۲/ ۱۲۹) أمالي الطوسي (٦۷٥) منتهى المطلب للحلي (۱/ ٥٤٤) من لا يحضره الفقيه (۲/ ۷۱) وسائل الشيعة آل بيت (۹/ ٤٤۰) جامع أحاديث الشيعة (۸/ ٤٥۰) موسوعة أحاديث اهل بيت (۸/ ۳٤۰)

اور وہ انصاری عورت جس نے اپنا نفس آپ ﷺ پر شادی کے لیے پیش کیا تھا؛ اس سے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائیں اور اے انصار کی جماعت! اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائیں؛ آپ کے مردوں نے میری مدد کی؛ اور آپ کی خواتین مجھ میں رغبت رکھتی ہیں۔'' ❶

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب؛ حضرت عباس بن عبدالمطلب اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین رسول اللہ ﷺ کی مرض الموت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ! یہ انصار مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں ان کے مرد و خواتین آپ کے لیے رو رہے ہیں۔ تو آپ نے دریافت کیا: وہ کیوں رو رہے ہیں؟

کہنے لگے: وہ خوف محسوس کرتے ہیں کہ آپ فوت ہو جائیں گے۔

تو آپ نے فرمایا: ''اپنے ہاتھ مجھے دو [یعنی مجھے سہارا دیکر اٹھاؤ۔] آپ کپڑے میں لپٹے ہوئے اور سر پر پٹی باندھے ہوئے باہر تشریف لائے؛ منبر پر جلوہ افروز ہوئے؛ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی اور پھر فرمایا:

''میں تمہیں اس انصار کی بستی کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔ تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کے ہاں ان کے امتحان و آزمائش کا علم ہو چکا ہے۔ کیا انہوں نے اپنے گھروں میں وسعت نہیں دی۔ اور اپنے آدھے پھل پیش نہیں کیے؟۔ اور اپنی انتہائی ضروریات پر تمہیں ترجیح نہیں دی؟

پس تم میں سے جو کوئی بھی والی بنے؛ اس میں خواہ وہ کسی کو تکلیف دے یا فائدہ پہنچائے؛ اسے چاہیے کہ انصار کے اچھے لوگوں کی اچھائی قبول کرے؛ اور ان کی غلطیوں سے عفو و درگزر سے کام لے۔ یہ آپ کی آخری مجلس تھی؛ جس میں جلوہ افروز ہوئے؛ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔'' ❷

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آگاہ ہو جاؤ! بیشک انصار میری کمان ہیں۔ ان کے غلط کاروں کو معاف کرو؛ اور ان کے نیک و کار لوگوں کی مدد کرو۔'' ❸

## اور حضرت امام کاظم رحمہ اللہ علیہ سے روایت ہے؛ فرمایا:

''جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کا وقت قریب آیا؛ تو آپ نے انصار کو بلایا۔ اور آپ نے فرمایا:

''اے انصار کی جماعت! اب جدائی کا وقت آ گیا ہے؛ مجھے اب بلاوا آ گیا ہے؛ اور میں نے منادی کو لبیک کہہ دیا ہے۔ تم نے پڑوس اختیار کیا؛ اور پڑوس میں بہت اچھا سلوک کیا۔ اور تم نے نصرت کی اور بہت اچھی

❶ تفسير القمي (٢/ ١٦٩) بحار الأنوار (٢٢/ ١٩٦) الكافي (٤/ ٧٩) تفسير نور الثقلين (٤/ ٢٩٢) تفسير الصافي (٤/ ١٩٦) مسالك الإفهام للشهيد الثاني (٧/ ٧٠) جامع أحاديث الشيعة (٢٠/ ١٣٠)

❷ أمالي المفيد (٢٨) بحار الأنوار (٢٢/ ٤٧٥) مستدرك سفينة البحار (١٠/ ٧٠)

❸ مستدرك سفينة البحار (١٠/ ٧٠) بحار الأنوار (٢٢/ ٣١٢)

نصرت کی۔تم نے اپنے اموال سے دلجوئی کی۔اور مسلمانوں کو وسعت دی۔ اور اللہ کی راہ میں اپنی قیمتی جانیں قربان کیں۔اور جو کچھ بھی تم نے کیا ہے؛ اللہ تعالیٰ اس پر تمہیں پورا پورا بدلہ دیں گے۔''❶

## حضرت علی رضی اللہ عنہ انصار کی مدح میں فرماتے ہیں:

''اللہ کی قسم! انہوں نے اسلام کو ایسے بڑھایا ہے؛ جیسے مہر سے بے نیازی کے باوجود مال بڑھ جاتا ہے۔اور ان کے ہاتھوں میں سخاوت تھی؛ اوران کی زبانیں بہت با اثر تھیں۔''❷

## اور ایک موقعہ پر آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

''سو اللہ کی قسم! تمام شہروں میں سے آپ کے شہر والے؛ عربوں میں سب سے بڑے اور اکثر انصار ہیں۔اور کوئی ایسا نہیں تھا جو کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ مہاجرین کی مدد اور حفاظت کرسکتا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت لوگوں تک پہنچائیں سوائے اس چھوٹی سی بستی کے دو قبیلوں کے۔ یہ دونوں قبیلے نہ تو دوسرے عرب قبائل سے عمر میں بڑے ہیں اور نہ ہی تعداد میں ان سے زیادہ ہیں۔جب ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کو ٹھکانہ دیا؛ اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے دین کی نصرت فرمائی؛ تو تمام عربوں نے مل کر انہیں نشانہ بنایا؛ یہودیوں نے ان کے خلاف اتحاد قائم کر لیا؛ یہودی اور دیگر قبائل ایک ایک کر کے ان کے خلاف لڑائیاں لڑتے رہے۔مگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت کے لیے کمر بستہ ہوگئے۔اور انہوں نے عرب قبائل کے ساتھ رشتہ داریوں اور یہود کے ساتھ معاہدوں کو یکسر ختم کر دیا۔اہل نجد؛ اہل تہامہ اہل مکہ: اہل یمامہ: اہل حزن وسہل اور دیگر قبائل سے دشمنی مول لے کر اللہ تعالیٰ کے دین کو قائم کیا۔اور انتہائی سخت مشکل اور نا مساعد حالات میں صبر واستقامت سے کام لیا حتی کہ عرب رسول اللہ ﷺ کے سامنے زیر نگیں ہوگئے اور آپ ﷺ کی وفات سے قبل آپ کی آنکھیں اس نصرت سے ٹھنڈی ہوگئیں۔''❸

اور اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ رسول اکرم ﷺ اپنی جان اور اہل بیت کو آگے بڑھا کر ان لوگوں کی حفاظت فرمایا کرتے تھے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جب لڑائی خوب گرم ہوجاتی اور لوگ پیچھے ہٹنے لگ جاتے؛ تو رسول اللہ ﷺ خود اور اپنے اہل بیت کو آگے کر کے اپنے اصحاب کو تلواروں اور نیزوں سے بچاتے۔''❹

❶ بحار الأنوار (٢٢/ ٤٧٦) موسوعة الشهداء المعصومين (١/ ٦٧) غاية المرام للبحراني (٢/ ١١٩)
❷ نهج البلاغة (٤/ ١٠٦) بحار الأنوار (٢٢/ ٣١٢) شرح نهج البلاغة لابن أبي الحديد (٢٠/ ١٨٤)
❸ الغارات للثقفي (٤/ ١٠٦) الأمالي للطوسي (٧/ ٢٦٦) بحار الأنوار (٣٤/ ٥٦) مجمع البيان (٧/ ٢٦٦)
❹ نهج البلاغة (٣/ ٩) بحار الأنوار (٣٣/ ١١٥) سنن الطباطبائي (١٣٩) ميزان الحكمة (٤/ ٣٢٣٠) شرح نهج البلاغة لابن أبي الحديد (١٤/ ٤٧)

لیکن اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کوئی گراں نہیں ہے کہ انہیں ائمہ اور زمین کے وارث بنائے؛ اور انہیں خلافت ارضی سے نواز دے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾۔[النور ۵۵]

''اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کیے کہ انہیں ضرور ملک کی حکومت عطا کرے گا جیسا کہ ان سے پہلوں کو عطا کی تھی اور ان کے لیے جس دین کو پسند کیا ہے اسے ضرور مستحکم کر دے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا پس میری عبادت کرتے رہو اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور جو اس کے بعد ناشکری کرے تو وہی لوگ فاسق ہوں گے۔''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان آیات میں اہل ایمان کے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ انہیں زمین میں خلافت؛ دینی استحکام؛ اور دشمنوں سے بہت بڑا امن و امان حاصل ہوگا۔ اور جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے؛ اس کا ہر حال میں پورا ہونا ضروری ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں فرماتے۔ چنانچہ یہی سب وہ کچھ تھا جو خلفائے راشدین کے عہد مسعود میں پیش آیا؛ جو کہ نزول قرآن کے وقت حاضر اور موجود تھے۔ جیسا کہ بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے۔

## انہی بشارات میں سے وہ واقعہ بھی ہے جو خندق کے دن پیش آیا:

جب مسلمان خندق کھود رہے تھے تو ایک بہت بڑی چٹان آ گئی؛ جس کا توڑنا بہت مشکل ہو گیا۔ تو نبی کریم ﷺ تشریف لائے؛ اور کدال اپنے دست مبارک میں لی؛ اور اس سے آپ نے ایک ضرب لگائی؛ جس سے ایک شعلہ نکلا؛ جس سے گویا کہ اندھیری رات میں روشنی پھیل گئی ہو۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فتح کی بشارت دیتے ہوئے تکبیر کہی۔ مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ پھر آپ نے ایک دوسری ضرب لگائی۔ اس سے پھر ایک روشنی کا شعلہ نکلا۔ گویا کہ بجلی کی چمک ہو۔ پھر آپ نے تیسری ضرب لگائی۔ تب بھی گویا کہ بجلی کی چمک پیدا ہوئی۔

تو آپ ﷺ نے پہلے شعلہ کے بارے میں فرمایا: ''اس سے حیرہ کے محلات اور کسریٰ کے مدائین روشن ہو گئے تھے۔ اور حضرت جبریل نے مجھے دی کہ میری امت ان علاقوں پر غالب آئے گی۔''

پھر جب دوسری ضرب ماری تو اس سے بجلی کا شعلہ سا نکلا؛ جیسے تم لوگوں نے بھی دیکھا؛ اس سے ارض روم کے محلات روشن ہو گئے۔ تو جبریل امین نے مجھے خبر دی کہ آپ کی امت ان علاقوں کو فتح کرے گی؛ تمہیں اس کی خوشخبری ہو۔'' تو مسلمان اس پر بہت خوش ہوئے۔ اور کہنے لگے: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جن اس محاصرہ اور گھیراؤ کے بعد ہمارے لیے فتح ونصرت رکھی ہے۔''

جب کہ منافقین کہنے لگے: تمہیں اس بات پر تعجب نہیں ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں امیدیں دلاتے ہیں؛ اور باطل وعدے کرتے ہیں؛ اور تمہیں یہ بتاتے ہیں کہ وہ یہاں یثرب سے حیرہ اور کسریٰ کے محلات دیکھ رہے ہیں۔ اور یہ کہ تمہیں ان علاقوں میں فتح دی جائے گی۔ اور تمہاری حالت یہ ہے کہ خوف کے مارے خندق کھود رہے ہو۔ اور دشمن سے براہ راست مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ تو اس موقع پر قرآن نازل ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا﴾ [الأحزاب ۱۲]

''اور جب منافق اور بیمار دل کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے صرف دھوکہ کا وعدہ کیا تھا۔''❶

اور انہی بشارات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''بیشک تم لوگ مصر کو فتح کروگے۔ جب اسے فتح کرلو تو قبطیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا؛ ان کے ساتھ خونی رشتہ داری اور عہد ذمہ ہے۔'' یعنی حضرت ماریہ قبطیہ، ام ابراہیم اہل مصر میں سے تھیں۔ ❷

اور ایک روایت میں ہے: اللہ اللہ! قبطیوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ بیشک تمہیں ان پر فتح حاصل ہوگی۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں تمہارا ساز وسامان اور تمہارے مددگار ہوں گے۔''❸

اور وہ بشارات جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی عدالت اور ان کے ایمان پر دلالت کرتی ہیں؛ ان میں سے ایک یہ بشارت بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''حسن میرا بیٹا سردار ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔''❹

---

❶ مجمع البیان (۲/ ۲۷۰) بحار الأنوار (۱۷/ ۱۶۹) نفس الرحمن في فضائل سلمان (۱٤۸) الصحیح من سیرة النبي الأعظم (۹/ ۱٤۰) غور کیجئے کہ اس وقت مسلمانوں کے ایمان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر پر پورے یقین کا کیسا امتحان تھا کہ ہر طرف سے کفار کے نرغہ اور خطرے میں ہیں، خندق کھودنے کے لئے مزدور اور خادم نہیں، خود ہی محنت ایسی حالت میں برداشت کررہے ہیں کہ سخت سردی نے سب کو پریشان کررکھا ہے۔ ہر طرف خوف ہی خوف ہے۔ بظاہر اسباب اپنے بچاؤ اور بقا پر یقین کرنا بھی آسان نہیں، دنیا کی عظیم سلطنت روم وکسریٰ کی فتوحات کی خوش خبری پر یقین کس طرح ہو؟ مگر ایمان کی قیمت سب اعمال سے زیادہ اسی بنا پر ہے کہ اسباب وحالات کے سراسر خلاف ہونے کے وقت بھی ان کو رسول اللہ ﷺ کے ارشاد میں کوئی شک وشبہ پیدا نہ ہوا۔ ایسے جاں نثار خادم تھے جو کسی حال میں یہ نہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ خود بھی اس مزدور کی محنت شاقہ میں ان کے شریک ہوں۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کی دل جوئی اور امت کی تعلیم کے لئے اس محنت ومزدوری میں برابر کا حصہ لیا۔ صحابہ کرام کی جانثاری، آپ کے اوصاف کمال اور نبوت ورسالت کی بنیاد پر تو تھی ہی، مگر ظاہر اسباب میں ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ ہر محنت ومشقت اور تنگی وتکلیف میں آپ سب عوام کی طرح ان میں شریک ہوتے تھے۔ حاکم ومحکوم، بادشاہ ورعیت اور صاحب اقتدار عوام کی تفریق کا کوئی تصور وہاں نہ پیدا ہوتا۔ اور جب سے اہل اسلام نے اس سنت کو ترک کیا اس وقت سے یہ تفرقے پھوٹے، اور طرح طرح کے فتنے اپنے دامن میں لائے۔

❷ مناقب آل ابي طالب (۱/ ۱۰۹) بحار الأنوار (۱۹/ ۱۳۱) مستدرك سفينة البحار (۸/ ۳۹۱)

❸ مناقب آل ابي طالب (۱/ ۱۰۹) بحار الأنوار (۱۸/ ۱۳۱) مستدرك السفينة (۸/ ۳۹۱)

❹ كتاب المناقب الحسن والحسين (۳٤٦۳)

تو معاملہ بالکل ویسے ہی پیش آیا جیسے اس صادق ومصدوق ہستی ﷺ نے خبر دی تھی۔' ❶

اوران بشارات میں سے ایک رسول اللہ ﷺ کا یہ قول بھی ہے؛ آپ نے فرمایا:

''اس حرہ میں میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد میری امت کے بہترین لوگ قتل ہوں گے۔'' ❷

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :یوم حرہ میں سات سو حافظ قرآن شہید ہوئے؛ ان میں سے تین نبی کریم ﷺ کے صحابی تھے۔'' ❸

اس باب میں وارد تمام روایات کا ذکر کرنا طوالت اختیار کر جائے گا۔ جو کچھ ابھی تک ہم نے بیان کیا ہے؛ اس میں اتنی معرفت حاصل کرنے کے لیے کفایت ہے کہ اصل حقیقت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ائمہ اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی مدح وثناء ہے۔

## علمائے کرام کے اقوال کا خلاصہ:

اس بارے میں اب تک جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

بیشک اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ظاہر و باطن کا تزکیہ کیا تھا۔ ان کے ظاہری اور باطنی تزکیہ میں سے یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے عظیم تر اور اعلی شان اخلاق حمیدہ کو قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح:۲۹)

''محمد اللہ ﷺ کے رسول ہیں آپ کے ساتھی کافروں پر بہت سخت اور آپس میں نہایت رحم دل ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾۔ [الحشر ۸]

''اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی سچے مسلمان ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: 

﴿وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾

''اور اپنے سینوں میں اس کی نسبت کوئی خلش نہیں پاتے جو کچھ مہاجرین کو دیا جائے اور وہ انہیں اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہو۔''

❶ أمالي الطوسي (٤٠٤) بحار الأنوار (١٨/ ١٤٤) جامع أحاديث الشيعة (١٣/ ٢٢٥) مستدرك السفينة (١٠/ ٥٦٤)

❷ اعلام الورى للطبرسي (١/ ١٢) مناقب آل ابي طالب (٣/ ١٨٥) بحار الأنوار (٤٣/ ٢٩٨) شرح إحقاق الحق (٢٦/ ٣٥٦) لوامع الحقائق للآشتياني (١/ ٣٠٤)

❸ اعلام الورى للطبرسي (١/ ٩٦) بحار الأنوار (١٨/ ١٢٥) مستدرك السفينة (٢/ ٢٥٤) معالم المدرستين (٣/ ١٨٨)

اور جہاں تک باطن کی بات ہے؛ تو یہ معاملہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ جو کہ اکیلے علیم بذات الصدور ہیں؛ انہوں نے ہمیں ان کے باطن کی صدقت اور اچھی نیات کے بارے میں خبر دی ہے۔ مثال کے طور پر اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾ (الفتح:۱۸)

''بالیقین اللہ تعالیٰ مومنین سے راضی ہوگئے ہیں جب وہ درخت کے نیچے آپ کی بیعت کررہے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے احوال سے باخبر ہیں؛ پھر ان پر اطمینان اتارا اور انہیں قریبی فتح سے نوازا۔''

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ﴾۔ [الحشر ۸]

''جو ان کے پاس مہاجر آتا ہے اس سے محبت کرتے ہیں۔''

**اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:**

﴿تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾۔ [الفتح ۲۹]

''آپ انہیں دیکھیں گے کہ رکوع و سجود کررہے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں۔''

**اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:**

﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾۔ [التوبة ۱۱۷]

''اللہ نے نبی اور مہاجرین و انصار کے حال پر توجہ فرمائی؛ جنہوں نے تنگی کی گھڑی میں نبی کا ساتھ دیا اس کے بعد کہ ان میں سے بعض کے دل پھر جانے کے قریب تھے؛ پھر ان کی توبہ قبول فرمائی؛ بیشک وہ ان پر شفقت کرنے والا مہربان ہے۔''

**ہاں جب اللہ تعالیٰ نے ان کی سچی نیتوں اور سچی توبہ کو جان لیا؛ تو ان کی توبہ قبول فرمالی:**

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان حضرات کو ظاہری و باطنی خیر و بھلائی کی خصوصی توفیق ملی ہوئی تھی؛ جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ اس نے ان حضرات کی توبہ قبول فرمالی ہے؛ اور وہ ان حضرات سے راضی ہوگیا ہے۔ اور ان حضرات سے جنت کا وعدہ کرلیا ہے۔

ان تمام سابقہ باتوں کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ان کے لیے دعاء و استغفار کریں۔ اور نبی کریم ﷺ نے ان کا اکرام بجالانے اور ان کے حقوق کی حفاظت کرنے؛ اور ان سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے۔ انہیں گالی

دینے یا ان کے ساتھ حسد وبغض رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان سے محبت کو ایمان کی نشانی قرار دیا ہے۔ اوران سے بغض ونفرت کو نفاق کی علامت قرار دیا ہے۔

یہ ایک طبعی بات ہے کہ جب یہ تمام باتیں اس دور میں موجود تھیں جن کا ذکر کیا گیا ہے؛ تو پھر لازمی ہوتا ہے کہ اس دور کے لوگ خیر القرون کے لوگ ہوں۔ اوراس امت کے لیے باعث برکت وامان ہوں۔ پھراس کے ساتھ ہی ضروری طور پر اس امت پر ان کی اتباع بھی واجب ہوجاتی ہے۔ بلکہ جنت حاصل کرنے کا یہی ایک رستہ ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''تم پر میری سنت اورمیرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی اطاعت واجب ہے۔''❶

## صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر تنقید کرنے والوں کے متعلق حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بیشک ان لوگوں کا ارادہ یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ کی ہستی پر طعن وتنقید کریں۔ مگر ایسا کرنا ان کے لیے ممکن نہ تھا۔ پھر انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر تنقید شروع کردی۔ تا کہ یہ کہا جاسکے کہ:

''اگر آپ ﷺ اچھے آدمی ہوتے تو آپ کے ساتھی بھی اچھے لوگ ہوتے۔''❷

## شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر طعن کرنا درحقیقت دین پر طعنہ زنی کرنا ہے۔''❸

## امام ابوزرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جب آپ کسی آدمی کو دیکھیں کہ وہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کررہا ہے؛ تو اس بات کا یقین کر لیجیے کہ وہ زندیق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک قرآن بھی حق ہے؛ اور نبی کریم ﷺ بھی حق ہیں؛ اور بیشک یہ قرآن مجید اور نبی کریم ﷺ کی سنتیں ہم تک اصحاب رسول اللہ ﷺ کے واسطہ سے پہنچی ہیں۔ ان لوگوں کی خواہش یہ ہے کہ یہ ہمارے گواہوں کو مجروح کردیں تا کہ کتاب وسنت کو باطل ثابت کرنا ممکن ہوجائے۔ تو پھر خود ان لوگوں پر جرح کرنا زیادہ اولی ہے یہ لوگ زندیق ہیں۔''❹

اب اس سارے کلام کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ صحابہ کرام کی عدالت کا مطلب یہ نہیں کہ صحابی بحیثیت فرد گناہ سے معصوم ہیں۔ بلکہ عصمت ان کے اجماع میں ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے؛ جیسا کہ پہلے بھی گزرچکا ہے کہ:

''یہ امت گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی''۔

پس عصمت ان کی اجتماعیت میں ہے۔ جب کہ فردی حیثیت میں غیر معصوم ہیں۔

❶ رواہ أحمد (٤/ ١٢٦) انظر: أرواء الغلیل برقم (٢٥٤٤)
❷ الصارم المسلول (٥٥٣) ❸ منهاج السنة (١/ ١٨) ❹ الكفاية (٤٩)

# ۲۔ حدیث حوض

ایسے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق جن شبہات کو بہت زیادہ ہوا دی جاتی ہے؛ ان میں سے ایک حدیث حوض بھی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میرے صحابہ میں سے کچھ لوگ حوض پر میرے پاس آئیں گے؛ حتی کہ میں انہیں پہچان لوں گا؛ تو انہیں میرے پاس پہنچنے سے قبل روک لیا جائے گا۔ میں کہوں گا: میرے اصحاب۔''

تو وہ روکنے والا کہے گا: ''آپ کو علم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا بدعات ایجاد کرلیں تھیں۔'' ❶

''میں حوض پر تمہارا پیش خیمہ ہوں گا۔ اور جو شخص میرے پاس سے گزرے گا وہ پئے گا اور جس نے پی لیا تو اس کو کبھی پیاس نہ لگے گی۔ میرے سامنے کچھ لوگ اتریں گے جن کو میں پہچان لوں گا اور وہ لوگ مجھے پہچان لیں گے پھر میرے اور ان کے درمیان پردہ حائل ہو جائے گا۔''

ابو حازم نے بیان کیا کہ مجھ سے نعمان بن ابی عیاش نے سنا تو کہا کیا تم نے سہل سے اسی طرح سنا ہے میں نے کہا ہاں۔ انہوں نے کہا ہاں میں ابو سعید خدری پر گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ان کو اتنا زیادہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میں کہوں گا کہ یہ لوگ مجھ سے ہیں۔''

پس کہا جائیگا کہ: ''تم نہیں جانتے کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا ہے۔''

میں کہوں گا کہ: ''اللہ کی رحمت سے بعید ہو وہ شخص جس نے میرے بعد تبدیلی کی۔'' ❷

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا:

''میں اپنے حوض پر ان لوگوں کا انتظار کروں گا، جو میرے پاس آئیں گے، پس کچھ لوگ میرے سامنے سے پکڑے جائیں گے تو میں کہوں گا کہ یہ میری امت ہے تو جواب ملے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے تمہارے بعد کیا کیا یہ لوگ الٹے پاؤں پھر گئے تھے۔''

ابن ابی ملیکہ یہ دعا مانگا کرتے تھے: ''اے اللہ ہم آپ کی پناہ مانگتے ہیں اس بات سے کہ الٹے پاؤں پھر جائیں، یا فتنہ میں پڑ جائیں۔'' ❸

---

❶ البخاري (٦٥٨٢) مسلم (٢٣٠٤)

❷ البخاري (٦٥٨٥)

❸ صحيح بخاري: ج (٣) ح (١٩٧٢)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت میں ہے؛ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''حوض پر تم میں سے ایک جماعت لائی جائے گی۔''❶

## اور ایک دوسری روایت میں ہے:

''بروز قیامت میرے پاس میرے صحابہ کا ایک گروہ آئے گا؛ پھر انہیں حوض سے پہلے روک دیا جائے گا۔''❷

## اور ایک تیسری روایت میں ہے:

''پس اچانک لوگوں کی ایک جماعت آئے گی؛ حتی کہ میں انہیں پہچان لوں گا۔'' [البخاری ٦٥٨٧]

اور حضرت ابن میتب رحمۃ اللہ علیہ اصحاب نبی رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایت کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''حوض پر میرے صحابہ کی ایک جماعت آئے گی۔ پھر انہیں اس سے دور کر دیا جائے گا۔''❸

## اصحاب شبہات کا نقد:

شبہات پھیلانے والے کہتے ہیں:

''وہ احادیث جو کہ اہل سنت والجماعت کے علماء نے اپنی صحاح اور مسانید میں روایت کی ہیں؛ ان احادیث میں گہری نظر سے غور کرنے والا؛ کسی شک وشبہ کا شکار نہیں رہے گا کہ اکثر صحابہ بدل گئے تھے؛ اور انہوں نے دین کو بدل دیا تھا؛ بلکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ گئے تھے؛ سوائے ان چند لوگوں کے۔ اور کسی بھی صورت میں ان احادیث کی تطبیق تیسری قسم یعنی منافقین پر نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ نص میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ''میں کہوں گا: ''میرے اصحاب۔'' اور اس لیے کہ منافقین نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تبدیل نہیں ہوئے۔ اگر وہ بدلتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ایمان والے ہو جاتے۔''

## اس شبہ پر علماء کا رد:

اس شبہ پر رد کرنے سے قبل بالاختصار صحبت کا معنی اور مفہوم بیان کرنا ضروری ہے۔

## صحابی کا معنی:

عرف کے اعتبار سے: جو کہ بر سبیل اتباع بہت زیادہ ساتھ رہا ہو؛ اور لمبا عرصہ صحبت میں گزارا ہو۔''❹

❶ البخاری (٦٥٧٦)
❷ البخاری (٦٥٨٥)
❸ البخاری (٦٥٨٦)
❹ جامع الأصول لابن أثیر (١/ ٧٤) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: صحابی: صاحب کی طرف نسب کرتے ہوئے صحابی کہا جاتا ہے۔ اس کا اطلاق مختلف معانی پر ہوتا ہے۔ ان کے اندر ملازمت (یعنی ساتھ رہنے) اور انقیاد واطاعت کا مفہوم پایا جاتا ہے، لسان العرب (١/ ٥٩)

## شرعی اصطلاح میں:

''صحابی وہ ہے جس نے نبی کریم ﷺ سے ایمان کی حالت میں ملاقات کی ہو، اور اسی پر اس کی موت واقع ہوئی ہو۔'' ❶

پس جب یہ معلوم ہوگیا تو اب بات احادیث حوض میں ہوگی۔ احادیث حوض کے درست ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ انہیں بیسوؤں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے روایت کیا ہے۔ اور ان احادیث کی تفصیل وتشریح میں علمائے کرام رحمہم اللہ کے کئی اقوال ہیں؛ جن سے پتہ چلتا ہے کہ ان سے مراد یہ صحابہ کرام نہیں ہیں۔ ان اقوال میں سے:

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی قوم سے راضی ہو جائیں اور ان کی حمد وثناء بیان کریں؛ اور تورات وانجیل میں ان کی مثالیں بیان کریں جن کے بارے میں اسے معلوم ہو کہ یہ لوگ نبی کریم ﷺ کے بعد اپنی ایڑیوں کے بل الٹے پھر جائیں گے۔ یہ بات صرف وہی انسان کہہ سکتا ہے جس کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے اس بات کا پتہ نہیں تھا۔ تو ایسا انسان سب سے برا اور بڑا کافر ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کوئی ایک بھی مرتد نہیں ہوا۔ بلکہ یہ عرب بدو تھے جو کہ مرتد ہوئے۔ جن کا دین کی نصرت میں کوئی کردار نہیں تھا۔ ان کی وجہ سے مشہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر قدح نہیں کی جاسکتی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں کہوں گا: ''أصیحابی''۔ یہ لفظ قلت عدد پر دلالت کرتا ہے۔'' ❷

یعنی اس سے مراد حوض پر وارد ہونے والے تمام لوگ نہیں ہیں۔ اور ایک دوسری روایت میں گروہ کے الفاظ آئے ہیں؛ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

❶ (الإصابة في تمييز الصحابة (١/ ١٦) امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ((فأما الصحابة رضی اللہ عنہم اجمعین فهم كل من جالس النبی صلى الله عليه وسلم ولو ساعة، وسمع منه ولو كلمة فما فوقها أو شاهد منه عليه السلام أمرا يعيه)) الإحكام فى أصول الأحكام لابن حزم (٥/ ٨٦) ''صحابہ میں وہ شامل ہیں: جنہوں نے نبی کریم ﷺ کیساتھ مجلس کی ہو: بھلے وہ ایک گھڑی کے لیے ہو۔ اور آپ سے بھلے ایک کلمہ یا اس سے زیادہ سنا ہو؛ یا آپ کو کوئی کام کرتے دیکھا ہو؛ اور اسے یاد رکھ لیا ہو۔'' قاضی ابو بکر محمد بن الطیب رحمہ اللہ کا قول ہے کہ باتفاق اہل لغت صحابی صحبت سے مشتق ہے۔ مگر صحبت کی کسی مخصوص مقدار سے مشتق نہیں؛ بلکہ اس کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوسکتا ہے جس نے کم وزیادہ کسی کی صحبت اٹھائی ہو۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ ایک سال ایک مہینہ یا ایک دن یا ایک گھڑی تک ایک شخص کی صحبت اٹھائی، اس لیے صحبت کی تھوڑی یا زیادہ مقدار دونوں پر صحبت کا اطلاق ہوسکتا ہے، لیکن اس کے ساتھ عرفاً صحابی صرف اس شخص کو کہہ سکتے ہیں جس نے کسی کی طویل صحبت اٹھائی ہو، عرفاً اس شخص کو صحابی نہیں کہہ سکتے جس نے کسی سے ایک گھنٹہ کی ملاقات کی ہو یا اس کے ساتھ چند قدم چلا ہو یا اس سے کوئی حدیث سنی ہو۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے دور کے جو بعض گھٹیا قسم کے اہل بدعت لمبا عرصہ صحبت نہ ہونے کی وجہ سے صحابیت کی نفی کرتے ہیں تاکہ اپنے بغض وحسد اور باطن کی گندگی کی وجہ سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے اس شرف کو دور رکھیں؛ یہ نظریہ جادہ حق سے کھلا ہوا انحراف اور نصوص کتاب وسنت سے واضح سرکشی ہے۔

❷ اصیحابی کے یہ الفاظ خود امامیہ کی کتابوں میں بھی موجود ہیں؛ دیکھیں، بحار الأنوار (٨/ ٢٧، ٢٨/ ٢٢، ٢٩/ ٥٦٦) العدد القوية لعلي بن يوسف الحلي ص (١٩٨) تقريب المعارف لأبي الصلاح الحلبي (٣٩٥) شرح إحقاق الحق (١٨/ ٣٧)

''بروز قیامت میرے پاس میرے صحابہ کا ایک گروہ آئے گا؛ پھر انہیں حوض سے پہلے روک دیا جائے گا؛ میں کہوں گا: اے میرے رب! میرے اصحاب! تو مجھ سے کہا جائے گا: آپ کو علم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا ایجاد کر لیا تھا؛ یہ لوگ اپنی ایڑیوں کے بل پھر کر مرتد ہو گئے تھے۔''❶

اور رہط (یعنی گروہ) کا معنی معلوم ہے کہ دس سے کم افراد کے ٹولے کو رہط کہا جاتا ہے:

ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہمارے ہاں معروف ہیں۔ اس لیے کہ صحابی اسم جنس ہے؛ جس کی شریعت یا لغت میں کوئی حد نہیں ہے۔ اور اس بارے میں عرف میں اختلاف ہے۔ نبی کریم ﷺ نے صحبت کے بارے میں کوئی قید نہیں لگائی اور نہ ہی اس کی کوئی مقدار متعین کی ہے۔ بلکہ اس کے اطلاق پر حکم کو معلق رکھا ہے۔ اور اس میں مطلق رؤیت سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ تو اس مطلق کے تحت اس' سے مراد مطلق طور پر اہل ایمان اور آپ کی اتباع کرنے والے ہیں۔ یہ بالکل ویسے ہی ہے: جیسے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقلدین کو کہا جاتا ہے: اصحاب ابو حنیفہ۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے مقلدین کو اصحاب شافعی کہا جاتا ہے۔ بھلے انہوں نے ان ائمہ کو دیکھا ہی نہ ہو؛ اور ان ائمہ کے بہت بعد میں پیدا ہوئے ہوں۔ ایسے ہی گزرے ہوئے وہ لوگ جن کے ساتھ کسی مسئلہ میں یا مخصوص مسلک میں موافقت ہو تو ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ: ''ہمارے اصحاب۔'' مثلاً: متأخر عالم کہے کہ: ہمارے اصحاب کے ہاں یہ مسئلہ ایسے ہے۔''

تو اسے یہ ثابت نہیں ہو جاتا کہ ان دونوں کی ملاقات بھی ثابت ہو۔ ان کے درمیان برسوں اور صدیوں کا فاصلہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ ان کو [دنیا میں] دیکھے بغیر بھی پہچان لیں گے؛ اس کا سبب ان کی مخصوص علامات ہیں؛ جو ان پر ظاہر ہوں گی۔''❷

اور اگر ہم [بطور مناظرہ] تسلیم کر لیں کہ ان سے مراد وہ صحابہ ہیں جو کہ عرف میں مشہور ہیں؛ تو پھر بھی اس حدیث میں وارد اصحاب سے مراد وہ دیہاتی اور اعرابی لوگ ہیں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مرتد ہو گئے تھے۔ اور آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ: ''أصحابي أصحابي'' اس نیک نیتی پر مبنی ہو گا کہ یہ لوگ مرتد نہ ہوئے ہوں گے۔ مگر آپ کو جواب دیا جائے گا کہ: ''آپ کو علم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا ایجاد کر لیا تھا۔''❸

جب یہ ثابت ہو گیا تو اب یہ جان لینا چاہیے کہ علمائے کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ وہ کون سے لوگ ہوں گے جنہیں نبی کریم ﷺ کے حوض سے دور ہٹایا جائے گا۔ جب کہ اس سے قبل اس بات پر ان تمام کا اتفاق ہے کہ اس حدیث سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین مراد نہیں ہیں۔ چنانچہ علمائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں:

❶ البخاري (٦٥٨٥) ❷ جیسا کہ ایک روایت میں واضح آتا ہے: ''میں انہیں وضو کے نشانات سے پہچان لوں گا۔''

❸ اس کی تائید اس سابقہ ذکر کردہ روایت سے ہوتی ہے جس میں تصغیر کے ساتھ ''أصیحابي'' کا لفظ استعمال ہوا ہے؛ جو اس بات کی دلیل ہے کہ مرتد ہونے والے تھوڑے سے چند ایک لوگ ہوں گے۔'' فتح الباري (٨/ ١٣٦) برقم (٤٦٢٥) اس کا اطلاق صحابہ کے شرعی و اصطلاحی معنی پر کرنا اجماع امت کے خلاف ہے۔

اس سے مراد منافقین اور مرتدین ہیں۔ان کے حق میں بھی یہ جائز ہے کہ انہیں وضوء کے نشانات اور چمک کے ساتھ محشر میں جمع کیا جائے۔تو نبی کریم ﷺ انہیں ان کے نشانات کی وجہ سے پکاریں گے۔جیسا کہ اس کی وضاحت امام مسلم رحمہ اللہ کی روایت سے ہوتی ہے؛ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے؛ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''میری امت کے لوگ میرے پاس حوض پر آئیں گے اور میں اس سے لوگوں کو اس طرح دور کروں گا جس طرح کوئی آدمی دوسرے آدمی کے اونٹوں کو دور کرتا ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو پہچان لیں گے؟ فرمایا:''ہاں تمہارے لئے ایک ایسی علامت ونشانی ہوگی جو تمہارے علاوہ کسی کے لئے نہ ہوگی؛ تم جس وقت میرے پاس آ گئے تو وضو کے آثار کی وجہ سے تمہارے چہرے ہاتھ اور پاؤں چمکدار اور روشن ہوں گے۔اور تم میں سے ایک جماعت کو میرے پاس آنے سے روکا جائے گا وہ میرے تک نہ پہنچ سکیں گے تو میں کہوں گا اے میرے رب! یہ میری امت میں سے ہیں۔''

ایک فرشتہ مجھے جواب دے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد انہوں نے دین میں کیا کیا نئی باتیں [بدعات] نکال لی تھیں۔''[1]

یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ: اہل ہواء اور اہل نفاق کو بھی وضوء کے نشانات اور چمک کے ساتھ محشر میں لایا جائے گا۔

آپ کہ یہ فرمانا کہ: ''منکم''یعنی تم میں سے؛ تو یہاں پر میم جمع کے لیے ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام لوگوں کو اس چمک کے ساتھ لایا جائے گا۔جیسا کہ حدیث صراط میں آتا ہے:

((وتبقى هذه الأمة و فيها منافقوها......))[2]

''یہ امت باقی رہ جائے گی؛ اس میں ان کے منافقین بھی ہوں گے۔''

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ منافقین کو بھی اہل ایمان کے ساتھ اکٹھا کیا [محشر میں لایا] جائے گا۔اور اس میں کوئی شک والی بات نہیں کہ منافقین کسی طرح بھی صحابہ میں سے شمار نہیں ہوتے۔اور نہ ہی وہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے زمرہ میں داخل ہیں۔اور نہ ہی اسم صحبت [صحابی] کی اصطلاح ان کو عند الاطلاق شامل ہوتی ہے۔

صحابی جیسا کہ اس کی تعریف میں پہلے بھی گزرا کہ؛ وہ ہے جس نے حالت ایمان میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی ہو؛ اور پھر ایمان کی حالت پر ہی اس کی وفات ہوئی ہو۔لیکن رسول اللہ ﷺ نے بعض روایات میں انہیں اور مرتدین کو''اصیحابی'' کے لفظ سے ذکر کیا ہے۔یا یہ بھی فرمایا ہے:''من صاحبنی۔''جنہوں نے میری صحبت پائی؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی صحبت پائی اور دنیا میں آپ کو دیکھا تھا۔پس یہاں پر یہ الفاظ ان کی تحقیر وتصغیر اور تذلیل کے لیے ہیں نہ کہ احترام اور تعظیم کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔اور یہ الفاظ ہرگز ان حضرات مہاجرین وانصار

---

[1] رواه مسلم (٢٤٧) [2] البخاري (٨٠٦) مسلم (١٨٢)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے حق میں استعمال نہیں ہو سکتے جن کے حق میں صحیح نصوص کتاب وسنت میں ادب واحترام اور اجلال وتعظیم اور تقدیر وتکریم کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ منافقین نبی کریم ﷺ کے سامنے اپنے ایمان کا اظہار کیا کرتے تھے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ﴾ (المنافقون: ١)

''جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم اس بات کے گواہ ہیں کہ بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعاً جھوٹے ہیں۔''

نبی کریم ﷺ بعض منافقین کو جانتے بھی تھے۔لیکن تمام کا آپ کو علم نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ﴾۔[التوبۃ ١٠١]

''اور آپ گرد ونواح کے بعض گنوار منافق ہیں اور کچھ اہل مدینہ بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں آپ انہیں نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں ہم انہیں دوہری سزادیں گے پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔''

یہاں پر یہ بات واضح کردی کہ اللہ کے نبی ﷺ تمام منافقین کو نہیں جانتے تھے۔اور آپ ان کے متعلق یہ گمان رکھتے تھے کہ یہ بھی آپ کے اصحاب میں سے ہیں؛ لیکن درحقیقت وہ منافق تھے۔

اور اس سے مراد وہ تمام لوگ بھی ہو سکتے ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی ہمراہی پائی ہو؛ اگرچہ انہوں نے آپ کی اطاعت نہ بھی کی ہو۔اور اگرچہ نبی کریم ﷺ ان کو جانتے بھی ہوں ۔ جیسا کہ عبداللہ بن ابی ابن سلول ۔ اس کے بارے میں سبھی جانتے ہیں کہ وہ منافقین کا سردار تھا۔ یہی وہ آدمی ہے جس نے کہا تھا:''اگر ہم مدینہ واپس چلے گئے تو عزت والا وہاں سے ذلیل کو نکالے گا۔''

اور یہی انسان تھا جس نے یہ بات بھی کہی تھی کہ: ہماری مثال اور محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب کی مثال ایسے ہی ہے جیسے پہلے کسی نے کہا تھا:''تیرے کتے کی قیمت تجھے کھا جائیگی۔''

پس اس کو بھی نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب کا نام دیا ہے۔پس یہاں پر مقصود یہی لوگ ہیں:

یہی وجہ ہے کہ صحابی کی تعریف اور معنی یہ بیان کیا جاتا ہے کہ: ہر وہ انسان جس نے ایمان کی حالت میں نبی کریم ﷺ سے ملاقات کی ہو؛ اور اسی پر اس کی وفات ہوئی ہو۔یہ تعریف اور معنی متاخرین کے ہاں ہے۔ جب کہ کلام عرب میں ہر وہ انسان جو کسی کے ساتھ رہا ہوں؛ خواہ وہ مسلمان ہو یا نہ ہو؛ اتباع کار ہو یا نہ ہو؛ اسے صاحب ہی کہا جائے گا؛ لیکن یہ ایک دوسرا معاملہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عبداللہ بن ابی ابن سلول خبیث نے ایک گندی بات کہی تھی کہ: عزت والا

وہاں سے ذلیل کو نکالے گا۔"

جب یہ بات نبی کریم ﷺ تک پہنچی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے؛ اور عرض گزار ہوئے: یارسول اللہ ﷺ! آپ اجازت مرحمت فرمائیے؛ میں منافق کی گردن ماردوں۔"

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے عمر! اسے چھوڑ دیجیے؛ لوگ یہ نہ کہتے پھریں کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔" ❶

پس یہاں پر نبی کریم ﷺ نے اسے بھی صحابی کہا ہے جب کہ وہ منافقین کا سردار تھا۔ پس یہ ان لوگوں میں شمار نہیں ہوتا جنہیں ہم صحابہ کہتے ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں تھے۔ مگر بعد میں مرتد ہوگئے۔ پس نبی کریم ﷺ انہیں آواز دیں گے۔ اگرچہ ان پر وضوء کے نشانات نہ بھی ہوں۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ اپنے زندگی میں انہیں ان کے ظاہری اسلام کی وجہ سے جانتے تھے۔ تو ان کے بارے میں کہا جائے گا کہ: یہ لوگ آپ کے بعد مرتد ہوگئے تھے۔

## ایک بہت بڑا نامور عالم علامہ طبرسی اپنی تفسیر (مجمع البیان) میں اس آیت کی تفسیر لکھتا ہے:

﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴾۔ [آل عمران ۱۰٦]

"جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ؛ سیاہ چہروں والوں سے کہا جائے گا کہ: کیا تم نے اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟ اب اپنے کفر کی وجہ سے عذاب کا مزہ چکھو۔"

(کہتا ہے) اس آیت سے کون لوگ مراد ہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔"

پھر اس نے اس مسئلہ میں چار اقوال ذکر کیے ہیں؛ اور ان سب کے آخر میں یہ لکھا ہے کہ:

"اس سے مراد اس امت کے اہل ھواء بدعت پرست ہیں۔"

پھر اس پر احادیث ارتداد سے استدلال کیا ہے۔ اور کہا ہے:

"اور اس میں چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اس امت کے اہل ھواء بدعت پرست ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایسے ہی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ارتداد کی وجہ سے کافر ہوگئے تھے۔ اور نبی کریم ﷺ سے یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! میرے پاس حوض پر وہ لوگ آئیں گے جنہوں نے میری

❶ البخاري برقم (٣٥١٨) مسلم برقم (٢٥٨٤)

صحبت اٹھائی ہو۔حتی کہ جب میں انہیں دیکھ لوں گا تو وہ میرے سامنے سے پکڑے جائیں گے تو میں کہوں گا کہ: میرے اصحاب؛ میرے اصحاب؛ میرے اصحاب؛! تو جواب ملے گا کہ: آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا ایجاد کیا؛ یہ لوگ الٹے پاؤں پھر کر مرتد ہو گئے تھے۔''

اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں حضرت ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''یہ لوگ خوارج تھے؛ جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی تھی کہ: یہ لوگ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔''❶

اس سے مراد وہ گنہگار اور کبیرہ گناہوں کے مرتکب افراد ہیں جو توحید پر مریں۔ اور وہ اہل بدعت ہیں جو اپنی بدعات کی وجہ سے اسلام سے خارج نہیں ہوئے۔ تو اس صورت میں ان اہل بدعت کے لیے جنہیں حوض سے دور ہٹایا جائے گا؛ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ لوگ جہنمی ہیں؛ بلکہ انہیں بطور عقوبت و سزا کے یہاں سے ہٹایا جائے گا؛ پھر اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائیں گے؛ اور انہیں بغیر عذاب کے جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔''❷

اور یہ بات بھی ممتنع نہیں ہے کہ جن لوگوں کو حوض سے دور ہٹایا جائے گا؛ وہ ان تمام سابقہ ذکر کردہ اصناف کا مجموعہ ہوں۔اس لیے کہ روایات میں ان تمام چیزوں کا احتمال ہے۔ اس لیے کہ بعض روایات میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میں کہوں گا: ''اصحابي؛ یا اصیحابي۔ تصغیر کے ساتھ۔ اور بعض روایات میں ہے: ''لوگوں کو میرے پاس پہنچنے سے قبل روک دیا جائے گا؛ تو میں کہوں گا: یارب! یہ لوگ مجھ سے ہیں اور میری امت ہیں۔''

اور بعض روایات میں ہے: ''میرے پاس کچھ لوگ آئیں گے؛ میں انہیں پہچانوں گا؛ اور وہ مجھے پہچانیں گے۔''

ان تمام روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ: حوض سے ہٹائے جانے والے لوگ صرف ایک گروہ ہی نہیں ہوں گے۔ اور حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے۔اس لیے کہ شریعت میں عقوبات گناہوں کے اعتبار سے ہوتی ہیں۔ تو کسی ایک گناہ میں وہ تمام لوگ جمع ہو سکتے ہیں جنہوں نے اس گناہ کا ارتکاب کیا ہو۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ایک گروہ؛ جن میں حضرت عمر اور عبداللہ بن عباس بھی شامل ہیں؛ ان سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا گیا ہے؛ [اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں]:

﴿اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ﴾۔ [الصافات ۲۲]

''انہیں جمع کرو جنہوں نے ظلم کیا اور ان کی بیویوں کو اور جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔''

فرماتے ہیں: ان کی مشابہت رکھنے والوں کو لایا جائے گا؛ زانی زانیوں کے ساتھ؛ سود خور سود خوروں کے ساتھ؛ اور شرابی شرابی کے ساتھ۔''❸

❶ مجمع البيان (۲/ ۳٦۰) نور الثقلين (۱/ ۲۸۳)

❷ النووی (۳/ ۱۳٦)

❸ تفسير ابن كثير (٤/ ۷)

اور جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں حوض سے ہٹائے جانے کا سبب بھی بیان کر دیا ہے؛ اور وہ سبب ہے: ان کا دین سے مرتد ہو جانا؛ جیسا کہ حدیث کے الفاظ ہیں کہ: ''وہ لوگ اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ گئے تھے۔''

یا پھر دین میں بدعات ایجاد کرنا ہے؛ جیسا کہ دوسری روایت میں ہے:

''آپ کو علم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا بدعات ایجاد کر لی تھیں۔''

تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ: حوض سے ہر مرتد کو روک لیا جائے۔ بھلے وہ نبی کریم ﷺ کا زمانہ پانے والا کوئی اعرابی ہو جو بعد میں مرتد ہو گیا ہو؛ یا پھر اس کے بعد مرتد ہونے والا کوئی شخص ہو۔ اور اس میں خواہشات نفس کے پجاری اہل بدعت بھی شریک ہوں گے۔ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وہ تمام لوگ جنہوں نے دین میں ایسی بدعات ایجاد کر لی ہیں؛ جن کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی؛ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوتے ہیں؛ وہ حوض سے بھگائے جائیں گے؛ دور ہٹا دیے جائیں گے۔ واللہ اعلم۔ ان سب سے زیادہ جن لوگوں کو دور ہٹایا جائے گا وہ مسلمانوں کی اجتماعیت کے مخالفت کرنے والے اور ان کی راہ ترک کرنے والے ہوں گے جیسے کہ خوارج؛ اور ان کے مختلف فرقے۔...... آگے چل کر فرمایا:

''یہ تمام وہ لوگ ہیں جو بدل جائیں گے۔ اور یہی حال ان ظالموں کا ہوگا جو ظلم میں حد سے زیادہ بڑھنے والے ہیں؛ اور ظلم سے مراد حق کو مٹانا اور اہل حق کو قتل کرنا؛ اور ان کو ذلیل کرنا ہے۔ اور وہ اعلانیہ گناہ کرنے والے جو کہ گناہوں کو بہت معمولی اور حقیر سمجھتے ہیں۔ اور تمام خواہشات کے پجاری ٹیڑھے میڑھے چلنے والے اہل بدعت؛ ان تمام کے بارے میں یہ خوف ہے کہ اس حدیث سے مراد یہی لوگ ہیں۔''[1]

جب یہ بات طے ہو گئے تو ان تمام بہتانوں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی برأت ثابت ہو گئی جو ان کے دشمن ان پر چسپاں کرتے ہیں۔ یعنی حوض سے دور کیے جانے کا سبب دین سے مرتد ہونا بھی ہو سکتا ہے اور دین میں بدعات ایجاد کرنا بھی۔ صحابہ ان تمام باتوں سے بہت زیادہ دور ہیں۔ بلکہ یہ حضرات ان مرتدین کے سب سے بڑے دشمن تھے؛ جنہوں نے ان کے خلاف جہاد کیا؛ اور نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد انتہائی سخت نازک حالات میں ان کے خلاف جنگیں لڑیں۔ جیسا کہ امام طبری نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے؛ وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ: ''عرب عمومی طور پر یا بعض قبائل کے خاص خاص لوگ مرتد ہو گئے تھے؛ نفاق پھیل گیا تھا۔ اور یہود ونصاریٰ اپنی سازشوں کے ذریعہ ان میں ایسے داخل ہو گئے تھے جیسے بارش والی رات میں بکری [ریوڑ میں گھس جاتی ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ وفات پا گئے تو مسلمان قلت میں تھے؛ اور ان کے دشمن بہت بڑی تعداد میں تھے۔''[2]

---

[1] التمهيد (٢٠/ ٢٦٢) التذكرة في أحوال الموتى و أمور الآخرة (١/ ٣٤٨)

[2] تاريخ الأمم و الملوك (٢/ ٢٤٥)

ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ اصحاب رسول اللہ ﷺ نے ان مرتدین کے ساتھ بہت سخت مقابلہ کرتے ہوئے انتہائی خطرناک اور خون ریز جنگیں لڑیں۔ جن میں اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح ونصرت سے ہمکنار کیا۔ اہل ردہ میں سے جن کے نصیب میں ہدایت تھی وہ دین اسلام کی طرف واپس لوٹ آئے۔ اور قتل ہونے والے حالت ارتداد میں قتل ہوگئے۔ اوران صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ہاتھوں پر اسلام کی عزت وقوت اور شوکت وہیبت بحال ہوئی۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء۔

## امامیہ علماء میں سے سعد القمی کہتا ہے:

''کچھ لوگ مرتد ہوگئے اور دین اسلام چھوڑ کر واپس چلے گئے۔ بنو حنیفہ نے مسیلمہ کذاب کی نبوت کی طرف دعوت دینا شروع کردی۔ اس نے نبی کریم ﷺ کی زندگی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید بن مغیرہ مخزومی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اس کی سرکوبی کے لیے مسلمانوں کا ایک لشکر جرار روانہ فرمایا۔ انہوں نے بہت سخت جنگ لڑی؛ قتل ہونے والے قتل ہوئے؛ اور کچھ لوگ واپس دین اسلام کی طرف پلٹ آئے۔ ان لوگوں کو اہل ردہ کا نام دیا گیا تھا۔''

## حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جب اہل عرب میں سے جن لوگوں نے مرتد ہونا تھا؛ مرتد ہوگئے تو میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لیے حاضر ہوا۔ اوران جنگوں میں اس وقت تک آپ کے ساتھ کھڑا رہا؛ حتی کہ باطل مٹ کر ختم ہوگیا؛ اور اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہی سربلند ہوا؛ اگرچہ کافروں کو یہ بات ناپسند ہی کیوں نہ ہو۔ یہ تمام امور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ہوئے۔ آپ آسانی پیدا کرنے والے؛ سیدھے چلنے والے اور قریب لانے والے میانہ رو تھے۔ میں ایک خیرخواہ کی حیثیت سے آپ کی صحبت میں رہا؛ اور ایک مجاہد کی طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے کاموں میں آپ کی اطاعت کرتا رہا۔''[2]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے یہ وہ عظیم الشان مواقف ہیں جو انہوں نے اہل ارتداد اور اہل بدعت کے متعلق اپنائے تھے۔ جو کہ ان کی سچی دینداری؛ ایمانی قوت اور دین میں آزمائش پر صبر؛ اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے دشمنوں کے ساتھ جہاد کے بہترین دلائل اور گواہیاں ہیں۔ حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ سے سنت کو قائم کیا؛ بدعت کی جڑیں کاٹ کر رکھ دیں۔ یہ ایسا معاملہ ہے جس سے ان لوگوں کا جھوٹ کھل کر واضح ہوتا ہے جو ان پر مرتد ہونے اور دین میں بدعات ایجاد کرنے کی تہمت لگاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ انہیں نبی کریم ﷺ کے حوض سے دور روک لیا جائے گا۔ بلکہ حقیقت میں یہی حضرات تمام لوگوں سے بڑھ کر نبی کریم ﷺ کے حوض سے پینے کے حق دار ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں آپ کے ساتھ بہترین صحبت اور ہمراہی پائی؛ اور آپ کی وفات کے بعد اس دین کو قائم کیا۔

[1] المقالات والفرق لسعد قمی ص(٤) [2] الغارات (١/ ٣٠٧) منار الهدى (٣٧٣) ناسخ التواريخ (٣/ ٥٣٢)

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان کہ: ''ان میں سے بہت تھوڑے لوگ ہی بچ پائیں گے جیسے بھٹکا ہوا اونٹ۔''

اسے حدیث سے چند صحابہ کے علاوہ باقی تمام حضرات کی تکفیر پر استدلال کرنے میں حقیقت میں ان کے حق میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس لیے کہ حدیث میں وارد ''منہم'' کی ضمیر کا مرجع وہ لوگ ہیں جو حوض کے قریب آئیں گے مگر پھر انہیں وہاں سے ہٹا دیا جائے گا۔ تو ان میں سے بہت تھوڑے لوگ ہی بچ پائیں گے۔ یہ تو سیاق حدیث سے ظاہر ہے؛ کیونکہ حدیث کی نص ان الفاظ میں ہے:

''اس اثنا میں کہ میں کھڑا ہوں گا تو ایک گروہ پر نظر پڑے گی، یہاں تک کہ جب میں ان کو پہچان لوں گا تو میرے اور ان کے درمیان سے ایک آدمی نکلے گا؛ وہ ان سے کہے گا کہ: چلو۔

میں کہوں گا: کہاں؟

وہ کہے گا کہ: دوزخ کی طرف۔

میں کہوں گا کہ: ''ان کا کیا حال ہے؟

وہ کہے گا کہ: ''آپ کے بعد یہ لوگ الٹے پاؤں پھر گئے تھے۔''

پھر ایک گروہ پر نظر پڑے گی یہاں تک کہ جب میں ان کو پہچان لوں گا تو ایک آدمی میرے اور ان کے درمیان سے نکلے گا وہ کہے گا کہ: چلو۔

میں کہوں گا: کہاں؟

وہ ان سے کہے گا کہ: ''دوزخ کی طرف۔''

اللہ کی قسم میں کہوں گا کہ: ''ان کا کیا حال ہے؟''

وہ کہے گا کہ یہ آپ کے بعد الٹے پاؤں پھر گئے تھے میں گمان کرتا ہوں ان میں سے صرف بغیر چرواہے کے اونٹ کے برابر کم نجات پائیں گے۔'' ❶

اس حدیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کوئی ذکر تک نہیں۔ بلکہ اس میں لوگوں کے ایک گروہ کا ذکر ہے جنہیں حوض سے دور ہٹا دیا جائے گا۔ پھر ان میں سے بہت کم ہی لوگ حوض تک پہنچ پائیں گے۔ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا کہ: ''میں گمان کرتا ہوں ان میں سے صرف بغیر چرواہے کے اونٹ کے برابر کم نجات پائیں گے'' اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حوض کے قریب آ چکے ہوں گے۔ اور بالکل قریب ہوگا کہ وہ حوض پر پہنچ جائیں مگر انہیں روک لیا جائے گا۔...... اور یہ فرمانا کہ وہ بہت کم لوگ ہی پہنچ پائیں گے؛ تو اس کی وجہ مناسبت یہ ہے کہ بغیر چرواہے کے اونٹ بہت کم ہوتے ہیں۔'' ❷

---

❶ البخاري (٦٥٨٧) فتح الباري (١١/ ٤٧٥)

❷ فتح الباري (١١/ ٤٧٥)

## آخری بات:

آخر میں ہم ایک بات کہتے ہیں: نواصب جو کہ اہل بیت رضی اللہ عنہم سے بغض رکھتے ہیں؛ اگر ان میں سے کوئی ایک یہ بات کہے کہ: بیشک جو لوگ مرتد ہوگئے تھے؛ اور جنہیں حوض سے دور کر دیا جائے گا؛ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما ہیں۔ تو تم شیعہ ان پر رد کیسے کروگے؟۔

یقینی بات ہے کہ یہی کہیں گے: اس سے مراد یہ حضرات نہیں ہیں؛ اس لیے کہ ان کے فضائل میں احادیث وارد ہوئی ہیں۔

ایسے ہی ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جناب ابوبکر وعمر اور عثمان اور ابوعبیدہ ان کے فضائل میں احادیث وارد ہوئی ہیں۔ پس پھر آپ کے پاس کیا حجت رہ جاتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تو ان سے خارج کردو اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کو ان میں داخل کردو؛ آخر اس کی بنیاد کیا ہے؟

پس خلاصہ کلام یہ ہے کہ: احادیث حوض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو شامل نہیں ہیں۔

# ۳۔جمعرات کی بدبختی

**شبہ: صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:**

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آیا تو گھر میں بہت سارے افراد موجود تھے' ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آؤ میں تمہارے لئے ایک وصیت لکھ دوں تا کہ تم گمراہ نہ ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:''اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت تکلیف ہے وصیت لکھنے کی ضرورت نہیں۔تمہارے پاس قرآن ہے اور ہمارے لئے کتاب اللہ ہی کافی ہے۔اس کے بعد گھر میں موجود لوگ جھگڑنے لگے کوئی کہتا تھا: ہاں لکھوالو اچھا ہے تم گمراہ نہ ہوں گے۔کوئی عمر رضی اللہ عنہ والی بات ہی کہتا۔کسی نے کچھ اور کہا۔اور باتیں بہت ہی زیادہ ہونے لگیں۔تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس سے چلے جاؤ۔''

عبیداللہ بن عبداللہ زہری سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے بعد افسوس سے کہا:''یہ کیسی مصیبت ہے کہ جو لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان اور آپ کی وصیت لکھوانے کے درمیان حائل کر دی۔''❶

صحیح مسلم کی روایت میں ہے: یہ جملہ کہنے والے کہ:

''اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت تکلیف ہے.....'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔❷

صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: آپ فرماتے ہیں:

''جمعرات کا دن؛ اور آہ! جمعرات کا دن بھی کیسا تھا؟[اور پھر اتنا روئے کہ ان کے آنسوں سے سنگریزے تک بھیگ گئے اور پھر کہنے لگے کہ جمعرات کے دن] رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں شدت ہوئی تو آپ نے فرمایا:'' لکھنے کے لیے کوئی چیز لاؤ کہ میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہی میں کبھی نہ پڑسکو گے۔پھر لوگوں نے اختلاف کیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اختلاف نہ کرنا چاہیے۔لوگ بولے کہ آپ ہمیں چھوڑ کر جا رہے ہیں ۔لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوبارہ پوچھو لوگوں نے پوچھنا شروع کر دیا ۔[اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگے]۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''مجھے چھوڑ دو میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم لوگ مجھے بلا رہے ہو۔'' اور آپ نے بوقت وفات تین وصیتیں کیں مشرکوں کو

❶ صحیح بخاری: ح (١٥٨٦) ❷ مسلم (١٦٣٧)

جزیرہ عرب سے نکال دینا قاصدوں کو اسی طرح انعام دینا جس طرح میں انعام دیا کرتا تھا اور تیسری وصیت میں خود بھول گیا۔''❶

معترضین کہتے ہیں: بلاشک وشبہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ اختلافِ کتابت ہی وہ چیز ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا؛ اور اس کے ساتھ ہی امت کو گمراہی سے عصمت سے محروم کر دیا۔ اور اس پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول سے استدلال کیا ہے: ''ہر قسم کی بدبختی اور مصیبت ہے جو لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان اور آپ کی وصیت لکھوانے کے درمیان حائل کر دی۔''...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق نصوص تحریر کروا دیں جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس میں آڑے آئے اور یہ کہا کہ آپ بخار کی وجہ سے بول رہے ہیں اور پھر کہا تمہارے پاس قرآن موجود ہے اور ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے۔

اہل سنت والجماعت اس کی علت یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ ارشاد فرمایا؛ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور شفقت کی وجہ سے تھا۔ ورنہ اسی بات کی امید کسی عام آدمی سے نہیں کی جاتی، چہ جائیکہ کسی عالم سے اس قسم کی بات صادر ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کی اکثریت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہمنوا تھی۔ (کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدت مرض کی وجہ سے تو نہیں بول رہے؟) یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس تحریر کے مسئلہ کو زیادہ سنجیدگی سے نہ لیا۔ اس لیے کہ آپ جان گئے تھے کہ ایسی تحریر کی آپ کی موت کے بعد بھی اتباع نہیں کی جائے گی۔ اس حادثہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حد سے تجاوز کر گئے؛ آوازیں بلند ہوئیں؛ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہکی باتیں کرنے اور ہذیان گوئی کی تہمت لگائی گئی۔

## جواب:

ردّ: صحابہ کرام کا اختلاف ثابت شدہ ہے اور اختلاف کی وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا فہم اور سمجھ تھی اور مراد تھی، نہ کہ آپ کی نافرمانی مقصود تھی۔ امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس کے سبب سے ان تمام باتوں کو جائز اجتہاد پر محمول کیا جائے گا جس میں ان کا ارادہ اور مقصد نیک تھا۔ اور پھر یا تو ہر مجتہد حق تک پہنچ رکھتا ہے یا کوئی ایک حق تک رسائی حاصل کر پاتا ہے۔ جبکہ دوسرے پر بھی کوئی گناہ نہیں ہوتا، بلکہ اسے اجر ملتا ہے۔ جیسا کہ ہم اس کا ذکر اصول میں بھی کر چکے ہیں۔''❷

پھر آپ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم پر کوئی سختی نہیں کی اور نہ ہی کسی کو ملامت کیا، بلکہ آپ نے سب سے یہی بات کہی:

''مجھے چھوڑ دو، جس حال میں میں ہوں، وہ بہتر ہے۔''

---

❶ صحیح بخاری: ح (۳۰۶)

❷ المفهم: (٤/ ٥٥٩)

اسی طرح کا ایک واقعہ خندق کے موقع پر بھی پیش آیا تھا، جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

''تم میں سے کوئی بھی نماز نہ پڑھے، مگر بنو قریظہ پہنچ کر۔''❶

پس جب کچھ لوگوں کو نماز کا وقت نکل جانے کا خوف ہوا تو انہوں نے بنو قریظہ پہنچنے سے قبل نماز پڑھ لی اور باقی لوگ کہنے لگے: ہم وہیں پر نماز پڑھیں گے جہاں کا حکم ہمیں رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے کسی ایک فریق پر کوئی بات یا جرح نہیں کی۔''❷

ان لوگوں کا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول سے استدلال کرنا کہ ''ہر قسم کی بدبختی اس انسان کے لیے ہے جو رسول اللہ ﷺ کی اس تحریر کے لکھے جانے میں رکاوٹ بنا'' اس میں ان لوگوں کے حق میں کوئی دلیل نہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ رکاوٹ بننے والا بدبختی اور نحوست ہو۔ یہ بدبختی اس انسان کے حق میں ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں شک کرے اور اس پر یہ معاملہ مشتبہ ہو جائے کیونکہ اس سلسلہ میں اگر کوئی تحریر موجود ہوتی تو شک ختم ہو جاتا اور جس کو یہ علم ہو کہ آپ کی خلافت برحق تھی تو اس کے حق میں کوئی بدبختی نہیں۔ وللہ الحمد۔''❸

اس کی مزید وضاحت اس امر سے ہوتی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ کلمات اس وقت ارشاد فرمائے جب اہل بدعت خوارج وغیرہ کا ظہور ہوا۔ مزید برآں یہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول آپ کا اجتہاد ہے۔ جو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول اور اجتہاد سے معارض ہے۔ جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو صحابہ کی ایک جماعت کی تائید حاصل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بڑے فقیہ اور مجتہد تھے یہ بات قطعی ہے۔''❹

جیسا کہ حدیث میں آتا ہے: ''اہل بیت کا آپس میں اختلاف اور جھگڑا ہو گیا بعض کہتے تھے کہ آپ کو کاغذ لا کر دو، تاکہ آپ تحریر لکھ دیں اور لوگ آپ ﷺ کے بعد گمراہ نہ ہوں اور کچھ دوسری باتیں کہتے۔

اور اس کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے پھر اپنا ارادہ ترک کر دیا اور کوئی عہد یا تحریر نہیں لکھی۔ اگر آپ ﷺ یہ ارادہ فرماتے کہ لازمی وہ تحریر لکھی جائے تو کوئی بھی آپ کو روک نہیں سکتا تھا اور یہ ثابت ہے کہ آپ اس کے بعد بھی کچھ دن حیات رہے۔ مگر آپ نے کوئی چیز تحریر نہیں فرمائی۔

رہ گیا یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں عہد لکھنا چاہتے تھے، تو یہ اعتراض کئی وجوہات کی بنا پر مردود ہے امامیہ کہتے ہیں کہ:

---

❶ البخاري: (٩٤٦) مسلم: (١٧٧٠) ❷ المفهم: (٤/ ٥٥٩)
❸ منهاج السنة: (٦/ ٢٥)
❹ فتح الباري: (٨/ ١٣٨)

''رسول اللہ ﷺ اس تحریر کے واقعہ سے پہلے واضح نصوص کی روشنی میں اللہ کے حکم سے حضرت علی کو خلیفہ مقرر کر چکے تھے۔ ایک بڑے نامور عالم شیخ مفید نے اس عقیدہ پر امامیہ کا اجماع نقل کیا ہے وہ کہتا ہے:

''تمام امامیہ کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی زندگی حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر فرما چکے تھے اور اپنی نصوص میں آپ کو اپنے بعد امام متعین کر گئے تھے اور جو اس کا انکار کرتا ہے، وہ ایک دینی فرض کا انکار کرتا ہے۔'' ❶

یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جس کسی کو یہ وہم ہو کہ یہ تحریر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے متعلق تھی تو اس کے گمراہ ہونے پر تمام شیعہ اور اہل سنت علماء کا اتفاق ہے۔ اور اہل سنت والجماعت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تفضیل و تقدیم پر یک زبان ہیں۔ جب کہ شیعہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ امامت کے مستحق تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

''رسول اللہ ﷺ سے واضح جلی اور معروف نصوص کی روشنی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت ثابت ہے۔ تو پھر اس صورت میں کسی تحریر کی ضرورت ہی نہ تھی۔'' ❷

اگر (زندگی کے اس آخری مرحلہ میں) نبی کریم ﷺ کی اس تحریر سے مراد و مطلوب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی نصوص تھیں، تو اس سے ثابت ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اس سے قبل کوئی نص نہ تھی۔ کیونکہ دو مرتبہ ایک ہی مسئلہ میں نصوص کا ورود کوئی معنی نہیں رکھتا اور مسلمانوں کے ہاں یہ ثابت ہے کہ جناب رسول کرم ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ نے کوئی وصیت تحریر نہیں فرمائی تھی۔ اس سے وصیت کا دعویٰ سرے سے باطل ٹھہرا۔

جب یہ اصول طے پا گیا تو یہ جان لینا چاہیے کہ علماء کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ اس کتاب (تحریر) سے رسول اللہ ﷺ کی مراد کیا تھی؟ بعض علماء کی رائے ہے کہ رسول اللہ ﷺ بعض احکام کے متعلق نصوص تحریر کروانا چاہتے تھے، تا کہ ان میں اختلاف ختم ہو جائے۔'' ❸

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس تحریر سے رسول اللہ ﷺ کی مراد ایسا عہد نامہ تھا جس کی طرف فتنوں کے اوقات میں رجوع کیا جائے۔'' ❹

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ ملکی نظام کی تدبیر کی کیفیت تحریر کروانا چاہتے تھے، یعنی مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا جائے اور وفود کو انعام و اکرام سے نوازا جائے جیسا کہ آپ خود کیا کرتے تھے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو تیار کیا جائے۔'' ❺

---

❶ اوائل المقالات: (٤٤)

❷ منهاج السنة: (٦/ ٢٥)

❸ شرح صحيح مسلم للنووي: (١١/ ٩٠) فتح الباري: (١/ ٢٠٩)

❹ المفهم (٤/ ٥٥٨)

❺ مختصر التحفة الاثنى عشرية: (٢٥١)

اکثر محقق علماء کا کہنا ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا حکم لکھوانا چاہتے تھے، پھر آپ نے تقدیر الٰہی پر اعتماد کرتے ہوئے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ ❶

یہ بات کہنے والے علماء نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول سے استدلال کیا ہے، آپ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اپنے بھائی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو میرے پاس بلا لاؤ تا کہ میں ان کے حق میں ایک نوشتہ تحریر کر دوں۔ مجھے اندیشہ لگ رہا ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرنے لگ جائے، یا کوئی کہنے والا یہ بات کہے کہ میں ان سے زیادہ حق دار ہوں۔ اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان ابوبکر کے علاوہ سب کا انکار کرتے ہیں۔'' ❷

یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے کہ آپ نے فرمایا ہو کہ آپ ہذیان بول رہے ہیں۔ یہ بات حاضرین میں سے کسی ایک نے کہی ہے۔ صحیحین میں وارد روایات میں کسی ایک کا بھی تعین نہیں ہے۔ بلکہ وہاں پر ثابت یہ کہنا ہے کہ "قالوا: ما شانه، أهجر." یوں یہ الفاظ جمع کے صیغہ کے ساتھ ہیں مفرد کے ساتھ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے انکار کیا ہے کہ یہ الفاظ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نہیں ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مجھے یہ بات ظاہر معلوم ہوتی ہے کہ یہ الفاظ کہنے والا کوئی نیا مسلمان تھا اور یہ بات طبعی طور پر معلوم تھی کہ تکلیف کی شدت سے ایسا ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے آپ بھی اپنی مراد کی بات تحریر نہ کروا سکے۔'' ❸

اور پھر اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا [معروف صحابہ میں سے کسی ایک] نے یہ الفاظ کہے ہیں تو ان میں طعن والی کوئی بات نہیں۔ اس کی کئی ایک وجوہات ہیں:

پہلی وجہ:...... جو صحیح اور ثابت امر ہے وہ یہ کہ الفاظ سوالیہ انداز میں وارد ہوئے ہیں "أهجر" کے لفظ ہیں۔ یہ ان روایات کے خلاف ہیں جن میں "هجر" یا "يهجر" کے الفاظ ہیں جو کہ تنقید نگاروں نے اپنا کل اثاثہ سمجھ کر پکڑے ہوئے ہیں۔ یہ الفاظ محقق محدثین کے ہاں مرجوح ہیں۔'' ❹

اور انہوں نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ یہ سوالیہ الفاظ اس شخص پر انکار ہیں جو کہتا تھا کہ نہ لکھو۔'' ❺

دوسری وجہ:...... بطور فرض اگر بغیر سوال کے ''ہجر'' کے الفاظ والی روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے، تو اس میں بھی طعنہ والی کوئی بات نہیں۔ اس لیے کہ لغت میں ہجر دو معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ پہلا معنی وہ ہے جس کے انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ پیش آنے میں کوئی نزاع اور اختلاف نہیں۔ اور یہ بیماری کے غلبہ، آواز میں کمزوری، خشکی کی زیادتی اور

❶ النووي: (١١/ ٩٠) المفهم: (٤/ ٥٥٨) منهاج السنة: (٦/ ٢٣٧) الصارم الحديد (٢/ ٤٨) الشفاء: (٢/ ٨٩٠)
❷ مسلم: (٢٣٨٧) بخاري: (٧٢١٧)
❸ فتح الباري: (٨/ ١٣٣)
❹ الشفا: (٢/ ٨٨٦) المفهم: (٤/ ٥٥٩) مسلم: (١١/ ٩٣) فتح: (٨/ ١٣٣)
❺ المفهم: (٤/ ٥٥٩)

گرمی کی وجہ سے ہو جاتا ہے۔ جب کہ دوسری قسم غیر منتظم کلام کا جاری ہونا، یا مقصود کے خلاف زبان پر کسی بات کا آنا، یہ سب کچھ اکثر طور پر بہت زیادہ گرمی یا شدت تکلیف کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس قسم کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ عارضہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ پیش آ سکتا ہے یا نہیں۔ یہاں پر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کہنے والے کی مراد پہلی قسم ہو۔ یعنی آپ کی آواز کی کمزوری کی وجہ سے سمجھ نہیں سکا۔ اس کی تائید اسی حدیث میں وارد بعد والے جملہ سے ہوتی ہے، جس میں کہا ہے: "استفهموه" آپ کی بات سمجھنے کی کوشش کرو۔"❶

تیسری وجہ:...... ممکن ہے کہ کہنے والے سے یہ الفاظ خوف اور حیرت کی وجہ سے صادر ہوئے ہوں جو کہ اس بہت ہی تکلیف دہ اور خطرناک صورت حال کی وجہ سے ممکن ہے۔ کیونکہ یہ تو بہت بڑی مصیبت تھی۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور کچھ دیگر صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے وقت اس قسم کی مصیبت کا شکار ہو گئے تھے۔❷

چوتھی وجہ:...... یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کبار صحابہ کی موجودگی میں صادر ہوئے، مگر کسی ایک نے ان کے قائل پر تنقید نہیں کی اور نہ ہی اسے گنہگار کہا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ جملے کہنے والا ہر حال میں معذور ہے۔

یہ دعویٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سے یہ کہہ کر اختلاف کیا تھا کہ "تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب موجود ہے اور کتاب اللہ ہمارے لیے کافی ہے۔"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو تحریر لکھوانے کا ارادہ تھا، اس میں آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہ مانی۔

پہلی بات: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور آپ کے ہم خیال لوگ یہ سوچتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نوشتہ تحریر کرنے کا حکم واجب نہیں ہے، جس کی تعمیل ضروری ہو۔ اس میں صرف زیادہ مناسب بات کی طرف راہنمائی ہے۔"❸

اگر یہ حکم واجب التعمیل ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے اختلاف کی وجہ سے نہ چھوڑتے۔ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کی درستگی اور صحت ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفین کی مخالفت کی وجہ سے دعوت و تبلیغ ترک نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقات وحی میں شمار کیا جاتا ہے۔"❹

دوسری بات:...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان کہ: "ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی کتاب کافی ہے: یہ ان لوگوں پر رد ہے جو اس مسئلہ میں نزاع کا شکار تھے نہ کہ حکم نبی پر۔ یہ اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"تمہارے پاس کتاب اللہ موجود ہے۔ اس لیے کہ اس میں مخاطبین کی ایک جماعت شامل ہے، جو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اختلاف رکھتے تھے۔

❶ مختصر التحفة الاثنى عشرية: (۲۵۰)
❷ المفهم: (٤/ ٥٦٠)
❸ الشفاء: (۲/ ۸۸۷) المفهم: (۲/ ٥٥٩) النووي: (۱۱/ ۹۱) الفتح: (۱/ ۲۰۹)
❹ فتح الباري: (۱/ ۲۰۹)

تیسری بات:...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ اس وقت عہد نامہ تحریر نہ کرنا زیادہ بہتر اور اولی ہے۔ اس لیے کہ آپ کے نزدیک یہ بات طے شدہ تھی کہ یہ حکم نبوت وجوب پر دلالت نہیں کرتا۔ یہ ایک راجح شرعی مصلحت کی وجہ سے تھا، علماء کے اس کی توجیہ میں کئی اقوال ہیں:

(۱) پہلا قول: رسول اللہ ﷺ کے بارے میں آپ کی شفقت و محبت کہ اس تحریر کے لکھوانے میں آپ ﷺ کو تکلیف نہ ہو اور اس کی شہادت اس جملہ سے ملتی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

''رسول اللہ ﷺ پر درد کا غلبہ ہو گیا ہے، تو آپ کو یہ بات ناگوار گزری کہ رسول اللہ ﷺ کو ایسے تکلف میں ڈالا جائے جو آپ پر گراں اور پر مشقت ہو۔''[1]

اور آپ کے ذہن میں اللہ تعالیٰ یہ فرمان بھی گردش کر رہا تھا کہ:

﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ﴾ (الانعام: ۳۸)

''ہم نے کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں چھوڑی، پھر وہ اپنے رب کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے۔''

اور یہ فرمان الٰہی کہ:

﴿وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (النحل: ۸۹)

''اور ہم نے تجھ پر یہ کتاب نازل کی، اس حال میں کہ ہر چیز کا واضح بیان ہے۔''

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کو ڈر اور اندیشہ لگ رہا تھا کہ کہیں منافقین باتیں بناتے نہ پھریں اور مریض دل والے بھی یہ بات نہ کہیں کہ نہ جانے خلوت اور تنہائی میں کیا نوشتہ تحریر کروایا اور پھر اس بارے میں طرح طرح کی باتیں بناتے نہ پھریں۔''[2]

اور یہ بات بھی کوئی دور نہیں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تمام امور ملاحظہ کر لیے ہوں۔ یا پھر آپ کے اجتہاد کی دیگر وجوہات ہوں جن کی اطلاع علماء کو نہیں ہو سکی۔ جیسا کہ اس سے قبل یہ وجوہ اختلاف رکھنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر مخفی تھیں اور رسول اللہ ﷺ نے ترک کتابت پر آپ کی موافقت فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کرام اس مسئلہ کو آپ کی فقہ اور دقت نظر کے مسائل میں سے شمار کرتے ہیں۔

چوتھی وجہ:...... اس تحریر لکھوانے کے مسئلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے موقف میں مجتہد تھے اور دین میں اجتہاد کرنے والے کا عذر ہر حال میں مقبول ہوتا ہے۔ بلکہ اسے اس پر اجر ملتا ہے۔ حدیث نبوی میں ہے:

''جب کہ حاکم فیصلہ کرتا ہے، اور درست اجتہاد کرتا ہے تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے اور جب فیصلہ میں اجتہاد کرتا ہے اور خطا کر جاتا ہے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔''[3]

---

[1] الشفا: (۲/ ۸۸۸) شرح النووی: (۱۱/ ۹۰) فتح الباری: (۱/ ۲۰۹)
[2] الشفاء: (۲/ ۸۸۹) النووی: (۲/ ۹۲) [3] البخاری: (۷۳۵۲) مسلم: (۱۷۱۶)

اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کے بارے میں کیسے کوئی بات کہی جا سکتی ہے، جبکہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں اجتہاد کیا، مگر آپ ﷺ نے انہیں گنہگار نہیں کہا اور نہ ہی مذمت کی، بلکہ آپ کی موافقت کرتے ہوئے، تحریر لکھوانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

یہ کہنا درست ہے کہ لوگوں کی غالب اکثریت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے پر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مسئلہ کو زیادہ سنجیدگی سے نہ لیا۔ اس لیے کہ آپ جان چکے تھے کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد اب آپ کی بات نہیں مانی جائے گی۔

رسول اللہ ﷺ کو تبلیغ رسالت کا حکم ہے خواہ لوگ آپ کی بات مانیں یا نہ مانیں۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ﴾ (الشورىٰ: ٤٨)

''پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا، آپ کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے۔''

اور ارشاد ربانی ہے:

﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ الْمُبِينُ﴾ (النحل: ٨٢)

''پھر اگر وہ پھر جائیں تو تیرے ذمے تو صرف واضح پیغام پہنچا دینا ہے۔''

اور اگر رسول اللہ ﷺ اس تحریر کے لکھنے کا حکم دیئے گئے ہوتے، تو آپ کبھی بھی صحابہ کے نہ ماننے کی وجہ سے حکم عدولی نہ کرتے۔ جیسا کہ آپ نے ابتدائی مرحلہ میں لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے دعوت ترک نہیں کی تھی، حالانکہ اس وقت قوم سے مقابلہ بہت سخت تھا اور وہ لوگ آپ ﷺ کو بہت سخت اذیت بھی دیا کرتے تھے۔ آپ نے ہر حال میں تبلیغ رسالت کا فریضہ ادا کیا اور کوئی تکلیف یا پریشانی آپ ﷺ کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکی۔ حتیٰ کہ ہلاک ہونے والے واضح دلائل کی موجودگی میں ہلاک ہوئے اور زندہ رہنے والے دلیل و برہان کی روشنی میں حیات درخشاں پا گئے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ یہ تحریر لکھوانا آپ پر واجب نہیں تھا، ورنہ آپ کبھی بھی اسے ترک نہ کرتے۔''[1]

[1] منهاج السنة: (٦/ ٣١٥) فتح الباري، (١/ ٢٠٩)

# ۴۔ سریہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما

شبہات کا مارا انسان کہتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی وفات سے دو دن قبل غزوہ روم کے لیے ایک لشکر تیار کیا، جس پر سالار حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو مقرر فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ اس لشکر میں مہاجرین و انصار کے بڑے بڑے نامور صحابہ موجود تھے، جیسا کہ حضرت ابوبکر، عمر اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے علاوہ دیگر مشہور کبار صحابہ بھی تھے۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنانے پر اعتراض کیا، اور کہنے لگے: ہم پر کیسے ایسے نوجوان کو امیر بنایا جا سکتا ہے جس کی داڑھی کے بال بھی ابھی نہیں آئے۔ اس سے پہلے یہ لوگ ان کے والد حضرت زید رضی اللہ عنہ کو امیر بنانے پر بھی تنقید کر چکے تھے۔ الغرض اس سلسلہ میں بڑی لمبی گفتگو اور لے دے ہوئی۔ حتیٰ کہ جب رسول اللہ ﷺ ان کی طعنہ زنی اور جرح سنی تو بہت سخت غصہ ہوئے۔ پھر آپ درد سر اور بخار کی وجہ سے سر پر پٹی باندھے ہوئے باہر تشریف لائے۔ آپ دو آدمیوں کا سہارا لے کر آ رہے تھے اور آپ کی ٹانگیں زمین پر بڑی مشکل سے گھسٹ رہی تھیں۔ اس لیے کہ آپ پر بہت زیادہ کمزوری کا غلبہ ہو گیا تھا۔ آپ منبر پر تشریف لے گئے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا:

> ''اے لوگو! اسامہ کو امیر بنانے کے بارے میں تمہارے بعض افراد کی شکایات مجھ تک پہنچی ہیں۔ اگر تم میرے اسامہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنانے پر طعنہ زنی کر رہے ہو تو یقیناً اس سے قبل جب میں نے اس کے والد کو امیر بنایا تھا، اس پر بھی تم نے طعنہ زنی کی تھی۔''

ہاں اللہ کی قسم! وہ اس چیز کا حق دار تھا اور اس کے بعد اس کا بیٹا اس کا حق دار اور اس قابل ہے۔ کہتے ہیں: اگر ہم اس مسئلہ کی گہرائی میں جائیں تو دیکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس لشکر کے اہم ترین اور نمایاں عناصر میں سے تھے۔ اس لیے کہ آپ ہی رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد خلیفہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو اس منصب سے معزول کرنے کا مطالبہ کیا کہ ان کی جگہ کسی دوسرے کو لایا جائے۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابن الخطاب! تیری ماں تجھ پر روئے کیا تم مجھ سے اس آدمی کے معزول کرنے کا مطالبہ کر رہے ہو جسے خود رسول اللہ ﷺ نے متعین کیا ہے۔''

## اس شبہ پر علماء کرام کا رد:

اس سارے قصہ میں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مرض الموت میں صحابہ کرام کو بلاد شام میں

تخوم البلقاء نامی علاقے کی طرف کوچ کرنے اور اہل موتہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ وہاں پر حضرت زید بن حارثہ، حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے تھے۔ جو کہ مشہور غزوہ موتہ کے لشکر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امراء تھے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق تیار ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید کو ان پر امیر بنا دیا۔ حضرت اسامہ بن زید کی امارت کے متعلق لوگوں نے چہ میگوئیاں کیں۔ ان حضرات میں سے ایک حضرت عیاش بن ابو ربیعہ بھی تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی بات ردّ کر دی اور اس معاملہ کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی۔"[1]

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا:

"اگر تم اس کی امارت پر نکتہ چینی کرتے ہو، تو اس سے قبل تم اس کے والد کی امارت پر بھی نکتہ چینی کر چکے ہو۔ ہاں اللہ کی قسم! وہ اس امارت کے قابل تھا اور تمام لوگوں سے بڑھ کر مجھے محبوب تھا اور اب اس کے بعد یہ مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہے۔"[2]

پس یہ بات تو ظاہر ہے کہ حضرت اسامہ کی امارت پر نکتہ چینی کرنے والے حضرات صحابہ میں سے بعض افراد تھے۔ تمام صحابہ نہیں تھے اور وہ بھی اپنے نقطہ نظر میں مجتہدین تھے۔ انہیں یہ خدشہ تھا کہ کہیں کم عمری کی وجہ سے اس امارت میں کمزوری نہ دکھائیں مگر اس کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی باتیں رد کرتے ہوئے اس معاملہ کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بتایا کہ آپ امارت کے قابل اور اہل ہیں۔ اس کے بعد پھر کسی ایک نے بھی اس مسئلہ پر لب کشائی نہیں کی۔ تو پھر ایسے مسئلہ میں جس میں بعض صحابہ کی رائے کو خود دوسرے صحابہ بھی ردّ کر رہے ہوں تو اس میں ان پر اعتراض اور ملامت والی کون سی بات ہے۔ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان لوگوں کو سمجھا کر منع کیا تو پھر کوئی انسان ایک حرف بھی اپنی زبان پر نہیں لایا۔

یہ کہنا کہ صحابہ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلنے میں دیر کر دی، حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ صحابہ کرام نے جلد ہی سے جنگی تیاریاں کیں اور تمام انتظامات مکمل کر لیے۔ ابن اسحٰق سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کا لشکر شام کی طرف روانہ کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ فلسطین کے علاقہ بلقاء اور داروم پر حملہ کریں۔ پس لوگ تیار ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کافی تعداد میں مہاجرین اولین رضی اللہ عنہم کو مبعوث فرمایا۔"[3]

اور ابن سعد رحمہ اللہ نے الطبقات میں ذکر کیا ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے جرف میں پڑاؤ ڈالا۔ مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کے سرکردہ لوگوں میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں بچا جس نے اس لشکر میں شرکت نہ کی ہو۔"[4]

[1] تاریخ الطبری: (۳/ ۱۸٤) فتح الباری: (۸/ ۱۵۲)
[2] البخاری: (٤٤٦۹) مسلم: (۲٤۲٦)
[3] سیرة ابن هشام: (٤/ ١٤٩٩) تاریخ الطبری: (۳/ ۱۸٤)
[4] الطبقات الکبری لابن سعد: (۲/ ۱۹۰)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانگی کے لیے تیار ہو چکے تھے۔ آپ ان کو لے کر نکلے اور جرف میں پڑاؤ ڈالا تاکہ وہاں سے فوری روانگی کے لیے مستعد رہیں لیکن ایسے ہوا کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی تکلیف بہت بڑھ گئی۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ آپ کے پاس عیادت کے لیے تشریف لائے اور عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ! آپ بہت کمزور ہو چکے ہیں اور میں اللہ تعالیٰ سے آپ کی صحت یابی کی امید کرتا ہوں۔ آپ مجھے یہاں پر اس وقت تک رکنے کی اجازت مرحمت فرمائیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شفایات کر دیں۔ اگر میں اس حالت میں نکلا کہ آپ کی بیماری کا یہ حال ہے تو میرا دل آپ کی وجہ سے پریشان رہے گا اور مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ میں لوگوں سے آپ کی خبر دریافت کرتا رہوں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے۔'' ❶

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس تاخیر کی اجازت طلب کی تھی تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی صحت کے متعلق مطمئن ہو جائیں اور رسول اللہ ﷺ نے آپ کو اس کی اجازت دے دی تھی۔ اور اگر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ روانگی کا ارادہ فرماتے تو آپ کی امارت میں موجود لوگوں میں سے کوئی ایک بھی پیچھے نہ رہتا۔ یہ اس سارے واقعہ کی حقیقی صورت حال ہے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا تاخیر کرنا بھی نبی اکرم ﷺ سے اس کی اجازت ملنے کے بعد کا معاملہ ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کے جہاد کی تیاری کے حکم اور آپ ﷺ کی وفات کے درمیان کل سولہ دن کا فاصلہ ہے اور یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ لشکر کی تیاری کے لیے یہ مدت کوئی زیادہ لمبی نہیں ہے۔ اس سے ان لوگوں کے دعویٰ کا بطلان ثابت ہوتا ہے جو حضرات صحابہ کرام پر جہاد سے گراں باری یا سستی کا الزام لگاتے ہیں۔ بلکہ یہ الٹا اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اتباع حکم نبوت میں جلدی کی اور اتنا بڑا لشکر جس کی تعداد تین ہزار تھی صرف چند دن میں تیار ہو گیا۔'' ❷

اور صرف تین دن کے وقت میں ہر قسم کی جنگی تیاری اور ساز و سامان مکمل کر لیا حالانکہ اس وقت یہ لوگ فقر و فاقہ کے ایام سے گزر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے جہاد اور دین اسلام پر آزمائش میں صبر کا بہترین بدلہ دے جو کہ وہ محسنین کو عطا کرتا ہے، آمین۔

یہ بات ثابت نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو لشکر میں شامل کیا تھا۔ بلکہ ان کے علاوہ بھی کسی کو متعین طور پر اس کا حکم نہیں دیا۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ عادت مبارکہ نہیں تھی کہ غزوہ یا سریہ میں نکلنے کے لیے لوگوں کے نام لے کر انہیں متعین کرتے۔ بلکہ آپ تمام لوگوں کو عمومی طور پر ترغیب دیا کرتے تھے۔ پھر جب آپ کے پاس اتنے لوگ جمع ہو جاتے جن سے مقصد پورا ہو سکتا ہو، تو آپ ان میں سے کسی ایک کو ان پر امیر مقرر فرماتے۔ پس اس لشکر میں بڑے بڑے مہاجرین و انصار صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین شامل ہو گئے تھے۔ ان میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ مورخین نے یہ بات انتہائی وضاحت و صراحت کے ساتھ تحریر کی ہے۔''

❶ منهاج السنة: (٥/ ٤٨٨) ❷ المغازی للواقدی: (٣/ ١١٢٢) فتح الباری: (٨/ ١٥٢)
❸ المغازی للواقدی: (٣/ ١١١٨) الطبقات الکبری: (٢/ ١٩٠) تاریخ الطبری: (٣/ ٢٢٦) البدایة و النهایة: (٦/ ٣٠٨)

اور یہ بھی ثابت ہے کہ جو لوگ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کیساتھ جرف میں تھے وہ نبی کریم ﷺ کی شدت مرض کا سن کر مدینہ لوٹ آئے تھے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام اس وقت تک جیش اسامہ میں مکتوب رہا۔ حتیٰ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بن گئے اور آپ نے لشکر کو روانگی کا حکم دیا، اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ سے یہ کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں قیام کی اجازت دیجائے، کیونکہ انہیں انکی بہت سخت ضرورت ہے۔ تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اجازت دیدی۔'' ❶

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی لشکر اسامہ میں شمولیت آپ کی ذاتی رغبت اور اختیار سے تھی اور لشکر سے آپ کی علیحدگی خلیفہ کی طلب اور امیر لشکر کی اجازت سے تھی۔ اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ملامت کی کون سی بات ہے۔ جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق مورخین کے ہاں صحیح قول یہ ہے کہ آپ سرے سے اس لشکر میں شامل نہیں تھے۔ انہوں نے جیش اسامہ رضی اللہ عنہ میں شریک کبار صحابہ کے نام گنوائے ہیں۔ ان میں کہیں بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام نہیں آتا۔ ❷

بلکہ آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی جگہ نمازوں میں لوگوں کی امامت کراتے تھے۔ بیماری کے پہلے دن سے رسول اللہ ﷺ کی وفات تک یہی سلسلہ جاری رہا اور حضرت اسامہ کے لشکر کا پرچم رسول اللہ ﷺ کی بیماری سے قبل باندھ دیا گیا تھا۔ پھر جب آپ بیمار ہوئے تو آپ نے فرمایا: ابوبکر سے کہو لوگوں کو نماز پڑھائے۔ تو آپ رسول اللہ ﷺ کی وفات تک لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے۔

اگر یہ بات مان لی جائے کہ بیماری سے قبل آپ کو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ساتھ روانہ کر دیا گیا تھا، تو پھر بھی ایام مرض میں آپ کو امامت کروانے کا حکم دینا، جبکہ دوسری طرف آپ نے لشکر اسامہ کو روانہ ہونے کا حکم دے دیا تھا تو بعد والے حکم سے آپ سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت منسوخ ہوگئی۔ پھر جب کہ حضرت اسامہ کو آپ پر امیر بنایا ہی نہیں گیا تو ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔'' ❸

یہ کہنا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ معارض عناصر میں سے نمایاں شخصیت تھے اور آپ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور آپ سے مطالبہ کیا کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ دوسرا آدمی لایا جائے۔

حقیقت میں وہاں پر معارضہ کی کوئی بات ہی نہیں تھی کہ کوئی اس کا نمایاں یا غیر نمایاں عنصر ہوتا۔ اس میں اصل اعتبار روایت کی صحت نقل کا ہے۔ جب کہ اس بابت کوئی ایک بھی صحیح روایت موجود ہی نہیں اور یہ کہنا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو معزول کیا جائے تو یہ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے نہیں تھی، بلکہ بعض دوسرے صحابہ بھی اس رائے میں شریک تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی، تو بہت سارے عرب قبائل مرتد ہو گئے تھے اور نفاق پر و پرزے نکالنے لگا اور دشمنان ہر طرف سے مسلمانوں کے خلاف کمین گاہیں بنا کر بیٹھ گئے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں اکثر بڑے بڑے اور بہترین صحابہ موجود تھے۔ تو بعض کبار

---

❶ تاریخ الطبری: (۸/ ۲۲۶) الطبقات الکبری: (۲/ ۱۹۱) البدایة و النهایة، (۶/ ۳۰۹) منهاج السنة: (۵/ ۱۵۲)

❷ المغازی: (۳/ ۱۱۱۸) الطبری: (۳/ ۲۲۶) سیر اعلام النبلاء: (۲/ ۴۹۷) الطبقات الکبری: (۲/ ۱۹۰) فتح الباری: (۸/ ۱۵۲) البدایة و النهایة: (۶/ ۳۰۸) ❸ البدایة و النهایة: (۴/ ۲۷۶)

صحابہ رضی اللہ عنہم اندیشہ محسوس کر رہے تھے کہ جب یہ لشکر نکلے گا تو کہیں دشمنان مدینہ کا گھیراؤ نہ کرلیں۔ یہاں پر خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امہات المومنین رضی اللہ عنہن خواتین اور بچے موجود تھے۔ لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ لشکر اسامہ کی روانگی کو اس وقت کے لیے موخر کیا جائے، یہاں تک کہ حالات سازگار ہو جائیں اور مرتدین کے ساتھ جنگوں سے فراغت مل جائے۔ جب آپ نے کسی کی بات نہ مانی تو بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ حضرت اسامہ کی جگہ کسی بڑے آدمی کو لشکر کا امیر بنایا جائے جو کہ جنگی مہارت رکھتا ہو، تا کہ جن سخت حلالات سے گزر ہو رہا ہے اس میں لشکر کی حفاظت کو یقینی بنایا جائے۔ [1]

ان تمام احوال میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین لشکر اسامہ کی بابت اپنے اپنے اجتہاد سے گفتگو کر رہے تھے۔ بعض کا خیال تھا یہ لشکر روانہ ہونا چاہیے۔ بعض کی رائے اس کے خلاف تھی۔ بعض حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو معزول کروانا چاہتے تھے، بعض اس رائے کے خلاف تھے۔ ان سب کا منشا اور چاہت خیر و بھلائی تھی۔ جب اللہ کے دین اور مسلمانوں کے لیے خیر خواہی کا عنصر متحرک تھا۔ یہ تمام حضرات ان لوگوں کی باطل تہمتوں سے بہت دور تھے۔

## آخری بات:

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے سریہ والے قصہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ الفاظ منسوب کیے گئے ہیں: ''لشکر اسامہ سے پیچھے رہ جانے والوں پر اللہ کی لعنت ہو۔''

یہ الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹ گھڑے گئے ہیں۔

[1] المغازی للواقدی: (۳/ ۱۱۲۱) تاریخ الطبری: (۳/ ۲۲۵) البدایۃ و النہایۃ: (۶/ ۳۱۲۸)

# ۵۔ صلح حدیبیہ

## اجمالی واقعہ:

چھ ہجری کو رسول اللہ ﷺ عمرہ کے ارادہ سے نکلے؛ لیکن قریش نے مطالبہ کیا کہ وہ اس بار واپس چلے جائیں، اور آئندہ سال عمرہ کے لیے آئیں گے؛ تو تین دن کے لیے مکہ ان کے کھلا چھوڑ دیا جائے گا۔

اور ان کے علاوہ بھی بہت سخت شروط عائد کیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے مان لیا۔ لیکن بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی کریم ﷺ کا یہ فیصلہ بہت سخت محسوس ہوا؛ اور انہوں نے اس پر اعتراض کیا۔ ان اعتراض کرنے والوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے سوال کیا:

کیا آپ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی نہیں ہیں؟

تو آپ نے فرمایا: کیوں نہیں، ضرور ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں ہے؟

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں ضرور ایسے ہی ہے۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا: تو پھر ہم اپنے دین کے بارے میں کمزوری کیوں دکھاتے ہیں؟

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں اللہ کا رسول ہوں، اس کی نافرمانی نہیں کروں گا، وہ میرا مددگار ہے۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ یہ نہیں فرمایا کرتے تھے کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور کعبہ کا طواف کریں گے؟۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں ضرور، لیکن کیا میں نے یہ کہا تھا کہ یہ اسی سال ہوگا؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک آپ بیت اللہ جاؤ گے اور وہاں کا طواف کرو گے۔"

جب رسول اللہ ﷺ صلح نامہ کی تحریر سے فارغ ہوئے تو اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

"اٹھو اور قربانی کرو، اور پھر اپنے سر منڈوا دو۔"

لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی آپ کی بات نہ سنی۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ نے اپنا اونٹ اپنے دست مبارک سے نحر کیا اور حجام کو بلا کر اپنا سر منڈوایا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو دیکھا تو وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے، قربانیاں ذبح کیں اور سر منڈوا دیئے۔

کہتے ہیں کہ: ''نبی کریم ﷺ کے سامنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس سلوک سے بڑھ کر تعجب والی بات کوئی دوسری نہیں۔ کیا اب عاقل ان لوگوں کی بات تسلیم کر سکتا ہے جو کہتے ہیں کہ صحابہ کرام نبی اکرم ﷺ کی بات سنتے اور مانتے تھے؟ جب کہ یہ واقعہ ان کے اس دعویٰ کی تکذیب کر رہا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (النساء: ٦٥)

''پس نہیں! آپ کے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہو سکتے، حتی کہ آپ کو اپنے جھگڑوں میں فیصلہ کرنے والا مان لیں؛ پھر اپنے دلوں میں اس پر کوئی تنگی محسوس نہ کریں جو آپ کا فیصلہ پوری طرح تسلیم کر لیں۔''

## ردود علمائے کرام:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا صلح کے معاملہ نبی کریم ﷺ یوں تکرار کرنا اور ایسے ہی شروع میں قربانی کرنے اور سر منڈوانے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دیر کرنا، حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کی اور سر منڈوا دیے۔ یہ تمام باتیں صحیحین کی روایات میں ثابت ہیں۔'' [1]

اصحاب رسول اللہ ﷺ پر طعن کا مدار ان دو امور پر ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں نہ ہی اصحاب رسول اللہ ﷺ پر طعنہ زنی والی بات ہے اور نہ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ، یا کسی دوسرے صحابی؛ پر جو صلح حدیبیہ میں موجود تھے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خواب دیکھا تھا کہ آپ مکہ میں داخل ہوئے اور بیت اللہ کا طواف کیا۔ پھر آپ ﷺ نے مدینہ میں اپنے اصحاب کو اس کی خبر دی۔ جب یہ لوگ صلح حدیبیہ والے سال رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل پڑے تو کسی ایک کو بھی اس سال اس خواب کے شرمندہ تعبیر ہونے میں ذرہ برابر شک بھی نہیں تھا۔ اور جب صلح طے پا گئی کہ اس سال واپس جائیں گے اور آئندہ سال عمرہ کے لیے آئیں گے، تو یہ بات اصحاب رسول اللہ ﷺ پر گراں گزری۔'' [2]

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے اس معاملہ میں تکرار کرنے لگے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کی صداقت میں شک والی کوئی بات نہیں تھی اور نہ ہی آپ کو اس پر کوئی اعتراض تھا۔ لیکن جو بات پہلے سے آپ کو معلوم ہو چکی تھی، اس کی تفصیل جاننا چاہتے تھے کہ وہ مکہ میں داخل ہوں گے اور بیت اللہ کا طواف کریں گے۔ حق کے معاملہ میں اس شدت کے اختیار کرنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجتہد تھے۔ نصرت دین کے بارے میں آپ کی قوت اور دین کے معاملہ میں آپ کی غیرت شک وشبہ سے بالاتر ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے دست راست اور تربیت یافتہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو مشورہ دینے اور اظہار رائے کرنے کا عادی بنایا ہوا تھا۔ یہ سب کچھ اس حکم الٰہی کی تعمیل میں تھا:

---

[1] صحیح البخاری، (٥/ ٣٢٩) مسلم: (٣/ ١٤٤) مسند احمد: (٣/ ٤٨٣)

[2] تاریخ الطبری: (٢/ ٦٥٣) البدایة و النهایة: (٤/ ١٧٠)

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ (آل عمران: ۱۵۹)

''سو ان سے درگزر کر اور ان کے لیے بخشش کی دعا کر اور کام میں ان سے مشورہ کر۔''

رسول اکرم ﷺ بہت زیادہ مشورہ لیتے اور ان کی آراء قبول فرمائے۔ اکثر معاملات میں ایسے ہی ہوتا تھا، اس کے ذکر کا یہ موقع نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ان کی رائے قبول کرتے ہوئے کفار قریش سے جنگ وقتال کریں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اس سلسلہ میں نبی کریم ﷺ سے مراجعہ کیا تھا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی مراجعہ کیا۔ جب دیکھا کہ یہ دونوں ہستیاں یک زبان اور متفق ہیں، تو آپ بھی خاموش ہو گئے اور اپنی رائے ترک کر دی اور رسول اللہ ﷺ نے بھی آپ کی صدق نیت اور سچائی کی وجہ سے آپ کا عذر قبول فرما لیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حلق ونحر میں توقف کرنا حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ نے حلق ونحر کر لیا۔ تو یہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی نافرمانی نہیں تھی۔ علماء کرام نے اس کی کئی توجیہات ذکر کی ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ صحابہ نے توقف اس لیے کیا کہ انہیں احتمال تھا کہ شاید یہ حکم مندوب ہو۔ یا پھر اس صلح کو توڑنے کے لیے وحی نازل ہو جائے۔ یا یہ کہ یہ تخصیص صرف آپ کے لیے ہو اور باقی لوگ اس سال مکہ میں داخل ہوں اور عمرہ مکمل کر لیں۔ اور اس کی ایک علت یہ تھی کہ یہ زمانہ ایسا تھا جب نسخ کے احکام نازل ہو رہے تھے۔ یا یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان کے خیال میں امر مطلب فوری اتباع کا تقاضا نہ کرتا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ساری باتیں موجود ہوں۔'' [1]

بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ آپ کی بات نہیں مانی جا رہی، تو آپ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے سامنے معاملہ بیان کیا، تو انہوں نے کہا:

''یا رسول اللہ! کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بات چاہتے ہیں، تو اچھا ذرا آپ باہر تشریف لیجائیے اور ان میں سے کسی کے ساتھ کلام نہ کیجئے، یہاں تک کہ آپ اپنے جانوروں کی قربانی کر دیجئے اور سر مونڈ نے والے کو بلائیے تاکہ وہ آپ کے سر کے بال صاف کر دے۔''

چنانچہ آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور ان میں سے کسی سے کچھ گفتگو نہیں کی، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے سب کچھ پورا کر لیا، جانور قربان کر دیئے اور اپنا سر بھی مونڈ وا دیا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب یہ دیکھا تو اٹھے اور انہوں نے قربانی کی، ایک نے دوسرے کے سر مونڈ دیے۔'' [2]

## ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ احتمال ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا صحابہ کے بارے میں یہ سمجھی ہوں کہ شاید ان کے نزدیک یہ حکم ان کے حق میں رخصت کا احتمال رکھتا ہو اور وہ اپنے طور پر عزیمت پر عمل کرتے ہوئے احرام میں ہی باقی رہیں گے تو انہوں نے مشورہ دیا کہ اس احتمال کو ختم کیا جائے۔ پس نبی کریم ﷺ پر آپ کے مشورہ کی درستگی عیاں تھی۔ اس لیے آپ ﷺ نے ویسے ہی کیا۔''

[1] فتح الباری: (۵/ ۳۴۷)
[2] البخاری، برقم: (۲۷۳۲)
[illegible]

صحیحین میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ ثابت ہے کہ آپ فرماتے ہیں:

''حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان صلح حدیبیہ کا معاہدہ تحریر کیا۔

آپ نے معاہدہ میں یوں لکھا:

''یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔''

کفار قریش کہنے لگے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے۔ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو روکتے ہی کیوں۔'' آپ تو بس محمد بن عبداللہ ہیں۔''

حضرت نے فرمایا کہ:''میں اللہ کا رسول بھی ہوں اور محمد بن عبداللہ بھی ہوں۔''

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ''رسول اللہ کا لفظ مٹادو۔''

انہوں نے کہا کہ:''ہرگز نہیں؛ اللہ کی قسم! میں یہ لفظ کبھی نہیں مٹا سکتا۔''❶

اور بعض روایات میں ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اللہ کی قسم! میں اسے کبھی بھی نہیں مٹاؤں گا۔''❷

پس جو کچھ یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ثابت ہے، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مراجعہ وتکرار کی نظیر ہے اور جب اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کوئی ملامت والی بات نہیں یہی حق ہے، تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بھی ملامت کی کوئی بات نہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ لفظ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم '' کو آپ نے محبت اور تعظیم کی وجہ سے نہیں مٹایا تو ہم کہتے ہیں:

''جو کچھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا: وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت اور آپ کے دین کے اعزاز و بلندی کے لیے تھا۔

❶ البخاري: (٢٦٩٨) مسلم: (١٧٨)

❷ البخاري: (٣١٨٤)

صحیحین میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ ثابت ہے کہ آپ فرماتے ہیں:

''حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان صلح حدیبیہ کا معاہدہ تحریر کیا۔

آپ نے معاہدہ میں یوں لکھا:

''یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔''

کفار قریش کہنے لگے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے ۔اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو روکتے ہی کیوں۔'' آپ تو بس محمد بن عبداللہ ہیں۔''

حضرت نے فرمایا کہ:''میں اللہ کا رسول بھی ہوں اور محمد بن عبداللہ بھی ہوں۔''

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ''رسول اللہ کا لفظ مٹادو۔''

انہوں نے کہا کہ:''ہرگز نہیں ؛اللہ کی قسم !میں یہ لفظ کبھی نہیں مٹا سکتا۔''[1]

اور بعض روایات میں ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اللہ کی قسم !میں اسے کبھی بھی نہیں مٹاؤں گا۔''[2]

پس جو کچھ یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ثابت ہے، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مراجعہ وتکرار کی نظیر ہے اور جب اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کوئی ملامت والی بات نہیں یہی حق ہے،تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بھی ملامت کی کوئی بات نہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ لفظ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم '' کو آپ نے محبت اور تعظیم کی وجہ سے نہیں مٹایا تو ہم کہتے ہیں:

''جو کچھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا: وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت اور آپ کے دین کے اعزاز و بلندی کے لیے تھا۔

---

[1] البخاري: (٢٦٩٨) مسلم: (١٧٨)

[2] البخاري: (٣١٨٤)

# وہ آیات واحادیث جنہیں مذمت صحابہ پر محمول کیا جاتا ہے

بہت ساری آیات ایسی ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ صحابہ کرام کی مذمت پر محمول ہیں۔ ان پر ہم عمومی ردّ پیش کرتے ہیں۔

وہ تمام آیات جن سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں طعن پر استدلال کیا جاتا ہے، وہ تین اقسام سے خالی نہیں ہیں:

۱۔ یا تو وہ آیات کفار اور منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہوں گی۔

۲۔ یا وہ عمومی آیات ہوں گی جن سے امت کو خیر کی ترغیب اور اس کا حکم دیا گیا ہوگا، اور شر سے ڈرایا اور منع کیا گیا ہو گا۔ ان میں خطاب عمومی طور پر صحابہ کرام اور بعد میں آنے والے لوگوں سے ہوتا ہے اور اکثر طور پر یہ آیات یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے خطاب سے شروع ہوتی ہیں۔ قرآن مجید میں اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔ اس میں صحابہ کرام پر کوئی طعنہ زنی والی بات نہیں اسی اسلوب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بھی مخاطب کیا ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَ اللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ٥﴾ (المائدۃ: ٦٧)

''اے رسول! جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی جانب سے اتارا گیا ہے اس کی تبلیغ کر دیں اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔ بیشک اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ٥﴾ (الزمر: ٦٥)

''اور یقیناً آپ کی طرف اور آپ سے پہلے انبیاء کی طرف وحی کی گئی کہ بلاشبہ اگر آپ نے شریک ٹھہرایا تو یقیناً آپ کا عمل ضرور ضائع ہو جائے گا اور آپ یقیناً اٹھانے والوں سے ہو جائیں گے۔''

اور یہ فرمان:

﴿وَ لَئِنْ اَتَیْتَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰیَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ وَ مَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ وَ مَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ

إِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِينَ۝﴾(البقرۃ: ١٤٥)

’’اور اگر آپ اہل کتاب کے پاس تمام نشانیاں بھی لے آئیں وہ آپ کے قبلے کی اتباع نہ کریں گے اور نہ آپ ان کے قبلہ کی اتباع کرنے والے ہیں اور نہ وہ ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں اور یقیناً اگر آپ نے علم آجانے کے بعد بھی ان کی خواہشات کی پیروی کی تو بیشک آپ ظالموں سے ہونگے۔‘‘

اور یہ فرمان ربانی:

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِل لَّهُمْ﴾ (الاحقاف: ٣٥)

’’پس صبر کر جس طرح پختہ ارادے والے رسولوں نے صبر کیا اور ان کے لیے جلدی کا مطالبہ نہ کر۔‘‘

اور یہ فرمان الٰہی:

﴿وَلَا تَمْنُن تَسْتَكْثِرُ۝ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ۝﴾ (المدثر: ٦-٧)

’’اور (اس نیت سے) احسان نہ کر کہ زیادہ حاصل کرے۔ اور اپنے رب ہی کے لیے پس صبر کر۔‘‘

ان کے علاوہ دیگر آیات بھی ہیں جو ان کے معنی میں ہیں جیسا کہ یہ آیات اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اوامر ونواہی کو متضمن ہیں ان میں کوئی طعنہ والی بات نہیں، ایسے ہی عالم ان آیات کا بھی ہے جو صحابہ کے حق میں ثابت ہیں ان میں طعنہ والی کوئی بات نہیں۔

٣۔ جبکہ تیسری قسم ان آیات کی ہے جن میں بعض صحابہ پر کسی قدر عتاب پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں:

﴿أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ﴾ (الحدید: ١٦)

’’کیا مؤمنین کیلئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد اور اس حق کیلئے جھک جائیں جو نازل ہوا ہے۔‘‘

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ﴾ (التوبۃ: ٣٨)

’’اے مومنو! تمھیں کیا ہوا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین کی طرف بوجھل ہو جاتے ہو؟‘‘

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ﴾ (الممتحنۃ ١)

’’اے مؤمنو! میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ، تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو۔‘‘

یہ آیات مبارکہ اور وہ آیات جو ان کے معنی میں ہیں، ان میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر طعن والی کوئی بات نہیں۔ بلکہ ان میں اللہ تعالیٰ نے چند افراد پر عتاب کیا ہے۔ بلکہ بسا اوقات یہ عتاب کسی ایک فرد واحد پر ہوتا تھا۔ جیسا کہ اس

آخری آیت میں ہے۔ یہ آیت حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔اس کو تمام صحابہ کے لیے عام کہنا بہت بڑی غلطی ہے۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان صحابہ کو ایمان کے وصف سے مخاطب کیا ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے تزکیہ اور ثنائے خیر کی دلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان آیات اور ان جیسی دیگر آیات پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے اہل ایمان کے لیے عتاب کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ایسا ہی عتاب اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی ایک آیات میں کیا ہے۔جیسا کہ اس سورت میں ہے:

﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰیٓ o اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی o﴾ (عبس: ۱ - ۲)

''تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا۔ کہ اس کے پاس اندھا آیا۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا بہت احترام کیا کرتے۔ جب انہیں دیکھتے تو فرماتے اور مرحبا ایسے انسان جس کے بارے میں میرے رب نے مجھ پر عتاب کیا ہے۔''[1]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ o﴾ (التحریم: ۱)

''اے نبی! تو کیوں حرام کرتا ہے جو اللہ نے تیرے لیے حلال کیا ہے؟ تو اپنی بیویوں کی خوشی چاہتا ہے، اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

اور ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ﴾ (الاحزاب: ۳۷)

''اور جب تو اس شخص سے جس پر اللہ نے انعام کیا اور جس پر تو نے انعام کیا کہہ رہا تھا کہ اپنی بیوی اپنے پاس روکے رکھ اور اللہ سے ڈر اور تو اپنے دل میں وہ بات چھپاتا تھا جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا۔''

اس باب میں ان کے علاوہ دیگر مثالیں بھی ہیں۔ یہاں پر مقصود یہ ہے کہ اس بات کی تاکید کی جائے کہ صحابہ کے بارے میں جو کچھ عتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثابت ہے، اس میں ان کی شان میں کوئی تنقیص نہیں ہے۔اس لیے کہ اسی طرح کے مشہور واقعات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی ثابت ہیں۔

فرض کیجیے کہ اگر ہم بطور مناظرہ یہ تسلیم بھی کر لیں کہ ان آیات میں بعض صحابہ کے حق میں مذمت کا پہلو پایا جاتا ہے تو پھر ہم یہ کیسے ثابت کر سکتے ہیں کہ ان سے مراد یہ چند متعین صحابہ ہیں دوسرے نہیں۔کسی کو متعین کرنا دلیل کا محتاج ہے، وگرنہ کوئی بھی دوسرا شخص اٹھ کر اس طرح کا کوئی بھی دوسرا دعویٰ کر سکتا ہے اور پھر ان آیات کو جس پر چاہے چسپاں کر دے

[1] تفسیر البغوی: (۸/ ۳۳۲) قرطبی: (۱۹/ ۲۱۳)

جیسا کہ اگر خوارج ان آیات سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پر تکفیر کو استدلال کریں اور نواصب آپ کے فاسق ہونے پر، تو پھر ان لوگوں کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوگی جس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دفاع کر سکیں۔ سوائے اس کے کہ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے مطابق عدالت صحابہ کا اعتقاد رکھیں (کہ تمام صحابہ عدول ہیں)۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان میں بہت ہی بلیغ انداز میں مدح وتوصیف بیان کی ہے اور یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گئے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے ہیں اور ان کے ایمان وتقویٰ کے اوصاف بیان کیے ہیں اور ان سے جنت کا وعدہ کیا ہے۔ یہ آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی عظیم تر صفات کو شامل ہیں، وہ فاضلانہ صفات جو کہ دین میں ان کے بلند مقام ومرتبہ پر دلالت کرتی ہیں ان کی شان ومرتبہ واضح کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے آخرت میں جو کچھ اجر وثواب، مغفرت اور رضامندی دائمی جنت جس کے باغوں میں نہریں بہتی ہوں گی، تیار کر رکھی ہیں یہ آیات ان کے بارے میں خبریں دیتی ہیں جو کہ بذات خود اہل باطل کے اس دعویٰ کے بطلان پر واضح اور کھلی ہوئی دلیل ہیں کہ بعض آیات میں صحابہ کرام کی مذمت اور ان کی شان میں تنقیص وارد ہوئی ہے۔ اور یہ کتاب اللہ، وہ کتاب محکم ہے، جس کی آیات میں کوئی اختلاف نہیں۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾

(النساء: ۸۲)

''کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے''

اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ بعض آیات میں بظاہر ان باطل پرستوں کے دعویٰ کی دلیل بھی پائی جاتی ہے، تو پھر بھی واجب یہ ہوتا ہے کہ ان آیات کو ان دوسری صریح اور واضح آیات پر پیش کیا جائے جن سے تمام صحابہ کرام کی عدالت بیان ہوئی ہے۔ کیونکہ کتاب وسنت کی قطعی اور متواتر نصوص صحابہ کی عدالت اور ان کے ایمان کی قطعیت پر دلالت کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بھی ثنا بیان کی ہے جو ان صحابہ کے لیے استغفار کرتے ہیں اور یہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہمارے دلوں میں ان کے متعلق کوئی کجی یا کینہ نہ ڈال۔ مہاجرین وانصار کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (الحشر: ۱۰)

''اور جو ان کے بعد آئے، وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جنھوں نے ایمان لانے میں ہم سے پہل کی اور ہمارے دلوں میں مؤمنین کے لیے کوئی کینہ نہ رکھ، اے ہمارے رب! یقیناً تو بے حد شفقت کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

تو پھر یہ تصور بھی کیسے کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری آیات میں ان کی مذمت بیان کی ہوگی جس کا تقاضا ان کی شان میں تنقص اور بغض ہے۔

یہ بات اہل خرد و دانش سے بہت دور کی بات ہے کہ کتاب اللہ جو کہ محکم اور اختلاف و اضطراب سے منزہ کتاب ہے، وہ ایسے مضامین کو شامل ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے اصحاب کو ایسا بنایا ہے جن سے کفار غیض وغضب کا شکار ہوں؛ ارشاد فرمایا:

﴿لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ (الفتح: ۲۹)

''تا کہ وہ ان کے ذریعے کافروں کو غصہ دلائے۔''

پھر یہ بات محال ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان کی مذمت کر کے ان کے خلاف اور کفار کے حق میں حجت قائم کر دیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا﴾ (النساء: ۱٤۱)

''اور اللہ کافروں کے لیے مومنوں پر ہرگز کوئی راستہ نہیں بنائے گا۔''

اس سے ان لوگوں کے عقیدہ کا بودا پن ظاہر ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں قرآن کریم میں صحابہ کی مذمت وارد ہوئی ہے۔

جہاں تک روایات اور آثار کا تعلق ہے، تو جن روایات میں صحابہ کے مثالب بیان ہوئے ہیں ان کی دو اقسام ہیں:

**پہلی قسم:** ...... جو کہ جھوٹ ہیں۔ یا تو پوری پوری روایات جھوٹ پر مبنی ہیں یا پھر ان میں کمی بیشی کر کے تحریف کی گئی ہے جس کی وجہ سے ان سے مذمت اور طعن کا پہلو نکلتا ہے اور اکثر وہ روایات جن سے صریح اور واضح طعنہ زنی کا پہلو نکلتا ہے، وہ اسی باب سے تعلق رکھتی ہیں۔ جنہیں ایسے راوی نقل کرتے ہیں جن کا کذاب ہونا مشہور و معروف ہے، جیسا کہ ابو مخنف لوط بن یحییٰ، ہشام بن محمد بن السائب الکلبی اور ان کے امثال وہمنوا۔ یہی وجہ ہے کہ طعنہ زنی کرنے والے اکثر طور پر ہشام الکلبی کی تصنیف سے استدلال کرتے ہیں۔ یہ تمام لوگوں میں سب سے بڑا کذاب تھا۔ وہ اپنے باپ اور ابو مخنف دونوں سے روایت کرتا ہے۔ یہ دونوں افراد متروک اور کذاب ہیں۔

**دوسری قسم:**... وہ روایات جو سچ پر مبنی ہیں۔ ان میں سے اکثر امور میں صحابہ معذور تھے۔ جس کی وجہ سے وہ گناہ کے دائرہ سے نکل جاتے ہیں اور یہاں پر یہ امور موارد اجتہاد ٹھہرتے ہیں۔ اور مجتہد کی رسائی اگر درست رائے تک ہو جائے تو اس کیلئے دوہرا اجر ہے اور اگر درست رائے تک رسائی نہ ہو تو بھی اس کے لیے ایک اجر ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق عام ثابت منقولات کا تعلق اسی باب سے ہے۔ اور ان میں سے بھی جن امور کا گناہ ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو تب بھی ان کے معلوم شدہ فضائل ومناقب اور سبقت اسلام اور جنتی ہونے کی وجہ سے ان کی شان میں موجب طعن نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یقینی گناہ کی سزا آخرت میں کئی امور کی وجہ سے معاف ہو جاتی ہے۔ ان امور اور اسباب میں گناہوں کو مٹانے والی توبہ اور بھلائیاں شامل ہیں؛ نیکی برائی کو ختم کر دیتی ہے؛ ارشاد الٰہی ہے:

﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا﴾ (النساء: ۳۱)

"اگر تم منع کردہ کبیرہ گناہوں سے بچو گے؛ تو ہم تمھاری چھوٹی برائیاں ختم کر دیں گے اور تمھیں باعزت داخلے کی جگہ میں داخل کریں گے۔"

اور ایسے یہی مصائب بھی گناہوں کا کفارہ بنتے ہیں۔ اور اہل ایمان کی ایک دوسرے کے لیے دعا بھی کام آتی ہے اور نبی کریم ﷺ کی شفاعت بھی نجات کا ایک سبب ہے۔ پس ان اسباب میں جوکوئی بھی سبب امت کے کسی ایک فرد سے گناہ اور عقاب کے سقوط کا سبب بن سکتا ہے، تو صحابہ کرام اس کی نسبت اس مغفرت کے زیادہ حق دار ہیں اور وہ ہر تعریف کے زیادہ لائق ہیں اور ہر وہ مذمت جس کی امت کے کسی ایک فرد سے نفی کی جاسکتی ہو، صحابہ اس نفی کے زیادہ مستحق ہیں۔ ان کے علاوہ بھی کئی ایک اسباب ہیں جو مغفرت کا ذریعہ اور گناہوں کا کفارہ بن سکتے ہیں۔

## وہ آیات جنہیں صحابہ پر طعنہ زنی پر محمول کیا گیا ہے:

آیت انقلاب: اس آیت کا نام آیت انقلاب ہے۔ کہتے ہیں: ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ﴾ (آل عمران: ۱۴۴)

"اور محمد ایک رسول ہیں، بیشک اس سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔ تو کیا اگر آپ فوت ہو جائیں، یا قتل کر دیے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے اور جو اپنی ایڑیوں پر پھر جائے تو وہ اللہ کو ہرگز کچھ بھی نقصان نہیں پہنچائے گا اور اللہ شکر کرنے والوں کو جلد جزا دے گا۔"

تنقید نگاروں کا یہ خیال ہے کہ یہ آیت اس باب میں صریح اور واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائیں گے اور ان میں سے بہت کم لوگ دین پر ثابت قدم رہیں گے۔ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں تعبیر الٰہی کی روشنی میں اسی چیز پر دلالت کرتی کہ ثابت قدم رہنے والے جو دین کو نہیں چھوڑیں گے انہیں شاکرین کے لفظ سے مخاطب کیا ہے۔ اور شاکرین ہر دور بہت کم ہوتے ہیں جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِىَ الشَّكُوْرُ﴾ (السبا: ۱۳)

"اور بہت تھوڑے میرے بندوں میں سے شکر گزار ہیں۔"

ایسے ہی احادیث نبویہ شریفہ اپنی تفسیر میں ان کے گمان کے مطابق اس انقلاب پر دلالت کرتی ہیں۔

## اس شبہ پر علماء کا رد:

کتاب اللہ کے مفسر پر واجب ہوتا ہے کہ وہ اصول تفسیر کا اہتمام کرے جیسے اسباب نزول، ناسخ و منسوخ، خاص و عام اور دیگر اصول، تاکہ اس کی تفسیر اصولوں پر قائم ہو۔

مفسرین نے اس آیت کا سبب نزول یہ ذکر کیا ہے کہ احد کے دن شیطان نے چلا کر کہا کہ "محمد ﷺ قتل ہو گئے

ہیں'' تو بعض منافقین نے کہا: محمد ﷺ قتل ہو گئے ہیں۔ انہیں اپنے ہاتھوں سے ان کے حوالے کر دو، بے شک وہ تمہارے بھائی ہیں۔اور بعض صحابہ نے کہا: اگر محمد ﷺ قتل ہو گئے ہیں تو تم بھی اس راہ پر کیوں نہیں چلتے جس پر تمہارے نبی ﷺ چل گزرے، یہاں تک کہ تم بھی ان سے جا ملو۔تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ (آل عمران: ١٤٤)

''اور نہیں ہے محمد مگر ایک رسول، بے شک اس سے پہلے کئی رسول گزر چکے۔''

امامیہ اثنا عشریہ میں ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اس آیت کے اس شان نزول کا اعتراف کیا ہے۔اس اعتبار سے یہ آیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اصحاب محمد پر اس لیے عتاب تھا کہ انہوں نے جب یہ خبر سنی کہ محمد قتل کر دیئے گئے ہیں تو انہوں نے رونا دھونا اور گریہ و زاری کیوں کی؟ اور اگر محمد ﷺ طبعی موت انتقال کر جائیں، یا شہید کر دیئے جائیں تو پھر بھی کسی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ دین اور آپ کے لائے ہوئے پیغام کو چھوڑ دے۔ ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور محمد ﷺ کو اس لیے مبعوث نہیں کیا گیا کہ آپ ہمیشہ ہمیشہ رہیں اور نہ ہی ان میں سے کوئی زندہ رہے گا۔ بلکہ انہیں چاہیے کہ ان کی موت اسلام اور توحید پر آئے۔موت کا آنا لازمی ہے۔ بھلے رسول اللہ ﷺ وفات پا جائیں یا زندہ رہیں۔فرمان الٰہی ہے:

﴿اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِكُمْ﴾ (آل عمران: ١٤٤)

''تو کیا اگر وہ فوت ہو جائے، یا قتل کر دیا جائے تو تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے۔''

یعنی کیسے تم مرتد ہوتے ہو اور آپ ﷺ کا لایا ہوا دین چھوڑتے ہو۔آپ کو یہ علم ہونا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ نے گزر جانا ہے اور آپ کے ماننے والوں نے آپ کے دین پر کاربند رہنا ہو گا بھلے وہ آپ ﷺ کو قتل یا موت کی وجہ سے مفقود پائیں۔

یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عظمت پر بہت بڑی دلیل سمجھی جاتی ہے۔جس میں آپ کی شجاعت اور ثابت قدمی ثابت ہوتی ہے۔اور یہ اس وقت ہوا جب آپ نے نبی کریم ﷺ کی وفات کے دن اس آیت کے ذریعہ لوگوں کو سمجھایا اور خود اس سخت موقع پر ثابت قدم رہے۔اور پھر اس کے بعد ارتداد کے معاملہ میں ثابت قدم رہے۔

جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر پھیلی تو منافقین نے فتنہ انگیزی کا طوفان کھڑا کر دیا اور وہ آپس میں مسلمانوں کے خلاف اجتماع جمع کرنے کی کوشش کرنے لگے۔اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ ڈالا کہ نبی کریم ﷺ فوت نہیں ہوئے۔ چنانچہ آپ نے اپنا مشہور خطبہ دیا جس سے منافقین گھبرا گئے کہ نبی کریم ﷺ واپس آئیں گے اور منافقین کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے۔جس کی وجہ ان کا شیرازہ بکھر گیا۔

پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، نبی کریم ﷺ کی طرف دیکھنے کے بعد حضرت عمر کا کلام سنا اور ان سے کہا: خاموش ہو جائیے، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلسل کلام کرتے رہے، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھا۔لوگ آپ کی بات

دھیان سے سننے لگے۔ تو آپ نے فرمایا: اما بعد!

''جو کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو بے شک اللہ تعالیٰ زندہ ہیں انہیں کبھی موت نہیں آئے گی اور جو کوئی رسول اللہ ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو محمد ﷺ فوت ہو چکے ہیں:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ (آل عمران: ۱٤٤)

''اور نہیں ہے محمد مگر ایک رسول، بے شک اس سے پہلے کئی رسول گزر چکے۔''

اور پوری آیت کی تلاوت فرمائی، تو لوگ رونے لگے گئے ہر کوئی یہ آیت پڑھتا جاتا تھا۔ گویا کہ اس سے قبل لوگوں نے یہ سنی ہی نہ ہو۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خطبہ سے نفع دیا۔'' ❶

اس موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شکر گزاری ظاہر ہوئی اور آپ کی وجہ سے لوگ بھی شکر گزاری بجالائے۔

یہ کہنا کہ یہ آیت جلی اور صریح ہے کہ صحابہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے فوراً بعد ایڑیوں کے بل پھر جائیں گے، یہ جملہ اس بات کہنے والے کی بہت بڑی جہالت پر دلالت کرتا ہے کہ اس انسان کو اصول تفسیر اور مفسرین کے اقوال کا کوئی علم نہیں۔ اس لیے تو اس نے اس آیت کی تفسیر اپنے دماغ سے کی ہے تا کہ آیت کا معنی یہ ہو جائے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے نبی کے اصحاب کو یہ خبر دے رہے ہیں کہ مستقبل قریب میں نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد وہ مرتد ہو جائیں گے اور پھر نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد اکثر صحابہ کے مرتد ہونے کا دوٹوک الفاظ میں اظہار کرتا ہے۔

بس اتنا ہی نہیں بلکہ یہاں تک کہتا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے فوراً بعد پلٹ کر مرتد ہو جائیں گے۔

اب یہ واضح کرنا ضروری ہو گیا کہ وہ کون سے صحابہ تھے جو مرتد ہو گئے اور کون سے دین اسلام پر ثابت قدم رہے۔

وگرنہ امت پر معاملہ گڈمڈ ہو جائے گا، اور یہ پتا نہیں چلے گا کہ کون صحابی ہے اور کون مرتد؟ اور اس کے ساتھ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تحدید کر کے انہیں منافقین یا منقلبین سے جدا نہ کرنے کی صورت میں قرآن مجید میں طعنہ زنی کا ایک دروازہ کھل جائے گا۔ اس لیے کہ قرآن کریم کے کئی ایک مقامات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح کرتے ہوئے ان کے لیے ایمان اور ظاہری اور باطنی اصلاح کی گواہی دی گئی ہے۔ اور پھر اس کے ساتھ ہی فوراً دوسری جگہ پر ان کی مذمت کی گئی ہے اور صحابہ کے اس دین سے مرتد ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کے حاصل کرنے کے لیے یہ طعنہ زن اور تنقید کرنے والے سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں۔ ہر مسلمان پر اس حق کی معرفت حاصل کرنا واجب ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بشر تھے ان سے غلطیاں کوتاہیاں اور لغزشیں بھی ہوئی ہیں۔ لیکن یہ لوگ سچے اور عادل تھے۔ قرآن کریم ان کے حق میں اس بات کی گواہی دیتا ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ

❶ البخاري: (۳٦۷۰)

رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۝﴾(التوبۃ: ۱۰۰)

''اور مہاجرین اور انصار میں سے سابقین اولین اور نیکی کے ساتھ ان کی اتباع کرنے والے؛ اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہوگئے اور اس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔''

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اصحاب النبی ﷺ کے لیے بشارت ہے۔ ایسا ہرگز نہیں کہ انہیں مرتد ہونے یا دین سے پلٹ جانے کی خبر دی گئی ہو۔

مفسر پر یہ بھی واجب ہوتا ہے کہ آیت کے سابق اور لاحق کے مابین ربط کا خیال رکھے اس لیے کہ تفسیر اس کے بغیر مکمل اور واضح نہیں ہوتی۔ یہ آیت غزوہ احد کے ضمن میں ہے، جو کچھ اس موقع پر غلطیاں ہوئیں اور اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر عتاب ان ہی غلطیوں کے صادر ہونے کی وجہ سے کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کا رد اور انکار کیا ہے کہ کوئی صف ایمان کے دعویٰ کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جائے گا جب تک کہ وہ جہاد نہ کرلے اور اللہ کی راہ میں امتحان و آزمائش کا سامنا نہ کرلے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ۝ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَیْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۝﴾

''کیا تم نے گمان کرلیا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تک اللہ نے ان لوگوں کو نہیں جانا جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا اور تاکہ وہ صبر کرنے والوں کو جان لے۔ اور بے شک تم تو موت کی تمنا کیا کرتے تھے، اس سے پہلے کہ اسے ملو، تو بلاشبہ تم نے اسے اس حال میں دیکھ لیا کہ تم دیکھ رہے تھے۔''

پھر اس کے فوراً بعد ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْهِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰهَ شَیْـًٔا وَسَیَجْزِی اللّٰهُ الشّٰكِرِیْنَ۝﴾

''اور نہیں ہے محمد مگر ایک رسول، بے شک اس سے پہلے کئی رسول گزر چکے تو کیا اگر وہ فوت ہو جائے، یا قتل کر دیا جائے تو تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے اور جو اپنی ایڑیوں پر پھر جائے تو وہ اللہ کو ہرگز کچھ بھی نقصان نہیں پہنچائے گا اور اللہ شکر کرنے والوں کو جلد جزا دے گا۔'' (آل عمران: ۱٤٤)

یہ غزوہ احد میں ان سے ہونے والی غلطیوں پر عتاب پر استمرار ہے۔ پھر اس کے بعد والی آیات میں فرمایا کہ اس سے قبل انبیاء اور ان کے ساتھ صالحین بھی جہاد کرتے رہے ہیں، مگر انہوں نے نہ ہی کبھی کمزوری دکھائی اور نہ ہی پسپائی اختیار کی، جیسا کہ تم لوگوں نے کر دیا، پھر اس کے بعد والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے اصحاب کے لیے ایمان کو ثابت کرتے ہوئے، انہیں کفار کی اطاعت گزاری سے بچ کر رہنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اِنۡ تُطِيۡعُوا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يَرُدُّوۡكُمۡ عَلٰٓى اَعۡقَابِكُمۡ فَتَنۡقَلِبُوۡا خٰسِرِيۡنَ﴾ (آل عمران: ١٤٩)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم ان لوگوں کا کہنا مانو گے جنھوں نے کفر کیا تو وہ تمھیں تمھاری ایڑیوں پر پھیر دیں گے، پھر تم خسارہ اٹھانے والے ہو کر پلٹو گے۔"

اس عتاب کی آیات کے کچھ بعد اللہ نے یہ بھی واضح فرمایا ہے کہ میں نے ان لوگوں کا گناہ معاف کر دیا ہے جو میدان جنگ سے بھاگ گئے تھے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ تَوَلَّوۡا مِنۡكُمۡ يَوۡمَ الۡتَقَى الۡجَمۡعٰنِ اِنَّمَا اسۡتَزَلَّهُمُ الشَّيۡطٰنُ بِبَعۡضِ مَا كَسَبُوۡا وَ لَقَدۡ عَفَا اللّٰهُ عَنۡهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ﴾ (آل عمران: ١٥٥)

"بیشک تم میں سے جو لوگ اس دن پیٹھ پھیر گئے جب دو گروہ لڑ پڑے؛ شیطان نے انھیں ان کے بعض اعمال ہی کی وجہ سے پھسلایا؛ اور یقیناً اللہ نے انھیں معاف کر دیا بیشک اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت بردبار ہے۔"

پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے۔ ان زخموں کے برداشت کرنے کے بعد اہل ایمان رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر دوبارہ حاضر ہو گئے تھے۔ اور ابو سفیان کے لشکر کا پیچھا کرتے ہوئے غزوہ حمراء الاسد میں شرکت کی تھی۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

﴿ اَلَّذِيۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوۡلِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَآ اَصَابَهُمُ الۡقَرۡحُ لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوۡا مِنۡهُمۡ وَ اتَّقَوۡا اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ اَلَّذِيۡنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَكُمۡ فَاخۡشَوۡهُمۡ فَزَادَهُمۡ اِيۡمَانًا وَّ قَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَ نِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ﴾ (آل عمران: ١٧٢-١٧٣)

""جنھوں نے زخمی ہونے کے بعد بھی اللہ اور رسول کا حکم مانا؛ ان میں سے جو کوئی نیک اور پرہیزگار ہیں ان کیلئے بڑا اجر ہے۔ جنہیں لوگوں نے کہا کہ لوگ تمہارے مقابلے کے لیے جمع ہو گئے ہیں تم ان سے ڈرو تو ان کا ایمان بڑھ گیا؛ اور بولے: ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔"

اس میں کوئی شک والی بات نہیں کہ جن حضرات کی یہ صفات اور مدح بیان ہوئی ہے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہی تھے۔ جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور نعمتوں سے مالا مال ہو کر لوٹے۔ تو پھر بھی یہ لوگ نہ جانے کس منہ سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے اصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین کے مرتد ہونے اور اس دین سے پلٹ جانے کی خبر دی ہے۔ اگر یہ دعویٰ کلام الٰہی میں تحریف نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟

پھر تنقید نگار یہ بھی کہتے ہیں کہ: اس آیت کی تفسیر طلیحہ اسدی، سجاح اور اسود عنسی سے نہیں کی جا سکتی، کیونکہ صحابہ کرام کی عزت و تقدس کی حفاظت بھی ضروری ہے، یہ لوگ تو نبی کریم ﷺ کی حیات مبارک میں ہی نبوت کا دعویٰ کر کے پلٹ گئے تھے اور دین اسلام سے مرتد ہو گئے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ان سے جنگ کر کے ان پر فتح پائی تھی۔

**الـرد:** مسلیمہ کذاب اور اسود عنسی کا ظہور وفات رسول اللہ ﷺ کے قریبی وقت میں ہوا تھا ان میں سے اسود عنسی رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہلاک ہو گیا تھا جبکہ طلیحہ اور سجاح رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہوئے۔ اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے، پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے جنگیں لڑیں۔

تو پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان مرتدین کو شکست دی۔ یہ ساری تاریخ اس لیے مسخ کی جا رہی ہے تا کہ یہ کہنا آسان ہو جائے نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہونے والے صحابہ تھے۔

## آیتِ جہاد:

ان ہی آیات میں سے وہ آیت بھی ہے جسے آیت جہاد کا نام دیا جاتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾ (التوبة: ۳۸-۳۹)

''اے ایمان والو! تمھیں کیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے اللہ کے راستے میں نکلو تو تم زمین کی طرف بوجھل ہو جاتے ہو؟ کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی پر خوش ہو گئے ہو؟ تو دنیا کی زندگی کا سامان آخرت کے مقابلے بہت ہی تھوڑا ہے۔ اگر تم نہ نکلو گے تو وہ تمھیں دردناک عذاب دے گا اور بدل کر اور لوگ لے آئے گا اور تم اس کا کچھ نقصان نہ کرو گے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہیں۔''

کہتے ہیں: یہ دونوں آیات مبارکہ صحابہ کے بارے میں واضح ہیں، کہ وہ جہاد کو گراں سمجھتے تھے اور وہ دنیاوی زندگی کی طرف مائل ہو گئے تھے اور کام چوری اور سستی کے عادی تھے، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ دنیا کی زندگی بہت تنگ دامن ہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زجر وتوبیخ اور عذاب الیم کی دھمکی ان کے حق میں واجب ہو گئی اور یہ کہ انہیں بدل کر ان کی جگہ صادق الایمان مومن لائے جائیں گے۔

## شبہ پر رد:

اس پر مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت غزوہ تبوک میں ترغیب کے ضمن میں نازل ہوئی۔ یہ فتح مکہ اور طائف وحنین سے واپسی کے بعد کا واقعہ ہے۔ سخت گرمیوں کے موسم میں اس وقت جہاد کی تیاری کا حکم دیا گیا جب کھجور کی فصل پک چکی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب کسی طرف غزوہ کا ارادہ فرماتے تو اس جہت کو مخفی رکھتے تھے حتیٰ کہ جب اس غزوہ کا وقت آیا تو سفر بہت دور کا تھا اور گرمی بہت سخت تھی، کافی مشکلات کا سامنا تھا۔ دشمن تعداد میں بہت زیادہ اور طاقتور تھا۔ اس وقت جہاد کے لیے نکلنا کافی مشکل تھا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں جن میں جہاد کی ترغیب

تھی اور جہاد سے جی چرانے والوں کو ڈرایا گیا تھا۔''[1]

'' جیسا کہ بعض امامیہ علماء نے بھی یہ بیان کیا ہے۔''[2]

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سستی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے نہیں ہوئی تھی۔ اور یہ بات بہت ہی بعید ہے کہ اس سستی اور تاخیر کو تمام صحابہ پر چسپاں کیا جائے۔ بلکہ یہ بعض کے کلام کی طرف نسبت کے باب سے تعلق رکھتا ہے اور یہ اسلوب کلام، اہل عرب میں بہت زیادہ اور عام ہے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی بشر تھے، ان کے ساتھ بھی وہ عوارض پیش آتے تھے، جو کسی بھی بشر کو پیش آ سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب قرآن نازل ہوا تو اس کے بہت سارے مقامات پر صحابہ کرام کی تعلیم وتوجیہ یا تربیت اور راہنمائی کے اہتمام کے ساتھ ان کو ترغیب بھی دی گئی ہے اور ڈرایا بھی گیا ہے۔ تاکہ انہیں وہ بہترین امت بنا کر تیار کیا جائے جنہیں لوگوں کے فائدہ کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ یہ بات قرآن حکیم پر غور کرنے والے اچھی طرح سے جانتے ہیں۔ پس اسی لیے ۸۹ آیات اس طرح نازل ہوئی ہیں کہ وہ (یا ایھا الذین امنوا) کے خطاب سے شروع کی گئی ہیں۔ یہ سب کچھ تعلیم اور ارشاد اور راہنمائی کے لیے ہوا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جب آپ سنیں کہ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں: (یا ایھا الذین امنوا) تو اپنے کان اس طرف لگالو، یا تو کسی اچھی بات کا حکم مل رہا ہوگا، یا پھر کسی بری بات سے منع کیا جارہا ہوگا۔''[3]

قرآن سیاق صحابہ کی تعلیم کے زمرہ میں وارد ہوا ہے کہ انہیں یا تو خیر بتائی جارہی ہے یا پھر شر سے منع کیا جارہا ہے۔ لیکن جو لوگ عام بشر میں عصمت کا اعتقاد رکھتے ہیں، وہ یہ بات محال سمجھتے ہیں کہ صحابہ کرام سے کوئی خطا یا تقصیر ہو ان کا عقیدہ ہے کہ صحابہ کے متعلق غلطی یا کوتاہی کا کہنا ان کی ذات پر نقد اور جرح ہے۔

جہاں تک پہلی آیت کا تعلق ہے ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ....... يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ (التوبة: ۳۸-۳۹) اس میں اللہ تعالیٰ نے جہاد ترک کرنے والوں کو وعید سنائی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کے ایک قبیلہ کو جہاد کے لیے نکلنے کا کہا، مگر انہوں نے گرانی محسوس کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش روک لی، یہ ان کے لیے عذاب تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ غزوہ تبوک کیلئے نکلے تھے انہیں کوئی عذاب یا برائی نہیں پہنچی۔ ان تمام کے سرکردہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، جنہوں نے گھر کا سارا مال لشکر کی تیاری کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لاکر ڈال دیا تھا۔ گھر میں صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا نام چھوڑ آئے تھے۔''[4]

اور اس پر مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی صحبت کو قرآن میں ثابت کیا ہے۔ اس آیت کے ہی اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

[1] تفسير البغوى: (٤/ ٤٨)
[2] مجمع البيان: (٢/ ٦٤)
[3] تفسير ابن كثير: (١/ ٨٠)
[4] ابو داود: (١٦٧٨) جامع الترمذى: (٣٦٧٥)

﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (التوبة: ٤٠)

''اگر تم اس کی مدد نہ کرو تو بلاشبہ اللہ نے اس کی مدد کی، جب انہیں کافروں نے نکال دیا، جب کہ وہ دو میں دوسرا تھا، اور وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا غم نہ کر، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھر کا آدھا مال لا کر پیش خدمت کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک ہزار دینار رسول اللہ ﷺ کی جھولی میں ڈال دیئے اور **جیش العسرہ** کو تیار کیا۔ تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''آج کے بعد عثمان جو عمل بھی کرے گا، اسے نقصان نہ دے گا۔''[1]

جبکہ غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے پیچھے نماز پڑھی۔[2]

اور اللہ تعالیٰ ان تمام لوگوں کے لیے معافی کا اعلان کر رکھا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (التوبة: ۱۱۷)

''یقیناً اللہ نے نبی، مہاجرین اور انصار پر مہربانی کی جنہوں نے بڑی تنگی کی گھڑی میں اس کا ساتھ دیا تھا اگرچہ اس وقت بعض لوگوں کے دل کجی کی طرف مائل ہو چلے تھے۔ پھر اللہ نے ان پر رحم فرمایا کیونکہ اللہ مسلمانوں پر بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جس کی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی ہو، اسے کبھی عذاب نہیں دیں گے۔

پھر یہ بھی جان لینا چاہیے کہ غزوہ تبوک رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کا آخری غزوہ تھا۔ جو آپ نے اپنے صحابہ کی ہمراہی میں کیا اور اس موقع پر دوسرے غزوات کی نسبت بہت بڑی آزمائش کا سامنا کرنا پڑا، جیسا کہ غزوہ بدر، غزوہ احد، فتح مکہ، حنین اور موتہ۔ اس موقع فتح و نصرت آپ کے قدم چومتی رہی۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ نے راہ جہاد کو مکمل کیا اور مرتدین سے دین کی حفاظت کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں فتوحات کے دروازے کھول دیئے۔ بلاد فارس، عراق، شام اور مصر فتح ہوئے، پھر ان تمام باتوں کے بعد کیسے کہا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام جہاد سے جی چراتے تھے اور دنیاوی زندگی کی طرف مائل ہو گئے تھے۔

## آیت ارتداد:

کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ

[1] الترمذي: (۳۷۰۱) [2] صحيح مسلم: (۲۷٤)

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ (المائدة: ٥٤)

''اے مؤمنو! تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا؛ تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ اللہ کے محبوب اور اللہ ان کا محبوب؛ مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت؛ اللہ کی راہ میں لڑیں گے اور کسی ملامتگر کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے، اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔''

یہ آیت مبارکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت پر سب سے بڑی دلیل ہے۔ یہی وہ قوم ہیں جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتے ہیں۔ مفسرین کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ امام طبری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی۔'' [1]

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت بعض انصار کی شان میں نازل ہوئی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قوم اہل یمن کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ بہرحال یہ آیت عام ہے جو کہ ان تمام لوگوں کو شامل ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان و علی اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اس میں بدرجہ اولیٰ داخل ہیں۔ اس کی تائید ایک بڑا نامور عالم علامہ طبرسی نے بھی کی ہے۔ وہ کہتا ہے:

''اس بارے میں اختلاف ہے کہ اس آیت مبارکہ میں کن لوگوں کے اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد حضرت ابوبکر اور ان کے وہ ساتھی ہیں جنہوں نے مرتدین سے جنگیں لڑیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد انصار ہیں اور یہ بھی کہ اس سے مراد اہل یمن ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اہل فارس ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت علی اور ان کے ساتھی مراد ہیں۔'' [2]

اور اس بات کی دلیل کہ حضرات صحابہ اور ان میں سے خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم اجمعین سب سے پہلے اس آیت کے عموم میں داخل ہیں، وہ یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ﴾ (المائدة: ٥٤)

''تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ عنقریب ایسے لوگ لائے گا کہ وہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے۔''

یہ ایک کھلی ہوئی واضح دلیل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفت لازمہ ہے۔ اس کی دلیل یہ فرمان الٰہی ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح: ٢٩)

''محمد اللہ کے رسول ہیں اور آپ کے ساتھی کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت رحم دل ہیں۔''

---

[1] الطبری: (١٠/ ٤١٤)

[2] مجمع البیان: (٣/ ٣٥٨)

اور ارشاد ربانی ہے:

﴿يُجَاهِدُوْنَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ﴾ (المائدة: ٥٤)

''اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔''

یہ بات معلوم شدہ ہے کہ حضرات صحابہ سب سے پہلے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے تھے اور جو آیات اس کی تائید کرتی ہیں تدبر کرنے والے کے لیے ان سے قرآن بھرا ہوا ہے۔ یہ ان کی دائمی صفت ہے۔ کسی بھی عقل مند کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنی عقل سے کام لیتا ہو اور پھر یہ بھی کہے کہ اس آیت کی روشنی میں صحابہ مرتد ہو گئے تھے۔ اس لیے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں حضرات صحابہ نے مرتدین سے جہاد کیا تھا اور ان پر فتح پائی تھی۔ یہ بات عقلاً محال ہے کہ مرتدین مسلمانوں پر فتح پالیں۔

## آیت خشوع:

ان میں سے ایک آیت کو آیت خشوع کا نام دیا گیا ہے۔ آیت خشوع یہ ہے:

﴿اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ (الحديد: ١٦)

''کیا اہل ایمان کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد اور اس حق کے لیے جھک جائیں جو نازل کیا ہے اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنھیں ان سے پہلے کتاب دی گئی، پھر ان پر لمبی مدت گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے بہت سے نافرمان ہیں۔''

الدر المنثور میں جلال الدین السیوطی نے لکھا ہے:

''جب اصحاب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو سختی اور تکلیف کی زندگی گزارنے کے بعد عیش و راحت کے ایام گزارنے لگے۔ گویا کہ انہوں نے اپنے بعض اعمال چھوڑ دیئے تھے۔ اس پر انہیں عقاب کیا گیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ اور ایک دوسری روایت میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے، فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے سترہ سال بعد مہاجرین کے دلوں میں سستی دیکھی تو یہ آیت نازل فرمائی۔ جب یہ صحابہ کرام جو کہ سب سے بہترین لوگ تھے، جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے ان کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے نازل کردہ حق سے سترہ سال تک نہ ڈرے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں سستی محسوس کی اور ان کو سزا دی؛ اور انہیں دل کی اس سختی سے ڈرایا جو کہ انہیں فسق و فجور کی طرف لے کر جانے والی ہے، تو پھر بعد میں آنے والے قریشی خاندانوں پر کوئی ملامت نہیں جو کہ سن سات ہجری کو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے۔

## اس شبہ پر علماء کا رد:

پہلی روایت جو کہ سیوطی کی تفسیر الدر المنثور سے نقل کی گئی ہے یہ روایت اعمش پر موقوف ہے؛ اور اعمش مشہور مدلس ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ روایت متفرد بھی ہے۔ الغرض بالعموم یہ روایت رسول اللہ ﷺ کا کلام نہیں ہے، جیسا کہ ان لوگوں کا دعویٰ ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس کلام میں تحریف کی گئی ہے۔ روایت میں عتاب کا لفظ ہے (عوتبوا)؛ (عوقبوا) سزا دینے کے الفاظ نہیں ہیں۔ جب کہ دوسری روایت کے متعلق سیوطی نے کہا ہے کہ یہ روایت ابن مردویہ نے حضرت انس سے روایت کی ہے اور میں اس کو مرفوع ہی سمجھتا ہوں اور یہ روایت جسے ابن مردویہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، یہ تفسیر کی کسی بھی معتمد کتاب میں نہیں پائی جاتی۔ اس کے ساتھ ہی اس میں دوسری صحیح احادیث کی مخالفت بھی پائی جاتی ہے۔

امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آپ فرماتے ہیں: ہمارے اسلام لانے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس آیت کے ذریعہ ہمارے عتاب کے درمیان صرف چار سال کا فاصلہ تھا۔

﴿أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ......﴾ (الحدید: ١٦)

اس کے ساتھ یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پہلے پہل اسلام لانے والوں میں سے ہیں۔ اور آپ شان نزول کے زیادہ جاننے والے ہیں۔ پس اس بنیاد پر ابن مردویہ کی روایات شاذ اور منکر ہے اور یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ سیوطی نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے یہاں پر بیس روایات نقل کی ہیں اور اس ضمن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی صحیح روایت بھی ہے۔ مگر ان لوگوں کو یہی دو روایات اس لیے بھلی لگیں کہ ان کے گمان کے مطابق ان میں مثالب صحابہ بیان ہوئے ہیں۔

نیز سیوطی کی روایات سے استدلال کرنا ان کے حق میں دلیل نہیں، بلکہ یہ دلیل ان کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ علماء حدیث میں یہ بات معروف ہے کہ سیوطی ضعیف اور موضوع روایات بھی ذکر کرتا ہے۔ پس صرف اس کی روایت سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے اور نہ ہی کوئی روایت اس کے نقل کرنے سے درجہ صحت تک پہنچ جاتی ہے۔

اور اگر ہم فرض کریں کہ یہ دونوں روایات صحیح ہیں تو تب بھی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ان کے حق میں صرف عتاب اور زیادہ خشوع کی ترغیب اور دائمی خوف الٰہی کی طلب سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں۔ اس لیے کہ صحابہ کرام بلا شک و شبہ معصوم نہیں ہیں انہیں عوارض بشریت نسیان اور غفلت وغیرہ پیش آتے تھے۔ حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ کو بھی کئی آیات میں عتاب کیا گیا ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحابہ کا عتاب قابل مذمت ہے تو پھر اللہ کو گواہ بنا کر کہو کہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے نبی ﷺ پر عتاب کیا ہے اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

**اعتراض** :......صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ کہہ کر طعن کرنا کہ اگر ان میں سابقین اولین کے دلوں میں خشوع نہیں تھا تو بعد میں

آنے والوں کا کیا عالم ہوگا؟

**جواب:**...... یہ ایک باطل دعویٰ اور کھلی ہوء افتراء پردازی ہے۔ جسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی صحیح ثابت شدہ سیرت ردّ کرتی ہے۔ کیونکہ اس میں وہ روایات اور قصص ہیں جو ان کے لیے اعلیٰ مقام کے خشوع کو ثابت کرتے ہیں اور یہ کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ خوف رکھنے والے اور اللہ تعالیٰ کے ڈر سے کثرت کے ساتھ رونے والے تھے۔ اس امر کا انکار کوئی حق کا منکر متکبر جاہل ہی کر سکتا ہے۔ اس کی ایک دلیل متفق علیہ روایت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا، ایسا خطبہ میں نے کبھی نہیں سنا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

''اگر تم وہ بات جان لو جو میں جانتا ہوں، تو تم بہت کم ہنسو اور بہت زیادہ روؤ۔''

تو اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روتے ہوئے اپنے چہرے ڈھانپ لیے۔''❶

اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے:

''پس لوگ بہت زیادہ رونے لگے، جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔''❷

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے [انفرادی طور پر] خشیت الٰہی سے رونا ثابت ہے۔ بلکہ بعض تو اس بارے میں بڑے مشہور تھے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بہت زیادہ اللہ تعالیٰ کا خوف اور خشیت رکھتے تھے۔

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابوبکر سے کہو لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ تو میں نے کہا: یا رسول اللہ! حضرت ابوبکر بہت نرم دل ہیں، جب وہ قرآن پڑھیں گے تو اپنے آنسو روک نہیں پائیں گے۔''❸

اور ایک روایت میں ہے کہ:

''جب ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو لوگ ان کے رونے کی آواز سنیں گے۔'' [البخاری: ۶۷۹.]

اور نعیم بن عبداللہ بن عیسیٰ نے اپنی کتاب ''الحلیة'' میں لکھا ہے: ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر کثرت کے ساتھ رونے کی وجہ سے دو سیاہ نشان بن گئے تھے۔''❹

اور ہشام بن حسین سے روایت ہے، کہتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کسی آیت کی تلاوت کرتے تو آپ کی آواز رندھ جاتی اور اتنا روتے کہ روتے روتے گر جاتے۔''❺

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بتایا کہ انہوں نے چار دن سے کھانا نہیں کھایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بہت روئے، اور پھر کہنے لگے: اس دنیا کے لیے ہلاکت ہو۔ پھر حضرت عثمان نے بہت سارا غلہ اور درہم کا ایک تھیلا لا کر دے دیا۔❻

---

❶ البخاري: (٤٦٢١) مسلم: (٢٣٥٩)
❷ مسلم: (٢٣٥٩)
❸ البخاري: (٢٢٩٨) مسلم: (٤١٨) یہ الفاظ مسلم کے ہیں
❹ الحلية: (١/ ٥١)
❺ الحلية: (١/ ٥١)
❻ الرقة و البكاء لابن قدامة: (١٨٨)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ کھانے کی ایک پلیٹ لے کر آئے، جس میں گوشت اور روٹی تھی، جب کھانا سامنے رکھا تو رونے لگ گئے۔ آپ سے پوچھا گیا: اے ابومحمد! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، لیکن آپ نے اور آپ کے اہل بیت نے کبھی جو کی روٹی سیر ہو کر نہیں کھائی اور میں نہیں سمجھتا کہ جو کچھ اب ہمیں بعد میں مل رہا ہے، اس میں کوئی خیر و بھلائی ہو۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرتے تو رو پڑتے تھے۔

اس بارے میں واقعات بہت زیادہ ہیں۔

## شبہ تبعیض:

ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾ (الفتح: ۲۹)

''اللہ نے اہل ایمان اور نیک اعمال کرنے والوں سے بخشش اور بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔''

انکے من جملہ شبہات میں سے ایک لفظ منھم کی وجہ سے اس آیت میں وارد ہونے والا شبہ ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾ (الفتح: ۲۹)

''''محمد اللہ کے رسول ہیں اور آپ کے ساتھی کفار پر سخت اور آپس میں رحم دل ہیں آپ انہیں دیکھو گے کہ رکوع و سجود کر رہے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں ان کی شناخت ان کے چہروں میں سجدہ کا نشان ہے؛ ان کا یہ وصف تورات میں ہے اور انجیل میں ان کا وصف مثل اس کھیتی کے ہے جس نے اپنی کونپل نکالی پھر اسے مضبوط کیا پھر موٹی ہو کر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی کسانوں کو خوش کرنے لگی تا کہ اللہ ان کی وجہ سے کفار کو غصہ دلائے اللہ ان میں سے مؤمنین اور نیک کام کرنے والوں سے بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔''

آیت میں وارد لفظ ''منھم'' اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جن کو یہ رحمت اور مغفرت شامل نہیں ہے اور اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ اس آیت میں بعض صحابہ سے ایمان اور نیک اعمال کی نفی کی گئی ہے۔ اس آیت میں ایک ہی آن میں مدح بھی ہے اور قدح بھی۔ تو جہاں اس آیت میں چند گنے چنے صحابہ کی تعریف کی گئی ہے تو وہیں پر دوسرے صحابہ پر جرح بھی کی گئی ہے۔

## اس شبہ پر رد:

اس شبہ پر ردّ کئی زاویوں سے کیا گیا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اصحاب النبی ﷺ کی انتہائی بلیغ انداز میں مدح وثنا کی گئی ہے اور ان کی عظیم الشان صفات بیان کی گئی ہیں جو کہ دین میں ان کے مقام ومرتبہ پر دلالت کے ساتھ ساتھ ان کے ایمان راسخ، اسلام میں تقدیم اور عمل صالح پر دلالت کرتی ہیں۔

ان کا یہ کہنا کہ لفظ "منهم" جو کہ یہاں پر وارد ہے ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾ (الفتح: ۲۹) یہ تبعیض کے لیے ہے، یہ ایک کھلی ہوئی غلطی ہے۔ اس لیے کہ مفسرین اہل علم کے ہاں یہاں پر ''من'' بیان کے لیے ہے، تو اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اس جنس سے جو لوگ ایمان لائے ہیں، ان سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور وہ حضرات صحابہ ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ﴾ (الحج: ۳۰)

''پس بتوں کی گندگی سے بچو اور جھوٹی بات سے بچو۔''

یہاں پر تبعیض مقصود نہیں ہے، بلکہ یہاں پر جنس کا بیان ہے۔ یعنی اس پلیدی سے بچو جو بتوں کی جنس ہے۔ اس لیے کہ پلیدی کی بھی کئی اقسام ہیں جیسا کہ زنا، سود خوری، شراب نوشی، پلیدی، جھوٹ وغیرہ۔ پس یہاں پر لفظ (من) داخل کرنے کا فائدہ جنس کا بیان ہے۔ تو (منهم) کا معنی ہے: اس جنس سے؛ یعنی جنس صحابہ۔ اور کہا جاتا ہے: اَنْفِقْ نَفْقَتَكَ مِنَ الدَّرَاهِمِ۔ یعنی اِجْعَلْ نَفْقَتَكَ مِنْ هٰذَا الْجِنْسِ۔ ))[1]

## آیت سورت جمعہ میں شبہ:

﴿وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا ِنِ انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾ (الجمعة: ۱۱)

''اور جب وہ کوئی تجارت یا تماشا دیکھتے ہیں تو اس طرف چل پڑتے ہیں اور آپ کو کھڑا چھوڑ جاتے ہیں، فرما دیں: جو اللہ کے پاس ہے وہ تماشے اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ سب سے بہترین رزق دینے والا ہے۔''

کہتے ہیں: اکثر صحابہ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر اس قافلہ کی طرف چلے گئے تھے جو شام سے آیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کو اکیلے جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے چھوڑ گئے تھے......؟[2]

---

[1] تفسير القرطبي: (۱۶/ ۲۹۶) تفسير ابن كثير: (۴/ ۲۴۷)

[2] مختصر التحفة الإثنى عشرية ص (۲۷۱) وينظر: الصافي في تفسير القرآن للكاشاني (۲/ ۷۰۱) وتفسير القمي لعلي بن إبراهيم القمي (۲/ ۳۶۷) ومجمع البيان للطبرسي (۵/ ۲۸۷) وتفسير فرات الكوفي لفرات بن إبراهيم ص (۱۸۵) وأعيان الشيعة لمحسن الأمين (۱/ ۱۱۴) وأضواء على السنة لمحمود أبو رية ص (۳۵۹) وركبت السفينة لمروان خليفات ص (۲۲۳) والإفصاح في إمامة علي بن أبي طالب لمحمد بن النعمان العكبري ص (۳۷۰)

**جواب:**...... یہ قصہ کتب حدیث میں حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو مالک، اور حضرات حسن بصری، ابن زید، قتادہ، اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ سے منقول ہوا ہے۔

مدینہ طیبہ میں شام سے ایک تجارتی قافلہ عین نماز جمعہ کے وقت آیا۔ اور اس نے ڈھول تاشے بجانے شروع کیے تاکہ بستی کے لوگوں کو اس کی آمد کی اطلاع ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ ڈھول تاشوں کی آوازیں سن کر لوگ بے چین ہو گئے اور بارہ آدمیوں کے سوا باقی سب بقیع کی طرف دوڑ گئے جہاں قافلہ اترا ہوا تھا۔

اس قصے کی روایات میں سب سے زیادہ معتبر روایت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ہے جسے امام احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، ابو عوانہ، عبد بن حمید، ابو یعلی وغیرہم رحمہم اللہ نے متعدد سندوں سے نقل کیا ہے۔

اس میں اضطراب صرف یہ ہے کہ کسی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ واقعہ نماز کی حالت میں پیش آیا تھا، اور کسی میں یہ ہے کہ یہ اس وقت پیش آیا جب رسول اکرم ﷺ خطبہ دے رہے تھے۔ لیکن حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کی تمام روایات کو جمع کرنے سے صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ دوران خطبہ کا واقعہ ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جہاں یہ کہا ہے کہ یہ نماز جمعہ کے دوران میں پیش آیا، وہاں دراصل انہوں نے خطبے اور نماز کے مجموعہ پر نماز جمعہ کا اطلاق کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اس وقت بارہ مرد اور ایک عورت تھی۔"❶

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی بات کو ترجیح دی ہے؛ آپ فرماتے ہیں:

"ان حضرات کے اٹھ کر چلے جانے کا واقعہ خطبہ کے دوران پیش آیا نہ کہ نماز کے دوران۔ اور یہ واقعہ اس آیت کے نزول سے پہلے کا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ﴾ [محمد ٣٣]

"اے ایمان والو اللہ کا حکم مانو اور اس کے رسول کا حکم مانو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔"

اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو ابوداؤد نے مراسیل میں بیان فرمائی ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:

یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ نبی کریم ﷺ خطبہ جمعہ نماز جمعہ کے بعد دیا کرتے تھے جیسا کہ عیدین میں اب بھی یہی معمول ہے، ایک جمعہ کے روز یہ واقعہ پیش آیا کہ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک ایک تجارتی قافلہ مدینہ طیبہ کے بازار میں پہنچا............"❷

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے خطبہ کو پہلے کر دیا اور نماز کو بعد میں۔"❸

---

❶ ابن جریر ابن ابی حاتم ❷ رواه ابو یعلی ، ابن کثیر

❸ المنهاج شرح مسلم (٣٣/ ٤١٧) رقم (٨٦٣) وينظر تفسير القرآن العظيم (٤/ ٣٦٧) دارقطنی کی ایک روایت میں چالیس افراد اور عبد بن حمید کی روایت میں سات افراد بیان کیے گئے ہیں۔ اس معاملہ کی مزید تفصیل جاننے کے لیے تفسیر معارف القرآن؛ از مفتی محمد شفیع صاحب؛ اور تیسیر القرآن از عبدالرحمٰن کیلانی صاحب کا مطالعہ کیا جائے۔

## شبهة: یوم حنین میں فرار:

**شبهة:** کثیر تعداد صحابہ کا یوم احد اور یوم حنین میں بھاگ جانا جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَ لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ (آل عمران: ١٥٥)

''بیشک جو لوگ تم میں سے اس دن پیٹھ پھیر گئے جب دو لشکر لڑ پڑے؛ بیشک شیطان نے انھیں ان کے بعض اعمال کی وجہ سے پھسلایا اور یقیناً اللہ نے انھیں معاف کر دیا، بیشک اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت بردبار ہے۔''

یوم احد میں بھاگنا جنگ سے بھاگنے کی ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہے اور اگر یہ بھی کہیں کہ یہ بعد کا واقعہ ہے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کر دیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ (آل عمران: ١٥٥)

''یقیناً اللہ نے انھیں معاف کر دیا، بے شک اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت بردبار ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ان کا عذر قبول فرما کر ان کو معاف کر دیا ہے اور پھر اللہ نے ہی ان کا تزکیہ بیان کیا ہے اور ان کی ثناء و تعریف بیان کی ہے۔ تو کیا پھر اللہ تعالیٰ پر کسی کو اعتراض ہو سکتا ہے۔

اور حنین کے دن بھاگ جانے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ یہ رب سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کا امتحان اور آزمائش تھی جو کہ ان کی تربیت کا حصہ تھی، تاکہ اپنی کثرت تعداد پر اعتماد نہ کریں، بلکہ صرف اور صرف ایک اللہ تعالیٰ پر اعتماد ہونا چاہیے ارشاد ربانی ہے:

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (التوبة: ٢٥-٢٦)

''یقیناً اللہ نے بہت سی جگہوں میں تمھاری مدد فرمائی اور حنین کے دن بھی، جب تمھاری کثرت نے تمھیں خود پسند بنا دیا، پھر وہ تمھارے کچھ کام نہ آئی اور تم پر زمین تنگ ہو گئی، باوجود اس کے کہ وہ فراخ تھی، پھر تم پیٹھ پھیرتے ہوئے لوٹ گئے۔ پھر اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر نازل فرمائی اور وہ لشکر اتارے جو تم نے نہیں دیکھے اور ان لوگوں کو سزا دی جنھوں نے کفر کیا اور کافروں کی یہی جزا ہے۔''

اور یہ بات کسی پر مخفی نہیں ہے کہ اس معرکہ میں وہ لوگ بھی تھے جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔



## صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی باہمی چپقلشیں:

**شبهة**:...... صحابہ ایک دوسرے کو گالی دیتے اور باہم جنگ وقتال کیا کرتے تھے، ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (الحجرات: ۹)

''اور اگر مؤمنین کے دو گروہ لڑ پڑیں تو ان کے مابین صلح کرا دو، پھر اگر دونوں میں سے ایک دوسرے پر ظلم کرے تو ظالم سے لڑو، حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، پھر اگر وہ لوٹ آئے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

**جواب**:...... ان کے آپس میں لڑنے جھگڑنے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایمان اور ایمانی بھائی چارے کو ثابت کیا ہے، جب اس آیت کے مفہوم میں عام اہل ایمان داخل ہیں، تو صحابہ کرام بالاولی اس میں داخل ہیں۔ اہل سنت والجماعت کہتے ہیں: اہل جنت میں داخل ہونے کے لیے خطا اور غلطی سے سلامتی شرط نہیں ہے حتیٰ کہ کبیرہ گناہ سے محفوظ ہونا بھی شرط نہیں۔ یہ جائز ہے کہ کسی آدمی سے صغیرہ یا کبیرہ گناہ ہو جائیں پھر وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان سے توبہ کر لے اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جنتی ہونے کی گواہی دی ہے اور اگر ہمیں یہ نہ بھی معلوم ہو کہ یہ متعین افراد جنت میں جائیں گے، تب بھی ہمارے لیے جائز نہیں تھا کہ ان کے استحقاق جنت میں چند ایسی باتوں کی وجہ سے قدح کریں جن کے بارے میں ہمیں یہ معلوم نہیں کہ ان کی وجہ سے جہنم واجب ہو جاتی ہے۔

## حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالم گلوچ:

**شبهة**:...... صحابہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تکلیف دی اور ان سے جنگ کی اور یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے تھے کہ جس نے علی کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی۔

**جواب**:...... یہ بات جان لیجیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین پیش آنے والا سب سے بڑا اختلاف جو زبان خاص و عام پر ہے، وہ وہ اختلاف ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں پیش آیا۔ جب امت دو دھڑوں میں بٹ گئی اور جمل اور صفین کے واقعات پیش آئے۔ اس کا اصل بنیادی سبب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا واقعہ تھا۔ خواہ کوئی منکر اس حقیقت کا کتنی ہی شدت سے انکار کیوں نہ کرے۔

پہلے واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے تو حضرت طلحہ حضرت زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم بصرہ کی طرف چل پڑے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے خروج کا علم ہوا تو آپ نے مدینہ میں انہیں روکنے کی کوشش کی، تاکہ مسلمانوں میں تفریق پیدا نہ ہو۔ مگر اس میں کامیاب نہ ہوئے۔ پھر آپ نے اپنے

بیٹے حضرت حسن اور حضرت عمار رضی اللہ عنہم کو روانہ کیا تا کہ اہل مدینہ اور اہل کوفہ سے لشکر لے کر آئیں جب یہ لوگ بصرہ پہنچے تو اہل بصرہ اور بیت المال سے اپنی مدد چاہی۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ نے صلح کرنے اور مسلمانوں کی اجتماعیت بحال رکھنے کی کوشش کی؛ دیگر خیر خواہ بھی اس کام میں لگ گئے۔ لیکن قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ بات پسند نہ آئی اور انہوں نے حضرت علی کی اس پالیسی کے برعکس بروز جمعرات عصر کے بعد ۱۰ جمادی الآخر کو لڑائی کی ٹھان لی۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے اور ام المومنین رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور فرمانے لگے: ''اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائیں۔''

انہوں نے کہا: ''اور آپ کی بھی مغفرت فرمائیں؛ میں تو صرف اصلاح کی نیت سے آئی تھی۔''

پھر آپ کو عبداللہ بن خلف کے گھر میں لایا گیا۔ وہاں پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین بار زیارت کی اور آپ نے انہیں مرحبا کہا اور آپ کی بیعت کی۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ آپ کے پاس بیٹھے رہے۔

ایک آدمی نے کہا: اے امیر المومنین! دروازے پر دو آدمی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو برا بھلا کہہ رہے ہیں؟

تو آپ نے قعقاع بن عمر رحمۃ اللہ علیہ کو حکم دیا کہ ان میں سے ہر ایک کے کپڑے اتار کر اسے سو کوڑے لگائے جائیں۔

اور جب آپ نے بصرہ سے خروج کا ارادہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جو کچھ بن سکتا تھا زاد سفر، سواری وغیرہ کا بندوبست کیا اور جو لوگ لشکر میں سے بچ گئے تھے انہیں واپس جانے کی اجازت دی۔ الا یہ کہ کوئی اپنی خوشی سے رہنا چاہے اور آپ کیساتھ چالیس خواتین اور آپ کے بھائی محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی روانہ فرمایا۔

جس دن آپ نے بصرہ سے کوچ فرمایا اس دن حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور دروازہ کے پاس کجاوے کے قریب کھڑے ہو کر کو الوداع کہا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی الوداع کہا اور فرمایا: میرے بیٹے! لوگوں کو ایک دوسرے کی غیبت نہ کرنا چاہیے بیشک میرے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان قدیم سے ویسے ہی تعلقات تھے، جیسے داماد کے ساتھ ہوتے ہیں۔ بیشک آپ بہترین لوگوں میں سے ہیں۔

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ نے سچ کہا: اللہ کی قسم! میرے اور آپ کے تعلقات ویسے ہی تھے۔ بیشک آپ دنیا اور آخرت میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں۔ [تاریخ الطبری: ۳/۶۱.]

اور آپ ام المومنین رضی اللہ عنہا کو الوداع کہتے ہوئے کئی میل تک آپ کے ساتھ چلتے رہے اور ام المومنین رضی اللہ عنہا جب اس کے بعد اس واقعہ کو یاد کرتیں تو اتنا روتیں کہ آپ کا دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا۔

حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے اس حسن سلوک میں دلیل ان لوگوں کے خلاف ہے جو ام المومنین رضی اللہ عنہا سے بغض رکھتے ہیں اور آپ کو کافر کہتے ہیں اور حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کی ندامت اور گریہ وزاری اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اس معرکہ کی غبار سے بھی پاک ہو کر اس دنیا سے اپنے رب تعالیٰ کے پاس گئی ہیں اور آپ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی نیت اچھی تھی۔ کئی علماء نے کہا ہے کہ آپ نے اجتہاد کیا اور اس میں غلطی کھائی۔ مجتہد خطا کار پر کوئی گناہ نہیں ہوتا،

بلکہ اس کے لیے دو میں سے ایک اجر ہے۔

جب کہ حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کا انتقال بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت پر ہوا تھا۔ حکم نے ثور بن مجزاۃ سے نقل کیا ہے، وہ کہتا ہے: یوم جمل کے آخری وقت میں میرا گزر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہوا، ان میں زندگی کی رمق باقی تھی۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا: تم کون ہو؟

میں نے کہا: امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ہوں۔

آپ نے فرمایا: اپنا ہاتھ آگے بڑھاؤ میں بیعت کرتا ہوں۔

میں نے ہاتھ آگے بڑھایا، انہوں نے بیعت کی اور فرمایا یہ علی رضی اللہ عنہ کی بیعت ہے۔ اور ان کی روح پرواز کر گئی۔

میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کو اس معاملہ کی خبر دی۔ تو آپ نے فرمایا: اللہ اکبر، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ طلحہ رضی اللہ عنہ جنت میں داخل ہوں، مگر اس صورت میں کہ میری بیعت ان کی گردن میں ہو۔'' [1]

اور جہاں تک حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں آواز دے کر بلایا اور تنہائی میں ان سے گفتگو کی اور انہیں یہ حدیث یاد دلائی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

''تم ضرور علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرو گے اور تم اس پر ظلم کرنے والے ہوں گے۔''

تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ نے مجھے ایسی چیز یاد دلا دی، جو زمانے نے مجھے بھلا دی تھی۔ کوئی پرواہ نہیں، اب میں آپ سے کبھی بھی نہیں لڑوں گا۔'' [2]

آپ ندامت کے ساتھ لشکروں کے بیچ میں سے نکلے اور وادی سباع میں مظلوم قتل ہوئے۔ آپ کو عمرو بن جرموز نے قتل کیا۔ فریقین کے ہاں ثابت ہے کہ وہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تلوار لے کر آیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملنے کی اجازت چاہی مگر آپ نے اسے اجازت نہیں دی۔

پھر آپ سے کہا گیا وہ زبیر رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے۔''

تو آپ نے فرمایا: کیا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے کو قتل کرنے پر فخر کیا جا رہا ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا: ''صفیہ کے بیٹے کے قاتل کو جہنم کی بشارت دو۔'' [3]

اور حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ جب عمر بن طلحہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کی موت کے بعد آپ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: میرے بھتیجے کو خوش آمدید۔ میں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ میں اور طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

[1] مستدرك الحاكم: (٣/ ٤١٣) الاستيعاب: (٨/ ٥١٥) تاريخ الطبرى: (٣/ ٣٧) [2] سابقه حواله جات
[3] رواه احمد، ح: (٦٨١)

﴿وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ۝﴾ (الحجر: ٤٧)

''اور ہم ان کے سینوں میں جو بھی کینہ ہے نکال دیں گے، بھائی بھائی بن کر تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔'' ❶

یہ آیت کریمہ اور اس طرح کی دیگر نصوص دلالت کرتی ہیں کہ یہ دونوں حضرات اس دنیا سے پاکیزہ اور سلیم دل کے ساتھ تشریف لے گئے تھے۔

دوسرے واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جیسا کہ مورخین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دونوں بیٹوں نے اپنے والد کے خون کا بدلہ لینے کے لیے وکیل مقرر کیا تھا۔

جب آپ کو یہ اطلاع ملی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ جمل سے فارغ ہو کر شام کی طرف چل پڑے ہیں، تو آپ بھی دمشق سے نکل کر صفین کے مقام پر فروکش ہو گئے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو انہیں بیعت کی دعوت دی۔ مگر انہوں نے نہ مانی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین کی سپردگی کا مطالبہ کرنے لگے۔ بہت زیادہ کلام اور گفتگو ہوئی۔ حتیٰ کہ بنو امیہ کے کچھ لوگوں نے الزام لگایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون میں شریک ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ قاتلین عثمان سے براءت کا اظہار کر رہے تھے اور وہ یہ کہہ رہے تھے: اے معاویہ رضی اللہ عنہ! اگر تم اپنی عقل کی آنکھ سے دیکھو، خواہش نفس کی آنکھ سے نہیں، تو آپ دیکھو گے کہ میں دم عثمان رضی اللہ عنہ سے سب سے بڑھ کر بری ہوں۔ پھر ان کے مابین کئی بار جنگ ہوئی۔

معدود چند افراد کے تمام اہل سنت والجماعت یہی کہتے ہیں کہ: اس سارے معاملہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے۔ آپ حق سے ایک بالشت بھی جدا نہیں ہوئے اور ان دونوں واقعات میں آپ سے جنگ کرنے والے خطا کار تھے لیکن کافر نہیں تھے، جیسے دوسرے لوگ کہتے ہیں اور نہ ہی فاسق تھے۔ جیسا کہ معتزلہ میں سے عمریہ کا گروہ کہتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق کے ساتھ ہونا بیان کا محتاج نہیں۔ اور جہاں تک آپ سے لڑنے والوں کے باغی ہونے کا تعلق ہے تو بات یہ ہے کہ حاکم وقت کے خلاف خروج بغاوت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

(( وَيْحَ يَا عَمَّارُ تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ . ))[البخاري: ٤٤٧ .]

''اے عمار! تمہارا نصیب کہ تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا۔''

اور انہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر والوں نے قتل کیا تھا۔ ان کا کافر نہ ہونا اس وجہ سے ہے جو نہج البلاغۃ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے آپ نے ایک دن خطبہ دیا اور فرمایا: ہماری یہ حالت ہو گئی ہے کہ ہم معمولی غلطی، کجی اور شبہات کی وجہ سے اپنے مسلمان بھائیوں کو قتل کرنے لگ گئے ہیں۔'' ❷

❶ الطبقات الكبرى: (٣/ ١١٣)
❷ نهج البلاغة: (٢٣٦)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدَاهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۝﴾ (الحجرات: ۹)

''اور اگر ایمان والوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو دونوں کے درمیان صلح کرا دو، پھر اگر دونوں میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو اس (گروہ) سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے، پھر اگر وہ پلٹ آئے تو دونوں کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں باہم برسرپیکار گروہوں کو مومنین کا خطاب دیا ہے اور ان کے مابین صلح کرانے کا حکم دیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ محارب کافر نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کر لی تھی۔ اس کے بعد تمام لوگوں کے ہاں یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج اور ان سے جنگ کرنے پر ندامت تھی اور آپ اس پر رویا کرتے تھے اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔''

**شبهة**: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور سنت کی تبدیلی:

صحابہ کی اپنے ہی خلافت گواہی کہ انہوں نے سنت نبوی کو بدل دیا تھا۔

اس پر انہوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول اثر سے استدلال کیا ہے، جس میں آپ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقع پر عیدگاہ کی طرف جایا کرتے تھے اور سب سے پہلے نماز سے ابتدا کرتے۔ پھر آپ لوگوں کی طرف منہ موڑ لیتے اور لوگ آپ کے سامنے ہوتے اور اپنی اپنی صفوں بیٹھے ہوتے۔ آپ انہیں وعظ و نصیحت کرتے اور احکام جاری کرتے اور اگر کسی بات کا کوئی فیصلہ کرنا ہوتا تو کر دیتے۔ یا کسی چیز کا حکم دینا ہوتا تو حکم دیتے۔ پھر واپس چلے جاتے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لوگ اسی طریقہ پر تھے، حتیٰ کہ جب ہم مروان کے ساتھ نکلے وہ ان دنوں مدینہ کا گورنر تھا، عید الفطر اور عید الاضحیٰ پر اس کے ساتھ نکلے، جب ہم عیدگاہ پہنچے تو دیکھا کہ وہاں پر منبر تھا جو کہ کثیر بن صلت نے بنایا تھا۔ مروان نماز سے پہلے منبر پر چڑھنا چاہتا تھا۔ میں نے اس کا جبہ پکڑ کر کھینچا، مگر اس نے چھڑا لیا اور منبر پر چڑھ گیا اور خطبہ نماز سے پہلے دیا۔ میں نے اس سے کہا: اللہ کی قسم! تم بدل گئے ہو، اس نے کہا: ابوسعید جو کچھ تم جانتے ہو وہ گزر چکا ہے تو میں نے کہا: اللہ کی قسم! جو کچھ میں جانتا ہوں وہ اس سے بہتر ہے جو میں نہیں جانتا۔ تو اس نے کہا لوگ نماز کے بعد نہیں بیٹھا کرتے تھے، تو میں نے خطبہ کو نماز سے پہلے کر دیا۔ [1]

[1] البخاری: (۹۵٦)

معترضین کا کہنا یہ ہے کہ: ''اکثر بنوامیہ صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ اور ان کا خیال ہے کہ ان کے بڑے سردار معاویہ بن ابو سفیان تھے۔ آپ لوگوں کو مجبور کرتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منبر پر گالی دیں اور ان پر لعنت کریں۔ امام مسلم نے اپنی صحیح مسلم میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ایسی روایات ذکر کی ہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تمام شہروں میں خطیبوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ ایک سال تک حضرت علی رضی اللہ عنہ پر منبروں پر چڑھ کر لعنت کریں۔

اس شبہ پر علماء کا رد:

(۱) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے اثر کی روشنی میں یہ سمجھنا کہ صحابہ نے سنت نبوی کو بدل دیا تھا، یہ بہت بڑی عجیب بات ہے۔ اس روایت میں ان کے دعویٰ پر کوئی دلیل موجود نہیں۔ بلکہ اس میں دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام سنت کو قائم رکھے ہوئے تھے اور وہ مخالفین سنت پر بہت سخت انکار کرتے تھے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ یہ جلیل القدر صحابی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ مروان کے نماز عید سے پہلے خطبہ دینے پر انکار کر رہے ہیں اور مروان بن الحکم صحابہ میں سے نہیں تھا۔ اس کا صحابی ہونا ثابت نہیں ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو وہ بہت چھوٹی عمر کا تھا اور طائف میں مقیم تھا۔ پس اس بنیاد پر مروان کے فعل کا بوجھ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذمہ نہیں ڈالا جا سکتا اور ایسا کرنا کیسے ممکن ہوسکتا ہے جب کہ حاضرین صحابہ اس کا انکار کر رہے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ۔

(۲) نماز عید میں خطبہ کو نماز سے مقدم کرنا اگرچہ خطا ہے لیکن علماء کا یہ قول بھی ہے کہ یہ مجتہد کا فعل ہے۔

(۳) یہ کہنا کہ اکثر اموی صحابہ تھے۔ یہ بات درست نہیں ہے۔ ان میں سے ولایت صرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوئی ہے جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت عہد خلفائے راشدین میں سے تھی۔

(۴) اور یہ کہنا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ برسر منبر لوگوں کو حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر سب و شتم اور لعنت کرنے کا حکم اور ترغیب دیا کرتے تھے۔ اس دعوی پر صحیح دلیل کی ضرورت ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایسی تہمتوں سے بری ہیں۔ آپ کے دینی فضائل ثابت شدہ ہیں۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے اور ایسی سیرت کے انسان سے یہ انتہائی بعید اور محال ہے کہ وہ لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لعنت کرنے کی ترغیب دے۔

اس افتراء پردازی پر صحیح مسلم کی اس روایت سے استدلال کیا گیا ہے جو کہ عامر بن سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں:

''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تمہیں ابوتراب کو گالی دینے سے کس چیز نے روکے رکھا؟

تو انہوں نے فرمایا کیا: ''تمہیں وہ تین باتیں یاد نہیں ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھیں۔ پس میں تو ہرگز ان کو گالی نہیں دوں گا۔ اگر ان تین میں سے ایک بات بھی میرے لیے ہوتو وہ سرخ اونٹوں سے بڑھ کر

بہتر ہے۔''❶

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ''اس میں تصریح نہیں ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالی دیں۔ بلکہ آپ نے اس سبب کے بارے میں پوچھا تھا جو آپ کے گالی دینے میں مانع تھا۔ گویا کہ آپ یہ پوچھ رہے تھے کہ کیا آپ تقوی اور ورع کی وجہ سے گالی نہیں دے رہے تھے یا خوف کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے۔ اگر تمہارا ایسا کرنا تقوی اور ورع اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اجلال کی وجہ سے تھا تو تم راہ راست پر؛ حق پر تھے اور اگر کوئی دیگر سبب تھا، تو اس کا جواب بھی کوئی دیگر ہو سکتا ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کرتے تھے، مگر آپ ان کے ساتھ سب وشتم نہیں کرتے تھے۔ مگر ان کو منع بھی نہیں کر سکتے تھے۔ یا پھر آپ نے ان کو بھی منع کیا ہوگا، اس وجہ سے یہ سوال پوچھا گیا۔❷

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے یہ پوچھنا کہ آپ کس وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا نہیں کہتے تھے؟ اس میں ان کو گالی دینے کی صراحت نہیں ہے۔ بلکہ اس میں اس امتناع کے سبب کے بارے میں سوال ہے تا کہ ان کے شبہات دور ہوں جو حضرت کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ (اور آپ کے اردگرد موجود ہیں) جیسا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے جواب سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ جواب سنا تو خاموش ہو گئے اور سر تسلیم خم کر لیا اور حق دار کے حق کی معرفت کرا دی۔❸

حضرت امیر اس سے بری ہیں کہ ان سے ایسا فعل صادر ہو۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بہت تعظیم بجا لاتے، آپ کی سبقت اسلام اور فضائل کے معترف تھے۔ جیسا کہ آپ سے مختلف اقوال میں ثابت ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ابو مسلم خولانی اور ان کے ساتھ ایک جماعت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور ان سے کہنے لگے: کیا آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تنازع کر رہے ہیں یا آپ بھی ان جیسے ہیں؟۔

تو آپ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں کہ آپ مجھ سے بہت زیادہ بہتر ہیں اور مجھ سے زیادہ خلافت کے حق دار ہیں ......۔''❹

اور ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ جب آپ تک حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر پہنچی تو رونے لگ گئے۔ تو آپ کی بیوی نے کہا: اب تم اس پر روتے ہو اور اس سے پہلے ان سے جنگیں کرتے تھے۔ تو آپ نے فرمایا:

''تمہاری بربادی ہو، تم نہیں جانتی کہ لوگوں نے کیا علم وفضل اور فقہ کو کھو دیا ہے۔''❺

---

❶ مسلم: (٢٤٠٤) ❷ شرح مسلم: (٥/ ١٧٥) ❸ المفهم: (٦/ ٢٧٨)
❹ البداية و النهاية: (٨/ ١٣٢) ❺ نفس المصدر: (٨/ ١٣٣)

تو کیا عقل یا دین کے اعتبار سے یہ جائز ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالی دیں یا لوگوں کو آپ کو گالی دینے کی ترغیب دیں، جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ کا اپنا عقیدہ یہ تھا۔

کسی ایک بھی صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی ساری زندگی میں جنگ یا امن کی حالت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالی دی ہو۔

تو پھر کیا یہ معقول بات ہے کہ جنگ ختم ہونے یا آپ کی وفات کے بعد آپ کو گالی دی جائے۔ پھر یہ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے تنازل کے بعد خلافت میں منفرد تھے اور تمام لوگوں کا آپ کی خلافت پر اجماع ہو گیا تھا اور تمام بلاد وامصار آپ کے سامنے سر تسلیم خم کر چکے تھے، اب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالی دینے میں کون سا فائدہ تھا؟

## **شبهة**: حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور نماز کی تبدیلی:

حضرات صحابہ نے نماز بدل دی تھی؟

ایک شبہ یہ بھی پھیلایا جا رہا ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے نماز میں تبدیلی کر دی تھی۔

ایک معترض کہتا ہے: ''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کی کسی چیز کی شناخت نہیں ہوتی۔

آپ سے پوچھا گیا: کیا نماز بھی؟

تو فرمایا: کیا تم نے فلاں فلاں چیزیں ضائع کر کے نماز کو بھی ضائع نہیں کر دیا۔''

امام زہری کہتے ہیں: ''میں دمشق میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، تو آپ رو رہے تھے میں نے پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں؟۔

تو فرمایا: جو چیزیں ہم نے پائی تھیں ان میں کوئی ایک بھی نظر نہیں آ رہی اور یہ نماز بھی تم نے ضائع کر دی۔ اور نماز میں سب سے پہلے تبدیلی کرنے والے حضرت عثمان اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

امام بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے کہ: ''بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں دو رکعت نماز پڑھی، آپ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایسے ہی کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے ابتدائی دور میں اسی پر قائم رہے۔ پھر آپ نے چار رکعت پڑھنا شروع کر دی۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے، زہری نے کہا ہے:

''میں نے حضرت عروہ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ سفر میں نماز پوری پڑھتی ہیں، تو انہوں نے کہا: آپ بھی ایسے ہی تاویل کرتی ہیں جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تاویل کرتے تھے۔''

## علماء کے ردود:

اس شبہ میں دو احادیث میں خلط ملط کر دیا گیا اور ان دونوں کو ملا کر ایک کر دیا ہے:

۱۔ پہلی حدیث مہدی بن غیلان نے حضرت انس رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے، جس میں ہے آپ نے فرمایا:
''عہد رسالت مآب کی کوئی بھی چیز اب پہچانی نہیں جا رہی۔ آپ سے پوچھا گیا کیا نماز بھی؟
تو آپ نے فرمایا: ''کیا ابھی تم نے وہی کچھ نہیں کیا جو تم نے نماز میں کیا۔'' ❶

۲۔ دوسری حدیث عبدالعزیز کے بھائی عثمان بن ابی رواد سے روایت کی گئی ہے، اس میں ہے وہ کہتے ہیں میں نے سنا کہ زہری رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے تھے کہ میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا (دمشق میں) آپ رو رہے تھے میں نے پوچھا: آپ کو کس چیز نے رلا دیا ہے؟ تو فرمایا: جو چیزیں ہم نے پائی تھیں، ان سے کچھ بھی معلوم نہیں ہو رہا، سوائے اس نماز کے اور یہ نماز بھی ضائع کر دی گئی ہے۔'' ❷

جہاں تک حضرت انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی روایت کا تعلق ہے، تو آپ کے یہ فرمانے کا مقصد کچھ اور تھا کہ اَلَیْسَ صَنَعْتُمْ مَا صَنَعْتُمْ فِیْهَا۔ مطلب یہ تھا کہ نماز میں تاخیر کرتے تھے، حتیٰ کہ اس کا وقت نکل جاتا۔ اور یہ واقعہ حجاج بن یوسف کے زمانہ کا ہے، صحابہ کے زمانہ کا نہیں۔

حضرت انس کی دوسری حدیث جو کہ زہری نے روایت کی ہے، وہ بھی حجاج کے عراق پر عہد امارت کے دور کی بات ہے اور حضرت انس دمشق اس لیے تشریف لائے تھے تاکہ خلیفہ کے پاس حجاج کی شکایت کر سکیں۔ اس وقت میں خلیفہ ولید بن عبدالملک تھا، حضرت انس کا یہ فرمان کہ:

''جو کچھ ہم نے پایا تھا اس میں سے کسی چیز کی پہچان نہیں ہو رہی، سوائے اس نماز کے اور یہ بھی تم نے ضائع کر دی ہے۔ یہ اس کو بھی تم وقت سے تاخیر کر کے پڑھتے ہو۔''

اور یہ بات صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ حجاج اور اس کا امیر الولید نماز کو دیر سے پڑھا کرتے تھے۔ عبدالرزاق نے ابو جریج سے اور انہوں نے عطا سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں: ولید نے جمعہ میں اتنی تاخیر کی حتیٰ کہ شام ہو گئی۔ میں آیا تو بیٹھنے سے قبل ظہر کی نماز پڑھ لی، پھر عصر کی نماز پڑھی، میں بیٹھا ہوا تھا اور وہ خطبہ دے رہا تھا۔

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الصلاۃ میں ابوبکر بن عتبہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں میں نے ابو جحیفہ کے پہلو میں نماز پڑھی۔ حجاج نے نماز میں دیر کر کے شام کر دی۔ تو ابو جحیفہ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھ لی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ حجاج بن یوسف کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرتے تھے، جب اس نے نماز میں تاخیر کرنا شروع کر دی تو آپ نے اس کے پیچھے نماز پڑھنا ترک کر دیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اس اطلاق سے ہرگز یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ بات تمام اسلامی شہروں میں پائی جاتی تھی۔ بلکہ آپ اپنا وہ مشاہدہ بیان کر رہے ہیں جو آپ نے بلاد شام اور بصرہ میں امراء کے ہاں دیکھا تھا۔ کیونکہ آپ مدینہ بھی تشریف لائے تھے، مگر وہاں پر آپ نے کسی چیز کا انکار نہیں کیا، ہاں یہ ضرور ارشاد فرمایا: تم لوگ صفیں سیدھی نہیں کرتے۔

❶ البخاری، برقم: (٥٢٩) ❷ البخاری: (٥٣٠) ❸ البخاری: (٧٣٤)

اس کا سبب یہ تھا کہ جب آپ مدینہ تشریف لائے تو اس وقت یہاں کے امیر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تھے۔
[حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بلا ریب پابند سنت انسان تھے؛ اس وجہ سے شکایت کا موقعہ نہیں ملا]۔
تنقید نگار کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے نماز کو بدل دیا تھا۔
تو ہم کہتے ہیں کہ: ''یہاں پر مقصود سفر کی نماز ہے، اس کو پورا پڑھا جائے، یا قصر کیا جائے۔ اس معاملہ میں اختلاف کے متعلق فقہ کا ادنی علم رکھنے والا بھی جانتا ہے۔ یہ اختلاف حضرات صحابہ سے مروی چلا آ رہا ہے۔ یہاں سے ہمیں یہ علم بھی ہوتا ہے کہ سفر میں قصر کرنا ایک رخصت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور دیگر تمام رخصتوں کی طرح اس میں بھی اختیار ہے کہ اسے اپنا جائے یا ترک کر دیا جائے۔ پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نماز میں کوئی تبدیلی نہیں کی کہ انہوں نے فجر کی نماز چار رکعت پڑھ دی ہو، یا مغرب کے فرض قصر کر کے ایک رکعت پڑھ دی ہو۔

**شبہۃ: صحابہ اور عدم اتباع نبوی:**

صحابہ کی اپنے خلاف عدم اتباع نبوی کی گواہی۔
اس بارے میں وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے دلیل پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا:
''تم میرے بعد نفسا نفسی دیکھو گے۔ پس تم صبر کرنا، حتیٰ کہ حوض کوثر پر اللہ اور اس کے رسول سے جا ملو۔''
حضرت انس کہتے ہیں: ''ہم نے صبر نہیں کیا۔''
اور حضرت علاء بن المسیب اپنے والد محترم سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: ''میری ملاقات حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ہوگئی۔ میں نے کہا: ''آپ کے لیے خوش نصیبی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی اور درخت کے نیچے بیعت کی۔'' تو آپ نے فرمایا: اے میرے بھتیجے: آپ کو پتا نہیں کہ اس کے بعد ہم نے کیا کچھ ایجاد کر لیا۔'' [1]
جب یہ جلیل القدر صحابی، جو کہ سابقین اولین میں سے ہیں اور انہوں نے درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گئے اور ان کے دلوں کا حال معلوم کر لیا اور انہیں بہت قریب کی فتح سے نوازا۔ وہ اپنے خلاف اور اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف گواہی دے رہے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نئی چیزیں ایجاد کر لی تھیں۔ یہ گواہی اس کے بالکل مصداق ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی اور آگاہ کیا تھا کہ آپ کے صحابہ آپ کے بعد بدعات ایجاد کریں گے اور اپنی ایڑیوں کے بل پھر کر مرتد ہو جائیں گے۔ پس کیا اب کسی عاقل کے لیے یہ تصدیق کرنا ممکن ہے کہ حضرات صحابہ سارے عادل ہیں جیسا کہ اہل سنت والجماعت کہتے ہیں۔

*ردود العلماء:*

امام زہری سے یہ وارد ہے وہ کہتے ہیں، مجھے حضرت انس بن مالک نے خبر دی کہ: جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مال ہوازن فئے میں عطا فرمایا، تو انصار میں سے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق کہنے لگے:

[1] البخاری: (٤١٧٠)

''آپ نرم پڑ گئے ہیں، اور قریش کے ایک ایک آدمی کو سو سو اونٹ دینے لگے ہیں۔''

اور یہ بھی کہا: ''اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی مغفرت فرمائیں، آپ ہمیں چھوڑ کر قریش کو دے رہے ہیں اور ہماری تلواروں سے ان کا خون ٹپک رہا ہے۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''یہ بات رسول اللہ ﷺ کو بتائی گئی، تو آپ نے انصار کو چمڑہ کے ایک خیمہ میں جمع کیا، ان کے علاوہ کسی اور کو ساتھ نہیں بلایا جب یہ لوگ جمع ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: ''آپ کی طرف سے یہ بات مجھ تک پہنچی ہے۔''

تو ان کے عقلمند لوگ کہنے لگے: یا رسول اللہ! ہم میں سے اہل رائے میں سے کسی نے کچھ نہیں کہا۔ جب کہ ہمارے چھوٹی عمر کے لوگوں نے ایسا کچھ کہا ہے۔ ❶

یہ حدیث جیسا کہ ظاہر ہے انصار کے فضائل میں سے ہے اس سے رسول اللہ ﷺ کی انصار سے محبت ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ ''ہم نے صبر نہ کیا'' یہ صرف ان کی رائے ہو سکتی ہے تو اسے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حجت نہیں بنایا جا سکتا۔ آپ سے اس قول میں خطا بھی ہو سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ کسی بھی شارح حدیث نے ان زیادہ الفاظ پر کوئی توجہ نہیں دی۔

☆...... یہ بات شرعاً اور عقلاً جائز نہیں کہ کسی صحابی کا ایسا قول جس سے جرح و تنقید کا کوئی پہلو نہ نکلتا ہو، اسے مدح صحابہ میں وارد تمام آیات اور احادیث اور خصوصاً مدح انصار کے مقابلہ میں حجت مان لیا جائے۔

☆...... رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا کہ ''فاصبروا......'' اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اگر انہوں نے صبر نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے حوض پر نہیں ملیں گے۔ یہاں پر لفظ ''حتی'' بمنزلت ''الی'' ہے یہاں پر کوئی شرطیہ لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔ یوں نہیں کہا گیا کہ اگر تم صبر کرو گے تو مجھ سے حوض پر ملو گے۔ تاکہ یہ لفظ ان میں کی مدح یہ طعنہ نہ بن سکے۔

☆...... شاید کہ حضرت انس کے اس فرمان کا مقصد ان کی قوم کا پہلے مرحلہ میں خلافت سے متعلق موقف اور مہاجرین سے تنازع ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جو واقعہ حضرت انس نے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انصار کا ایک آدمی رسول اللہ ﷺ سے علیحدگی میں گفتگو کرنے لگا، اس نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے ایسے عامل نہیں بنائیں گے جیسے فلاں کو بنایا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میرے بعد اپنے اقارب کی ترجیح جو دیکھو گے۔ پس تم صبر کرنا حتیٰ کہ حوض پر مجھ سے آملو۔'' ❷

خصوصاً جب کہ حدیث میں وارد لفظ ''اثرۃ'' کا معنی ترجیح دینا اور امور دنیا کو خاص کرنا ہے۔

❶ البخاري: (٣١٤٧)

❷ البخاري: (٣٧٩٢) مسلم: (١٨٤٥)

☆...... حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان ''انک لا تدری ما احدثنا بعدہ'' اس میں ان کے مابین پیش آنے والی جنگوں کی طرف اشارہ ہے۔ آپ ان کے انجام سے خوفزدہ تھے۔ یہ آپ کے علم وفضل کا کمال تھا۔ اور یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان جنگوں میں شریک تھے۔ تو پھر یہ خطاب اس تنقید نگار کی سمجھ کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی لازمی طور پر شامل ہے۔ تو آپ کا شمار بھی ان لوگوں میں ہوگا جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نئی ایجادات کیں۔ لیکن واجب البیان حق یہ ہے کہ ان دو روایات کی وجہ سے قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کے اتنے بڑے مجموعہ کو رد نہیں کیا جا سکتا جس میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی مدح و تعریف کرتے ہوئے ان سے رضامندی کا اظہار کیا ہے اور ان میں سے کسی ایک سے خطا ہو جانے کی وجہ سے ان کی ظاہری اور باطنی طہارت اور فضائل ک انکار نہیں کیا جا سکتا۔

## اختلاف صحابہ اور امت کی محرومی:

**شبہۃ:** صحابہ کے اختلاف کی وجہ سے امت عصمت سے محروم ہوئی اور ان میں تفرقہ اور اختلاف پیدا ہوا۔

☆...... ان میں سے ایک تنقید نگار کہتا ہے: تمام مشکلات کی بنیاد صحابہ میں ہیں۔ انہوں نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے ایک تحریر لکھوا دیں جو کہ قیامت تک انہیں گمراہی سے محفوظ رکھ سکے۔ اور ان کے اس اختلاف نے امت اسلامیہ کو اس فضیلت سے محروم کیا اور گمراہی کے گڑھوں میں گرا دیا۔ حتیٰ کہ امت منقسم ہو کر گروہوں میں بٹ گئی۔ اس تنازع کی وجہ سے ان کے پاؤں پھسل گئے اور ہوا اکھڑ گئی۔ انہوں نے خلافت میں اختلاف کیا اور حزب اختلاف اور حزب اقتدار میں بٹ گئے جو کہ امت مسلمہ کی پسماندگی کا سبب بنا۔ شیعان علی اور شیعان معاویہ دو گروہ سامنے آئے اور انہوں نے کتاب اللہ کی تفسیر میں اختلاف کیا۔ احادیث رسول اختلاف کی نظر ہوئیں جس کے نتیجہ میں فرقے، مذاہب اور گروہ پیدا ہوئے۔ اس کے نتیجہ میں اہل کلام کے مختلف مکاتب فکر اور مدارس سامنے آئے اور مختلف قسم کے فلسفات کا ظہور ہوا۔ جس کا نتیجہ سیاسی اختلاف تھا جس کے پیچھے حکومت تک پہنچنے کی امیدیں اور کوششیں کارفرما تھیں۔ اگر صحابہ نہ ہوتے تو مسلمانوں میں اختلاف اور تفرقہ پیدا نہ ہوتا۔ ہر وہ اختلاف جو پیدا ہو چکا ہے یا پیدا ہوگا، تو اس کی اصل صحابہ کا اختلاف تھا۔

الرد: اس تنقید نگار کا اشارہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کی طرف ہے، آپ فرماتے ہیں:

''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف بڑھ گئی؛ تو آپ نے فرمایا: ''لکھنے کے لیے کوئی چیز لاؤ کہ میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہی میں کبھی نہ پڑ سکو گے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت تکلیف ہے وصیت لکھنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے پاس قرآن ہے اور ہمارے لئے کتاب اللہ ہی کافی ہے۔''

اس کے بعد گھر میں موجود لوگ جھگڑنے لگے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ؛ میرے پاس ہو کر یہ تنازعہ اور اختلاف زیب نہیں دیتا۔''❶

اس کتاب میں اس شبہ پر ہم پہلے سے رد کر چکے ہیں۔

ان کا یہ کہنا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلاف کی وجہ سے امت اسلامیہ عصمت سے محروم ہوئی؛ اور قیامت تک کے لیے گمراہی اور اختلافات کی نظر ہوگئی......''

جواب: تو اس کا جواب یہ ہے کہ: یہ بات بالکل باطل ہے۔ اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو اس چیز کی تبلیغ نہیں کی تھی جو انہیں گمراہی اور تفرقہ بازی سے محفوظ رکھے۔ اور نہ ہی آپ نے صحابہ کے اختلاف کی وجہ سے اپنے رب کی شریعت کی تبلیغ کی؛ حتی کہ آپ کا انتقال ہوگیا۔ اور اس طرح آپ نے اپنے رب کے اس حکم کی مخالفت کی ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُۥ وَٱللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ ٱلنَّاسِ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلْكَٰفِرِينَ۝﴾ (المائدة: ٦٧)

''اے رسول! پہنچا دے جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اور اگر تو نے نہ کیا تو تو نے اس کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ تجھے لوگوں سے بچائے گا۔ بے شک اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

حقیقت تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر وہ بات لوگوں تک پہنچا دی تھی جس کا آپ کو حکم دیا گیا تھا۔ دین اور عقل کا تقاضا ہرگز اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ اگر یہ تحریر واقعی ہی اتنی اہم تھی تو رسول اللہ ﷺ اس کا لکھوانا اس سخت اور تنگ وقت تک مؤخر کرتے۔ اور اگر اس میں تاخیر کر بھی دی تھی؛ تو پھر صرف صحابہ کے اختلاف کی وجہ سے اس کا لکھوانا ترک نہ کرتے۔''❷

اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں یہ بات ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بسا اوقات اپنے اجتہاد کی وجہ سے کسی مسئلہ میں آپ سے رجوع کرتے؛ مگر آپ ان کی باتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو ترک نہیں فرمایا کرتے تھے۔

جیسا کہ حج کو عمرہ میں فسخ کرنے کے بارے میں بعض ان صحابہ نے آپ سے گفتگو کی تھی جو اپنے ساتھ قربانی کا جانور نہیں لائے تھے۔ یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔

ایسے ہی حدیبیہ کے موقع پر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آپ سے رجوع کرنا؛ اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت کے مسئلہ پر گفتگو کرنا بھی ثابت ہے۔ تو پھر کیا یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ آپ اپنے رب کے ایسے حکم کو ان کے اختلاف کی وجہ سے ترک کر دیں جو ان سابقہ احکام سے بھی زیادہ عظیم اور اہم ہو؟۔

چلو تصور کر لیتے ہیں کہ آپ نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ اس وقت یہ تحریر لکھوانے کا ارادہ صحابہ کے اختلاف کی وجہ

❶ البخاري: (١١٤) مسلم: (١٧٧٣)
❷ مختصر تحفه اثنى عشريه (٢٥١)

سے ترک کر دیا۔تو پھر بعد میں اس عہد کے لکھوانے میں کون سی چیز مانع تھی۔اور یہ بات ثابت ہے کہ آپ اس واقعہ کے بعد چند دن تک بقید حیات رہے۔

صحیحین کی روایت کے مطابق آپ ﷺ کی وفات بروز پیر ہوئی ہے۔اور یہ واقعہ بالاتفاق جمعرات کے دن کا ہے۔اسی دن کے متعلق کہا جارہا ہے کہ آپ کو یہ اندیشہ لگا کہ آپ کی بات نہیں مانی جائے گی؛اور اس سے تعارض کیا جائے گا۔جیسا کہ پہلے آپ کے پاس اختلاف ہو چکا تھا۔

ہم کہتے ہیں:اس سے آپ کو کوئی نقصان نہیں ہوسکتا تھا؛اس لیے کہ آپ کے ذمہ صرف بات کا پہنچانا تھا۔جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا﴾[النساء ۸۰]

''جو رسول کی فرمانبرداری کی؛تو بے شک اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی اور جس نے منہ موڑا تو ہم نے آپ کو ان پر کوئی نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔''

جب یہ بات باتفاق المسلمین ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی تحریر تادم وفات نہیں لکھوائی؛تو ہمیں یہ معلوم ہوگیا کہ یہ اس دین کا حصہ نہیں تھا جس کی تبلیغ کا آپ کو حکم دیا گیا تھا۔

❀ معترضین کا یہ کہنا کہ:''انہوں نے خلافت میں اختلاف کیا اور حزب اختلاف اور حزب اقتدار میں بٹ گئے جو کہ امت مسلمہ کی پسماندگی کا سبب بنا۔شیعان علی اور شیعان معاویہ دو گروہ سامنے آئے......''

جواب:تو اس کا جواب یہ ہے کہ:حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں اختلاف خلافت کے مسئلہ پر نہیں تھا؛بلکہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے مطالبہ کی وجہ سے تھا۔

❀ معترضین کا یہ کہنا کہ:''اور انہوں نے کتاب اللہ کی تفسیر میں اختلاف کیا۔احادیث رسول اختلاف کی نظر ہوئیں جس کے نتیجہ میں فرقے،مذاہب اور گروہ پیدا ہوئے،اس کے نتیجہ میں اہل کلام کے مختلف مکاتب فکر اور مدارس سامنے آئے اور مختلف قسم کے فلسفات کا ظہور ہوا جس کا نتیجہ سیاسی اختلاف تھا جس کے پیچھے حکومت تک پہنچنے کی امیدیں اور کوششیں کارفرما تھیں۔اگر صحابہ نہ ہوتے تو مسلمانوں میں اختلاف اور تفرقہ پیدا نہ ہوتا۔ہر وہ اختلاف جو پیدا ہو چکا ہے یا پیدا ہوگا،تو اس کی اصل صحابہ کا اختلاف تھا......''

جواب:یہ سب سے بڑی تلبیس اور جعل سازی ہے۔اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر ایسا الزام ہے جس سے وہ عند اللہ بری ہیں۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے جو معمولی اختلاف تفسیر یا فہم حدیث میں منقول ہے؛اس کی وجہ سے تو علیحدہ فقہی مکاتب؛فلسفی مدارس اور علم کلام کے مباحث تو نہیں پیدا ہوئے۔بلکہ اس اختلاف کی حقیقت میں دو بنیادیں ہیں:

۱۔اختلاف تنوع ۲۔اختلاف تضاد۔

جہاں تک اختلاف تضاد کا تعلق ہے؛ خواہ وہ تفسیر میں ہو یا فہم حدیث یا احکام میں؛ اس کی تعداد بہت کم ہے۔ نیز اس کا تعلق دین کے عام اور مشہور اصولوں سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ اختلاف بعض ان دقیق مسائل سے تعلق رکھتا ہے جو اجتہاد میں محل نظر ہیں۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی؛ تو جان لیجیے کہ یہ تمام بدعتی فرقے؛ اپنی کثرت اور اختلاف مشارب کے باوجود ان میں سے کسی ایک کا بھی تعلق کسی ایک صحابی سے بھی نہیں ہے۔

اور نہ ہی یہ اپنی بدعات میں کسی صحابی کے قول کو بطور دلیل کے پیش کرتے ہیں۔ اگر چہ بعض فرقے دعوی کی حد تک اپنے آپ کو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی طرف منسوب کرتے ہیں؛ لیکن عند اللہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے موجدین اور مؤسسین وہی بدعات کے سرغنے ہیں۔ جو یا تو اصل میں کافر تھے؛ یا پھر ایسے کھلے ہوئے منافق تھے جن کا نفاق امت پر صاف ظاہر تھا۔

# صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور نصوص کے مقابلہ میں اجتہاد

اس شبہ کی اصل حقیقت یہ ہے کہ معترضین کہتے ہیں کہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نصوص کے مقابلہ میں اجتہاد کیا کرتے تھے۔ اور سب سے پہلے اس کا دروازہ کھولنے والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ایک تنقید نگار کہتا ہے:

''میں اپنی بحث و تحقیق میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ امت اسلامیہ کو توڑ کر رکھ دینے والی مصیبت صریح نصوص کے مقابلہ میں وہ اجتہاد ہے جس کی عادت صحابہ کو پڑ چکی تھی۔ اس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کو پامال کیا۔ اور سنت نبوی کو مٹا کر رکھ دیا۔ صحابہ کے بعد علمائے امت اور ائمہ صحابہ کے اجتہادات پر قیاس کرنے لگے۔ اس دوران بعض دفعہ اس وقت نصوص نبوت کو بھی پس پشت ڈال دیتے جب وہ افعال صحابہ سے متعارض ہوتیں۔ اس دروازے کے کواڑ کھولنے والی سب سے پہلی شخصیت دوسرے خلیفہ حضرت عمر بن خطاب ہیں؛ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قرآنی نصوص کے مقابلہ میں اپنی آراء سے کام لیا۔ مؤلفۃ القلوب کا جو حصہ اللہ تعالیٰ نے زکواۃ میں فرض کیا تھا؛ اسے ختم کر ڈالا؛ اور کہنے لگے: ہمیں اب تمہاری ضرورت نہیں ہے۔''

## اس شبہ پر رد:

اہل نظر محققین کے ہاں دلیل کے بغیر کوئی بھی دعوی کوئی قیمت نہیں رکھتا۔ اس تنقید نگار نے اپنے دعوی کے حق میں کوئی ایک دلیل بھی ایسی پیش نہیں کی جس سے اس کا دعوی ثابت ہو سکے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر یوں طعنہ زنی کرنا درحقیقت اس نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم پر طعنہ زنی ہے جنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت ؛ خلفائے راشدین کی سنت کی اتباع کا حکم دیا تھا۔ جیسا کہ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم پر واجب ہے کہ میری اور میرے خلفا راشدین مہدیین (ہدایت یافتہ) کی سنت کو لازم پکڑو۔ تم لوگ اسے (سنت کو) دانتوں سے مضبوطی سے پکڑ لو۔'' [1]

ایسے ہی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں بالخصوص حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی اقتدا کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

''میرے بعد ان دو کی اقتداء کرو؛ یعنی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما۔'' [2]

---

[1] رواہ الترمذی (٢٦٧٦) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[2] رواہ الترمذی (٣٦٦٢)

اگر اس تنقید نگار کے دعوی کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنی رائے پر عمل کرتے تھے؛ اور سنت کو انہوں نے پس پشت ڈال دیا تھا؛ اور آپ نے سب سے قبل تحریف اور تبدیلی کی۔ تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی امت کے ساتھ دھوکہ سے کام لیا ہے۔ اور آپ نے امت کی خیر خواہی کا حق ادا نہیں کیا۔ کیونکہ آپ نے امت کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر فرض کریں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حال رسول اللہ ﷺ پر مخفی رہ گیا تھا؛ تو کیا اللہ رب العالمین پر بھی آپ کا حال مخفی تھا[ کہ وہ ما ینطق عن الھوی والی زبان جب آپ کی اقتداء کا حکم دے رہی تھی تو ممانعت کی وحی نہیں آئی ]۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خیر اور حق و ہدایت پر تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان صحابہ نے؛ جنہیں اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں ہوا کرتی تھی؛[ عادل اور حق پر ہونے کی ] گواہی دی ہے اور یہ کہ آپ ان کے مابین کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے۔ اور اس راہ پر چلتے تھے جس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں گامزن رہے تھے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ آپ کے زخمی ہونے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جمع ہو گئے؛ اور آپ سے کہنے لگے:

''اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دیں؛ آپ ہم میں کتاب اللہ اور اپنے دونوں اصحاب کی سنت کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے۔ آپ اس کو چھوڑ کر کسی دوسری طرف نہیں گئے۔ جزاک اللہ احسن الجزاء۔'' ❶

یہی وجہ ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ آپ پر رشک کیا کرتے تھے؛ اور یہ تمنا کیا کرتے تھے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اعمال جیسے عمل لیکر جا ملیں۔

یہ کہنا کہ: ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مؤلفۃ القلوب کا حصہ ختم کر دیا''؛ یہ قول شریعت اور مقاصد شریعت سے جہالت پر مبنی ہے۔ مؤلفۃ القلوب کا حصہ بعض بڑے لوگوں اور سرداروں کی اسلام کی طرف تالیف قلب کے لیے فرض کیا گیا تھا۔ کیونکہ اس وقت اسلام کو ان کی ضرورت تھی۔ جب اسلام کو قوت نصیب ہو گئی؛ اور اس کے ماننے والوں کی تعداد کثرت سے ہو گئی؛ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اس بات پر اجماع ہو گیا کہ اب مؤلفۃ القلوب کو کچھ بھی نہیں دینا چاہیے۔ کیونکہ اب ان کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اس لیے کہ اب وہ سبب ختم ہو چکا تھا جس کی بنیاد پر ان لوگوں کو کچھ دیا کرتے تھے۔ حتی کہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:

''حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی ایک سے بھی یہ نقل نہیں کیا گیا کہ وہ مؤلفۃ القلوب کو کچھ دیا کرتے تھے۔'' ❷

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اس مسئلہ پر اجماع ہو گیا تھا۔

❶ المصنف (۷/ ٤٤٠)
❷ المغنی (۹/ ۳۱٦)

# حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے متعلق شبہات

## شبہ: آیت غار:

معترض یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَ اَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۝﴾ (التوبة: ٤٠)

''اگر تم اس کی مدد نہ کرو تو بلاشبہ اللہ نے اس کی مدد کی، جب اسے ان لوگوں نے نکال دیا جنھوں نے کفر کیا، جب کہ وہ دو میں دوسرا تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا غم نہ کر، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو اللہ نے اپنی سکینت اس پر اتار دی اور اسے ان لشکروں کے ساتھ قوت دی جو تم نے نہیں دیکھے اور ان لوگوں کی بات نیچی کر دی جنھوں نے کفر کیا اور اللہ کی بات ہی سب سے اونچی ہے اور اللہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان پر دلالت نہیں کرتا، اس میں کوئی شک نہیں کہ ساتھ (صحبت) کافر کا بھی ہو سکتا ہے اور مومن کا بھی۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَ هُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا۝﴾ (الکهف: ٣٧)

''اس کے ساتھی نے، جب کہ وہ اس سے باتیں کر رہا تھا، اس سے کہا کیا تو نے اس کے ساتھ کفر کیا جس نے تجھے حقیر مٹی سے پیدا کیا، پھر ایک قطرے سے، پھر تجھے ٹھیک ٹھاک ایک آدمی بنا دیا۔''

## علماء کا رد:

یہ تو معلوم شدہ ہے کہ ''صاحب'' کا لفظ لغت میں دوسرے کا ساتھ دینے والے کے لیے بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ رفیق سفر، بیوی وغیرہ محض اس لفظ میں کوئی دلیل نہیں پائی جاتی کہ یہ دوست ہے یا دشمن، یا پھر مومن ہے یا کافر، جب تک اس کے ساتھ قرینہ نہ پایا جائے۔ یہ معاملہ اس کے برعکس ہے کہ جب صحبت کو کسی کی طرف منسوب کیا جائے جیسا کہ یہ فرمان:

﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (التوبة: ٤٠)
''غم نہ کر، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ ......(سبق تخریجه)

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: هَلْ اَنْتُمْ تَارِكُوْنِیْ صَاحِبِیْ...... ❶

''کیا تم میری خاطر میرے ساتھی کو نہیں چھوڑو گے۔'' اس کی دیگر مثال بھی ہیں۔

اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کے کلام میں یا مسلمانوں کے کلام میں صحبت کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کرنا ''صحبت موالاۃ ومحبت'' کو شامل ہوتا ہے اور اس کا وجود آپ ﷺ پر ایمان لائے بغیر ممکن نہیں۔

پس انسان کو صحابی کہنا ممکن نہیں جس نے بغیر ایمان کے سفر میں آپ کی صحبت اٹھائی ہو۔

جب قرآن اس بارے میں کہتا ہے: ﴿إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (التوبة: ٤٠)

پس رسول اللہ ﷺ یہ بتا رہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ اور ان کے صحابی (ساتھی) کے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ساتھ (معیت) نصرت اور تائید کو متضمن ہے یہ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دشمنوں پر فتح عطا فرمائیں گے۔ اس وقت پر کافر آپ کے دشمن تھے۔ پس یہ بات ممتنع ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ بھی ہو اور آپ کے دشمن کے ساتھ بھی۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ کے دشمن کے ساتھ بھی ہوتے تو یہ بات موجب حزن و ملال تھی، اس سے اطمینان اور سکون حاصل نہ ہوتا۔ تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہاں پر صاحب کا لفظ صحبت ولایت ومحبت کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے جو کہ ایمان کو مستلزم ہے۔

اور ایسے ہی یہ فرمانا کہ ''لاتحزن'' غم نہ کر، یہ آپ کے سچے دوست ہونے کی دلیل ہے اور آپ اپنے مشترکہ دشمن سے خوف محسوس کر رہے تھے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾

اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے دشمن ہوتے تو آپ ﷺ پھر غمگین ہونے کی صورت صرف یہ تھی کہ آپ کسی طرح سے مغلوب ہو جاتے۔ تو اس صورت میں یہ نہ کہا جاتا کہ ﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ اس لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دینے سے نبی کریم ﷺ کو خوشی محسوس ہوتی تھی۔ جب کہ دشمن کا آپ کے ساتھ ہونا آپ کے حق میں برا تھا۔ پس ان دونوں چیزوں کا یکجا ہونا محال ہے، خصوصاً جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (التوبة: ٤٠) تو یہ نصرت اس صورت میں نہیں ہو سکتی تھی کہ آپ اکیلے دشمن کے ہمراہ ہوں۔ یہ تو اسی وقت ممکن تھی جب آپ کا دوست آپ کے ساتھ ہو اور دشمن سے بچ جائیں۔

☆ ......ان کا یہ کہنا کہ (ثَانِيَ اثْنَيْنِ) یہ ''اَخْرَجَهُ'' میں واقع ضمیر سے حال ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اس حال میں نکالا جب آپ ثانی اثنین، یعنی دو میں سے دوسرے تھے اور حضرت ابوبکر ان دو میں سے ایک تھے۔

❶ البخاری (٣٦٦١)

یہ دونوں حضرات اکٹھے نکلے۔ پس یہ بات ممتنع ہے کہ دو میں سے دوسرا نکلے اور پہلا ایک ساتھ نہ ہو۔ اس لیے کہ اگر آپ اکیلے نکلتے تو آپ کو ثانی اثنین نہ کہا جاتا۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ کفار نے آپ دونوں کو ساتھ ہی نکالا تھا اور اس وقت یہ دونوں دوست ایک دوسرے کے ہمراہ تھے۔ سو جب اس سے یہ لازم آتا ہے کہ کفار نے ان دونوں کو ایک ساتھ نکالا ہو، تو یہی حقیقت حال بھی ہے، کفار نے تمام مہاجرین کو نکالا تھا جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۝﴾ (الحشر: ۸)

''ان محتاج مہاجرین کے لیے؛ جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکالے گئے۔ وہ اللہ کا فضل اور رضامندی تلاش کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ سچے ہیں۔''

اور ارشاد ربانی ہے:

﴿الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ۝﴾ (الحج: ۴۰)

''جن لوگوں کو ناحق ان کے گھروں سے نکال دیا گیا؛ صرف اتنا کہنے پر کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا تو تکیے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں ڈھادی جاتیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے اور اللہ ضرور اپنی مدد کرنے والوں کی مدد کرے گا بیشک اللہ زبردست غالب ہے۔''

اور ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ﴾ (الممتحنة: ۹)

''اللہ تو تمھیں انھی لوگوں سے منع کرتا ہے جنھوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ کی اور تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا اور تمھارے نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی کہ تم ان سے دوستی کرو۔''

اس کی وجہ یہ تھی کہ اہل مکہ انہیں ایمان کے ساتھ مکہ میں رہنے سے روک رہے تھے۔ ان کے لیے ایمان کا ترک کرنا ممکن نہیں تھا۔ پس انہیں اس ایمان کی وجہ سے ہجرت کرنا پڑی۔ تو یہ واضح دلیل ہے جن کفار نے جس وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو نکالا تھا انہوں نے اسی وجہ سے آپ کے صحابی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی نکالا تھا۔ یہ کفار آپ کے دشمن تھے، جو ان کی طرح ہی سے کافر ہو، اس کے دشمن نہیں تھے۔ تو یہ دلیل ہے کہ آپ کی صحبت موافقت ایمانی کی صحبت تھی، کفر کی یا کفریہ صحبت نہیں تھی۔

☆...... اگر یہ بات کہی جائے کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ موافقت کا اظہار کرتے تھے اور یہ موافقت کا اظہار کرنا ان لوگوں کا شیوہ تھا جو باطن میں منافق تھے اور یہ لوگ بھی لفظ اصحاب میں داخل ہوتے تھے، جیسا کہ اس حدیث میں ہے، جب رسول اللہ ﷺ سے بعض منافقین کو قتل کرنے کی اجازت مانگی گئی تو آپ نے فرمایا: لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ اَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ اَصْحَابَهٗ (سبق تخریجه) ''لوگ یہ نہ کہتے پھریں کہ محمد ﷺ اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں۔'' پس یہ دلیل ہے کہ لفظ اصحاب میں بعض وہ لوگ بھی داخل ہوتے ہیں جو کہ باطن میں منافق تھے۔''

اس معترض سے کہا جائے گا کہ اس سے قبل ہم بیان کر چکے ہیں کہ مہاجرین میں کوئی منافق نہیں تھا اور یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ اہل ایمان کے مقابلہ میں منافقین گنتی کے چند لوگ تھے اور اکثر کا پردہ اس وقت چاک ہو گیا تھا جب ان کے بارے میں قرآن نازل ہوا۔ نبی اکرم ﷺ ان میں سے ہر ایک کو فرداً فرداً نہیں جانتے تھے۔ لیکن جن لوگوں کا براہ راست واسطہ تھا، وہ جانتے تھے اور کسی انسان کے باطن میں مومن یا یہودی یا عیسائی یا مشرک ہونے کا علم طویل صحبت میں زیادہ عرصہ چھپا نہیں رہ سکتا۔ ان میں کوئی ایسا نہیں تھا، جس نے دل میں کوئی بات چھپائی ہو مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے چہرہ کے آثار اور زبان کی پھسلن سے اسے ظاہر نہ کر دیا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ نَشَاءُ لَاَرَيْنَاكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيمَاهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ﴾ (محمد: ۳۰)

''اور اگر ہم چاہیں تو ضرور تجھے وہ لوگ دکھا دیں، پھر یقیناً تو انھیں ان کی نشانی سے پہچان لے گا اور تو انھیں بات کے انداز سے ضرور ہی پہچان لے گا اور اللہ تمھارے اعمال جانتا ہے۔''

پس کفر چھپانے والا لازمی طور پر اپنی بیمار گفتگو سے پہچانا جاتا ہے۔ جب کہ چہرہ کی علامات کا کبھی پتا چلتا ہے اور کبھی نہیں چلتا۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ﴾ (الممتحنة: ۱۰)

''اے مؤمنو! جب تمھارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کی جانچ پڑتال کرو، اللہ ان کے ایمان کو زیادہ جاننے والا ہے۔ پھر اگر تم جان لو کہ وہ مومن ہیں تو انھیں کفار کی طرف واپس نہ کرو۔''

اور نبی کریم ﷺ سے مروی حدیث میں مذکور صحابہ، اہل اسلام جن کی تعظیم کرتے ہیں، یہ تمام حضرات دینِ حق پر تھے اور اہل ایمان تھے اور مسلمانوں نے کبھی بھی دین کی وجہ سے کسی منافق کی تعظیم نہیں کی۔ اور کسی آدمی کے ایمان کا بھی ایسے ہی پتا چل جاتا ہے جیسے اس دل کے دیگر احوال معلوم ہو جاتے ہیں، جیسے دوستی، دشمنی، خوشی، غصہ، بھوک، پیاس اور دیگر امور۔ ان امور کے کچھ ظاہری لوازم ہوتے ہیں اور ظاہری امور باطنی امور کو مستلزم ہوتے ہیں۔ اس معاملہ کا لوگوں کو

امتحان اور تجربہ سے پتا چل جاتا ہے اور ہمیں یہ بات اضطراری طور پر معلوم ہے کہ حضرت ابن عمر، ابن عباس، انس بن مالک اور ابوسعید خدری اور جابر رضی اللہ عنہم کے علاوہ دیگر صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے والے اور آپ سے محبت کرنے والے اور آپ کی تعظیم بجالانے والے مومن تھے منافق نہیں تھے۔ تو پھر یہ باتیں حضرات خلفائے راشدین جیسے اکابر اہل ایمان جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ونصرت اور آپ پر ایمان کی خبریں زمین کے مشرق ومغرب میں مشہور ہیں، ان کے بارے میں کیوں معلوم نہیں ہوسکتی۔ اس چیز کا جاننا بہت ضروری ہے۔ اور منافقین کے وجود کو اہل ایمان کے ایمان میں شک کی بنیاد نہیں بنانا چاہیے۔

**یہی تو وہ لوگ ہیں جنہیں امت میں قبولیت اور پذیرائی حاصل ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:**

> ''مہاجرین میں اصل میں کوئی منافق نہیں تھا۔ اس لیے کہ مہاجرین نے اپنے اختیار سے اس وقت ہجرت کی جب انہیں ایمان کی پاداش میں کفار کی طرف سے بہت زیادہ تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا۔ مکہ میں ہر کوئی اپنے اختیار سے ایمان لاتا تھا۔ بلکہ اس کے ساتھ اسے تکالیف بھی برداشت کرنا پڑتی تھیں۔ پس اس وقت کسی کو یہ ضرورت نہیں تھی کہ وہ ایمان کا اظہار کرتے ہوئے کفر کو اپنے دل میں چھپائے رکھے۔ خصوصاً جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تاکہ دار ایمان قائم کرسکیں، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ حاصل ہو۔ پھر جب انصار کے قبائل میں اسلام کا غلبہ ہوا اور ان میں سے بعض لوگ ایمان نہیں لائے تھے، تو انہیں اپنی قوم کے ساتھ موافقت کے اظہار کی ضرورت پڑی۔ اس لیے کہ اہل ایمان کو حکومت، قوت، غلبہ اور استحکام حاصل تھا اور اب ان کے ہاتھ میں تلوار تھی جس سے وہ کفار کو قتل کرتے تھے۔''

دوسری بات یہ ہے کہ بالعموم بنی آدم کے اہل عقل و دانش جب کسی کے ساتھ ایک عرصہ کا وقت گزارتے ہیں تو ان پر دوستی اور دشمنی واضح ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ سال کا عرصہ مکہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ گزارا، تو کیا آپ کو پتا نہیں چل سکا کہ آپ دوست ہیں یا دشمن اور آپ اس خوف کے ماحول میں اکٹھے مل بیٹھتے تھے کیا یہ درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر قدح نہیں ہے؟

**اعتراض:**......ان کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سکینہ نازل نہیں فرمایا، بلکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا۔ آپ کے ساتھی کے لیے نہیں تھا، فرمان الٰہی ہے:

﴿فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ﴾ (التوبة: ٤٠)

اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ (علیہما) ان دونوں پر۔ بلکہ مفرد کی ضمیر لاتے ہیں۔ اگر آپ کی کوئی فضیلت ہوتی، تو اس آیت میں ضرور مذکور ہوتی۔

**جواب:**...... (علیہ) میں ضمیر کا مرجع حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس لیے کہ آپ پر پہلے سے سکینت موجود تھا اور آپ کے ساتھ ساتھ تھا، اس لیے آپ کو مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ سکینہ اس پر نازل ہوا تھا جس کو اس چیز کی ضرورت تھی، اور وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

**اعتراض:** ...... کہتے ہیں جی کہ: یہاں پر حُزْن یا تو اللہ تعالیٰ اطاعت کا کام تھا یا پھر نافرمانی کا۔ اگر اطاعت کا کام تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کو منع نہیں کرنا چاہیے تھا اور اگر نافرمانی کا کام تھا، تو اس نہی کی وجہ سے آپ اس آیت میں موجود فضیلت کے مستحق نہیں ٹھہرتے۔

**جواب:**...... اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حزن وملال نافرمانی یا گناہ کا کام ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کائنات کے سب سے بڑے خیر خواہ اور ناصح تھے اور جو وحی کے بغیر اپنی مرضی سے بات بھی نہیں کرتے تھے، وہ آپ کو نصیحت کرتے اور کبھی یہ نہ ارشاد فرماتے: ''اللہ ہمارے ساتھ ہے'' بلکہ آپ یہ فرمادیتے کہ ''اللہ میرے ساتھ ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی یہ نہیں فرما سکتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَ اَرٰی﴾ (طہ: ٤٦)

''ڈرو نہیں، بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، میں سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔''

لیکن فرعون اللہ تعالیٰ کی اس معیت میں داخل نہیں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں میں سے تھا۔

## شبہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار کے ساتھی نہیں:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار کے ساتھی نہیں تھے، وہ کوئی دوسرا آدمی تھا، جیسا کہ بعض معاصر معترضین نے کہا ہے۔

ہم اس مسئلہ میں امامیہ کی اسناد سے بعض روایات پیش کرتے ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی یارِ غار تھے۔ یہ روایات ان شبہات کو غلط ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔

ابن الکواء نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ اس وقت کہاں تھے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ فرمایا: ﴿اِذْ اَخْرَجَهُ .... مَعَنَا﴾ (التوبۃ: ٤٠) ''تو حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابن الکواء تیرے لیے ہلاکت ہو، میں اس وقت رسول اللہ کے بستر پر تھا۔[1]

جبکہ مشہور امامیہ عالم شیخ المفید نے کہا ہے:

''حضرت ابوبکر صدیق کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خروج کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی غار میں آپ کے ساتھ موجودگی کا انکار ممکن ہے۔ آپ کی صحبت کا استحقاق بڑا ہی معروف ہے۔''[2]

[1] خصائص الائمة للشريف رضي: (٥٨) الخرايج و الجرائح قطب الدين الراوندي: (١/ ٢١٥) حلية الابرار لسيد هاشم البحراني: (١/ ١٦١) مدينة المعاجز، هاشم البحراني: (١/ ٤٦١) بحار الانوار از مجلسي: (١٩/ ٣٨، ٧٦/ ٤٣٠) غاية المرام للبحراني: (٤/ ٢٣)

[2] الافصاح للمفيد: (١٨٥)

اور مجلسی نے ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْهُمَا فِي الْغَارِ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے کہا ہے:

''یعنی نبی اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غار میں تھے۔ ان کے ساتھ کوئی تیسرا نہیں تھا اور فرمان الٰہی ﴿اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ﴾ سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہہ رہے تھے۔''❶

اور علامہ طبرسی نے کہا ہے:

''﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ﴾ یعنی دو میں سے ایک جیسا کہ کہا گیا ہے: ﴿ثَالِثُ الثَّلَاثَةِ﴾ (المائدۃ: ٧٣) اور یہ دو حضرات رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔''❷

تمام امامیہ علماء نے اس آیت کی تفسیر میں ایسے ہی کہا ہے۔❸

مسئلہ فدک:

فدک سرزمین حجاز میں ایک گاؤں ہے جہاں پر یہودی رہتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ خیبر سے فارغ ہوئے، تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور انہوں نے فدک کی زمینوں پر رسول اللہ ﷺ سے صلح کر لی۔ یہ زمینیں رسول اللہ ﷺ کی ملکیت قرار پائیں کیونکہ بغیر جنگ کے حاصل ہوئی تھیں۔

☆......اراضی فدک کا معاملہ دو امور سے خالی نہیں۔ یا تو یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو میراث میں ملے گی۔ یا پھر یہ وہ ہبہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے موقع پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا تھا۔ جہاں تک وراثت کا تعلق ہے تو اس کی وضاحت بخاری و مسلم کی روایات میں ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اپنے والد کی میراث طلب کرنے کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں، وہ فدک اور خیبر کے حصہ کا مطالبہ کر رہی تھیں۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:❹

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''ہم وراثت نہیں چھوڑتے، جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔''

اور مسند احمد کی روایت میں ہے: ''بے شک ہم انبیاء کی جماعت وراثت نہیں چھوڑتے۔''❺

---

❶ بحار الانوار: (١٩/ ٣٣)
❷ تفسیر جوامع الجامع للطبرسی: (٢/ ٦٥)
❸ البخاری: (٣٧١٢) مسلم: (١٧٥٧)
❹ مسند احمد: (٩٩٧٣)
❺ مجمع البیان: (٥/ ٥٦) التفسیر الاصفی للکاشانی: (٤٦٦) تفسیر المیزان: (٩/ ٢٧٩) الامثل فی تفسیر کتاب اللہ المنزل، ناصر مکارم الشیرازی: (٦/ ٥٧) اختیار معرفۃ الرجال الطوسی: (١/ ١٢٩) معجم رجال الحدیث سید خوئی: (١٣/ ٢٨٤)

یہ حدیث روایت کرنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ منفرد نہیں ہیں۔ بلکہ امہات المومنین، حضرت علی، حضرت عباس، حضرت عثمان، عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر اور سعد رضی اللہ عنہم نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دل میں کچھ اور خیال تھا، اس لیے انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾ (النساء: ١١)

''اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے متعلق تاکیدی حکم دیتا ہے، مرد کے لیے دو عورتوں کے حصے کے برابر حصہ ہے۔''

یہ صحیح حدیث ''ہم انبیاء کی جماعت وراثت نہیں چھوڑتے۔''

صحیح سند کے ساتھ شیعہ اور اہل سنت دونوں کے ہاں ثابت ہے۔ کلینی نے الکافی میں ابوعبداللہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''بیشک علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیا کوئی دینار اور درہم ورثہ میں نہیں چھوڑتے بلکہ وہ علم ورثہ میں چھوڑتے ہیں، جس نے علم میں سے کچھ حاصل کر لیا، اس نے بہت بڑا حصہ حاصل کر لیا۔'' ❶

اور مجلسی نے اس بارے میں کہا ہے:

''یہ حدیث حسن اور موثوق ہے، جو کہ کسی بھی طرح صحیح سے کم نہیں۔'' ❷

خمینی نے اپنی کتاب ''الحکومت الاسلامیۃ'' میں اس سے استشہاد پیش کیا ہے اور کہا ہے

''اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔'' ❸

☆......ان کا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کرنا جو کہ حضرت زکریا علیہ السلام سے متعلق ہے کہ آپ نے دعا کی تھی:

﴿فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا ○ يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ○﴾ (مریم: ٥-٦)

''سو مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا کر۔ جو میرا وارث بنے اور آل یعقوب کا وارث بنے اور اے میرے رب! اسے پسند کیا ہوا بنا۔''

اس سے انبیاء علیہم السلام کی وراثت کے جواز پر استدلال کرنا، یہ ایک غریب استدلال ہے اس کی کئی وجوہات ہیں:

اولاً:......کسی نیک انسان کے شایان شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے بیٹے کی دعا کریں جو اس کے مال کا وارث بنے۔ تو پھر حضرت زکریا علیہ السلام جیسے نبی کی طرف ایسی بات کیونکر منسوب کی جا سکتی ہے کہ آپ علیہ السلام اللہ سے ایسا بیٹا مانگیں جو آپ کے مال کا وارث بنے۔ صالحین اللہ تعالیٰ سے ایسی چیز کا سوال کرتے ہیں جس سے انہیں فائدہ پہنچے، وہ اللہ تعالیٰ سے نیک اولاد کا سوال کرتے ہیں۔ جس کے نفع کی امید بروز قیامت کی جا سکتی ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی مراد بھی یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ انہیں ایسا نیک فرزند عطا کر دیں جو کہ آپ کے بعد نبوت کے پرچم کو بلند رکھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی خاندانی عزت وحرمت اور تقدس کا وارث بنے۔ نبوت کا بیڑا اٹھائے۔

❶ الکافی: (١/ ٣٤) ❷ مرآۃ العقول: (١/ ١١١) ❸ ص (٩٣)

دوم:......حضرت زکریا علیہ السلام کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ آپ تنگ دست تھے اور بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ تو آپ کے پاس مال کون سا تھا جس کے لیے آپ اللہ تعالیٰ سے وارث مانگتے۔ بلکہ اللہ کے انبیاء کے بارے میں اصل یہ ہے کہ وہ مال جمع ہی نہیں کرتے، صرف اپنی ضرورت کے قدر مال لے لیتے ہیں اور باقی صدقہ کر دیتے ہیں۔ (نیکی کے کاموں میں لگا دیتے ہیں)۔

سوم:......لفظ ''وارث'' یا وراثت کا استعمال صرف مال کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ لفظ علم اور نبوت کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے ﴿ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡكِتٰبَ الَّذِيۡنَ اصۡطَفَيۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا‌ فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ‌ وَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ وَمِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ‌ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَضۡلُ الۡكَبِيۡرُ﴾ (فاطر: ۳۲)

''پھر ہم نے اس کتاب کے وارث اپنے وہ بندے بنائے جنھیں ہم نے چن لیا، پھر ان میں سے کوئی اپنے آپ پر ظلم کرنے والا ہے اور ان میں سے کوئی میانہ رو ہے اور ان میں سے کوئی نیکیوں میں آگے نکل جانے والا ہے، اللہ کے حکم سے۔ یہی بہت بڑا فضل ہے۔''

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡوٰرِثُوۡنَ ۙ۝ الَّذِيۡنَ يَرِثُوۡنَ الۡفِرۡدَوۡسَ ؕ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ﴾ (مومنون: ۱۰-۱۱)

''یہی لوگ ہیں جو وارث ہیں۔ جو فردوس کے وارث ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔''

پہلی آیت میں مال کے وراثت ہونے پر کوئی دلیل نہیں پائی جاتی۔

چہارم:......حدیث میں آتا ہے:

''بے شک انبیاء وراثت میں دینار اور درہم نہیں چھوڑتے بلکہ اپنی وراثت میں علم چھوڑتے ہیں۔''

جیسا کہ ابھی ہم نے حدیث بیان کی ہے، جس میں انبیاء کے مال کی وراثت کے جواز کی صریح اور واضح نفی کی گئی ہے۔ بس اتنا بتانا کافی ہے۔

یہی حال اس آیت کا بھی ہے ﴿وَوَرِثَ سُلَيۡمٰنُ دَاوٗدَ﴾ (النمل: ۱۶) بے شک حضرت سلیمان علیہ السلام نے حضرت داؤد سے وراثت میں کوئی مال نہیں پایا تھا، بلکہ علم و نبوت اور حکمت وراثت میں ملی تھی۔ اس کی دو وجوہات ہیں:

(۱) حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق مشہور ہے کہ آپ کی سو بیویاں تھیں اور تین سو باندیاں بھی تھیں اور آپ کی اولاد بہت زیادہ تھی تو پھر باقی کو چھوڑ کر صرف حضرت سلیمان کیسے وارث ہو سکتے تھے؟ اس صورت میں بطور خاص حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر کرنا درست نہیں۔

(۲) اگر یہ معاملہ مالی وراثت کا ہوتا، تو قرآن میں اس کے ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ اس لیے کہ یہ عام سی بات ہے کہ بیٹا باپ کا وارث بنتا ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف شیعہ مفسرین کو بھی رہا ہے۔ ایک بڑا معاصر شیعہ عالم محمد جواد

المغنیۃ اپنی تفسیر ''التفسیر المبین'' میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتا ہے کہ:

''اس کی تفسیر [یعنی اس سے مراد] بادشاہی اور نبوت ہے۔'' ❶

☆...... پھر یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ شیعہ مذہب میں عورت کو زمین یا عقارات وغیرہ سے وراثت نہیں ملتی۔ کلینی نے اس بارے میں علیحدہ باب قائم کیا ہے، جس کا عنوان ہے: اِنَّ النِّسَاءَ لَا یَرِثْنَ مِنَ الْعَقَارِ شَیْئًا اس باب میں ابو جعفر کا قول نقل کیا ہے کہ ''خواتین کو زمین اور املاک میں کچھ بھی وراثت نہیں ملے گی۔'' [سبق تخریجہ]

اور ایسے میسر [شیعہ عالم] سے ان کا یہ قول بھی روایت کیا گیا ہے کہ: [وہ کہتا ہے]

''میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے پوچھا کہ عورتوں کو میراث میں کیا ملے گا؟ تو فرمایا: ''ان کے لیے اینٹ، گارے، لکڑ وغیرہ کی قیمت ہے، انہیں زمین اور املاک میں سے کچھ بھی وراثت میں نہیں ملے گا۔''

محمد بن مسلم نے ابوجعفر سے روایت کیا ہے ارشاد فرمایا کہ:

''عورتوں کو زمین اور املاک میں سے وراثت نہیں ملے گی۔'' ❷

اور عبدالملک بن اعین نے روایت کیا ہے کہ امام صاحب نے فرمایا:

''عورت کا گھر اور املاک کی وراثت میں حصہ نہیں۔'' ❸

☆...... اگر فدک میراث تھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیویوں بشمول حضرت عائشہ بنت ابی بکر اور زینب اور ام کلثوم دختران النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی اس میں حصہ تھا، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہ تو اپنی بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا کو کچھ دیا اور نہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی دوسری بیوی کو اور نہ ہی بیٹی کو کچھ دیا۔ اس سلسلہ میں آپ کی دلیل وہی مذکورہ بالا حدیث تھی۔ تو پھر ان لوگوں کا ذکر قضیہ فدک میں ایک فریق کی حیثیت سے کیوں نہیں کیا جاتا۔

☆...... جب فدک کی جاگیر ہبہ تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت فاطمہ کو ہدیہ کر دی گئی تھی، جیسا کہ تفسیر کاشانی اور دیگر کتب میں ہے تو پھر یہ اسلام کے نظام عدل کے خلاف ہے کہ بیٹیوں کے درمیان عدل و انصاف نہیں کیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری بیٹیوں کو چھوڑ کر صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اتنی جاگیر کیسے ہبہ کر سکتے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک جانتا ہے کہ فتح خیبر کا واقعہ سن سات ہجری کا ہے۔

جبکہ حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال سن آٹھ ہجری میں اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا انتقال سن نو ہجری میں ہوا۔ یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بیٹی کو نوازیں اور ام کلثوم اور زینب کو چھوڑ دیں؟

☆...... روایات میں تو یہ بات ثابت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فدک کا مطالبہ کیا تو آپ کا مطالبہ اس کے وراثت ہونے کے اعتبار سے تھا، نہ کہ اس کے ہدیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی وجہ سے تھا۔ اس

❶ التفسیر المبین: (٤٩٦)
❷ تفسیر الصافی: (٣/ ١٨٦)
❷ بحار الانوار: (١٠١/ ٣٥١) الانتصار للعاملی: (٧/ ٢٨٧)

کی وجہ یہ ہے کہ ارض فدک نہ ہی وراثت تھی اور نہ ہی ہبہ۔ یہ ایسی زمین تھی جس کے متعلق امام یعنی حاکم وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے بھی یہ تھی کہ جب انہیں مسلمانوں کا خلیفہ بنا دیا گیا، تو آپ نے یہ جاگیر حضرت فاطمہ کی وفات کے بعد ان کی اولاد میں سے کسی ایک کو بطور وراثت نہیں دی۔ ایک شیعہ عالم المرتضی (الملقب معلم الہدی) کہتا ہے: جب معاملہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تک پہنچا، تو آپ سے فدک واپس کرنے کے متعلق گفتگو کی، تو آپ نے فرمایا: ''مجھے اللہ تعالیٰ سے اس بات پر حیا آتی ہے کہ میں ایسی چیز کو واپس کر دوں جس کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے روک دیا تھا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس فیصلہ کو باقی رکھا تھا۔'' ❶

☆...... عباسی خلیفہ ابو العباس السفاح نے بعض مناظرین پر اس دلیل سے حجت پیش کی تھی، اسے ابن جوزی نے تلبیس ابلیس میں نقل کیا ہے۔ کہا ہے: ''ہم نے سفاح سے روایت کیا ہے کہ ایک دن اس نے خطبہ دیا تو دوران خطبہ ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: اے امیر المومنین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہوں، مجھ پر ظلم کرنے والوں کے خلاف میری مدد کریں، میں اولاد علی رضی اللہ عنہ میں سے ہوں۔

اس سے پوچھا گیا: تم پر کس نے ظلم کیا ہے؟

تو وہ بولا: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے جاگیر فدک چھین کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ظلم کیا ہے؟

پوچھا گیا: کیا وہ تمام عہد تم پر ظلم ہی کرتے رہے؟

کہنے لگا: ہاں ۔ پھر پوچھا: ان کے بعد کون آیا؟۔

کہنے لگا: عمر رضی اللہ عنہ۔

پھر پوچھا کیا وہ بھی تم پر ظلم کرتے رہے؟ کہا: ہاں۔

پھر پوچھا: پھر ان کے بعد کون آیا؟

کہنے لگا: عثمان رضی اللہ عنہ۔

پھر پوچھا کیا وہ بھی تم پر ظلم کرتے رہے؟ کہا: ہاں۔

پھر پوچھا: پھر ان کے بعد کون آیا؟

''اب وہ آدمی ادھر ادھر دیکھنے لگا اور بھاگنے کا راستہ تلاش کرنے لگا۔'' ❷

حضرت زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ''اگر میں حضرت ابوبکر کی جگہ ہوتا تو میں بھی وہی فیصلہ کرتا، جو حضرت ابوبکر نے کیا ہے۔'' ❸

---

❶ الشافی فی الامامۃ: (٤/ ٧٦)

❷ تلبیس ابلیس: (١٣٥)

❸ السنن الکبری: (١٢٥٢٤) البدایۃ و النہایۃ: (٥/ ٢٥٣)

☆......حضرت باقر سے روایت ہے، جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کا کیا خیال ہے کہ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے آپ کے حق میں آپ لوگوں پر کچھ بھی ظلم کیا ہے؟ یا پھر یہ سوال کیا کہ ان دونوں نے آپ لوگوں کا کچھ حق مارا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا نہیں، اس ذات کی قسم جس نے اپنے بندہ پر حق کے ساتھ قرآن نازل کیا تا کہ تمام جہانوں کے لیے ڈراوا ہو جائے، انہوں نے ہم پر رائی کے دانے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا۔

میں نے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں! کیا میں ان دونوں سے محبت رکھوں؟

فرمایا: ہاں! اے بد بخت! ان سے دنیا اور آخرت میں محبت اور دوستی کرو۔ اس کے بدلے میں تم پر جو گزند آئے، وہ میری گردن میں ہے۔'' پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ مغیرہ اور بنان کا برا حشر کرے، وہ ہم اہل بیت پر جھوٹ بولتے ہیں۔'' ❶

☆......حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے جاگیر فدک کے میراث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے مطالبہ سے رجوع کر لیا تھا۔ یہ بات کئی ائمہ حدیث وسیرت نے کہی ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حدیث سے استدلال کرنے کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ترک کر دیتے میں اس قضیہ کو تسلیم کر لینے پر اجماع ہو گیا ہے۔ یہ کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تک حدیث پہنچ گئی اور انہوں نے اس کی علت بھی آپ سے بیان کر دی، تو آپ نے اپنی رائے کو ترک کر دیا۔ اس کے بعد نہ ہی آپ نے اور نہ ہی آپ کی اولاد میں سے کسی ایک نے اس میراث کا مطالبہ کیا۔ پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو آپ نے بھی وہی کچھ کیا جیسے حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کیا کرتے تھے۔ اس سے ذرا بھر بھی ادھر ادھر نہیں ہوئے۔'' ❷

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اپنے والد محترم کی میراث طلب کرنا اس وقت تھا جب تک انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کی حدیث نہیں سنی تھی۔ آپ بڑی سختی سے کتاب اللہ پر کار بند رہنے والی تھیں۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو یہ حدیث بتائی تو وہ اپنے مطالبہ سے رک گئیں اور دوبارہ ایسی بات نہیں کہی۔'' ❸

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ یہی عام صحابہ کا بھی مذہب تھا۔ ائمہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم توریث کے قائل ہیں اور دین میں یہی بات آپ کے علم اور مقام کے لائق تھی۔

رہ گیا یہ جملہ کہ حضرت فاطمہ نے ان سے قطع تعلق کر لی اور ان سے بات نہیں کی، جیسا کہ روایت میں وارد ہوا ہے، ❹ میں یہ واضح کیا ہے اور عمر بن ابی شبہ نے ❺ میں بیان کیا ہے، اس سے مقصود یہ ہے کہ حضرت فاطمہ نے میراث کے معاملہ پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے دوبارہ بات نہیں کی۔

---

❶ شرح نهج البلاغة لابن ابی الحدید: (۱۶/ ۲۲۰) السقیفه و فدك: (۱۱۰)
❷ شرح صحیح مسلم للنووی: (۱۲/ ۷۳) ❸ المفهم: (۳/ ۵۶۳)
❹ امام ترمذی نے السنن (ح ۱۶۰۹) ❺ تاریخ المدینه (۱/ ۱۲۷)

☆...... یہ بات ثابت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے راضی ہوگئیں تھیں اور اسی رضامندی کی حالت میں ان کی وفات ہوئی۔ ابن المیثم البحرانی ایک بڑا شیعہ عالم کہتا ہے:

''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا تھا اور آپ کو وہی کچھ ملے گا جو آپ کے والد محترم لیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدک سے آپ لوگوں کا غلہ لیا کرتے تھے، باقی فی سبیل اللہ تقسیم کر دیتے اور اس میں سے اللہ کی راہ میں دیا کرتے تھے اور میں آپ سے اللہ کے ساتھ یہ عہد کرتا ہوں کہ میں اس مال میں ویسے ہی تصرف کروں گا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس پر راضی ہوگئیں اور اس بات پر انہوں نے عہد لے لیا۔''❶

## ایسا ہی کلام الدنبلی نے اپنی شرح میں بھی نقل کیا ہے، وہ کہتا ہے:

''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس عہد کو نبھایا کرتے تھے جو انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کیا تھا...... اور آگے چل کر لکھا ہے: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فدک سے غلہ لے کر اہل بیت کو دیا کرتے تھے جو کہ ان کی ضرورت کو پوری کر دیتا تھا اور باقی تقسیم کر دیا کرتے تھے پھر ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ایسے ہی کیا کرتے تھے۔''❷

☆...... اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت تقسیم ہوتی تو اس کے حق دار تین قسم کے لوگ تھے، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن، دختر رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، عم رسول جناب حضرت عباس رضی اللہ عنہ۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آدھی میراث ملتی، کیونکہ آپ خاتون وارث بنتیں اور ازواج مطہرات آٹھویں حصہ میں شریک بنتیں۔ کیونکہ وارث کی فرع حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں اور باقی مال حضرت عباس رضی اللہ عنہ بطور عصبہ لے جاتے۔ تو پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ازواج مطہرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کا مطالبہ کیوں نہیں کیا۔

## حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں امامت ابی بکر کی روایات پر تنقید:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں پائے جانے والے شبہات میں سے ایک حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کی امامت کی روایات پر تنقید ہے۔

### الرد:

(۱) احادیث ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ:

البخاری: اسحق بن نصر عن حسين عن زائدة عن عبدالملك بن عمير، عن ابی بردة، عن ابی موسى.

❶ شرح نهج البلاغة لابن ميثم البحراني: (۵/ ۱۰۷) ط تهران
❷ الدرة النجفية: (۳۳۱) شرح نهج البلاغة لابن ابی الحديد، ج: (٤) شرح نهج البلاغة لابن الميثم: (۵/ ۱۰۷)

مسلم: عن ابی بکر بن ابی شیبة ، عن حسین بن علی عن زائدة عن عبدالملك بن عمیر ، عن ابی بردة ، عن ابی موسی . ...... الخ .

الامام أحمد : عبدالله عن أبیه عن حسین بن علی عن زائدة عن عبدالملك بن عمیر ، عن ابی بردة ، عن ابی موسی .

ان اسانید پر مندرجہ ذیل تنقید کی ہے: یہ روایت مرسل ہے، اس پر ابن حجر سے نص موجود ہے۔ کہا ہے: یہ احتمال ہے کہ انہوں نے یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے لی ہو اور اس کے لیے فتح الباری کا حوالہ دیا ہے۔

ہم اس روایت کی سند پر ابن حجر کے کلام پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے کہا ہے اور اس کا یہ کہنا کہ عن ابیه ، عن عائشة ان الفاظ میں ایک جماعت نے روایت کیا ہے اور امام مالک سے موصول سند کے ساتھ بھی ایسے ہی مروی ہے، لیکن موطا کہ اکثر نسخوں میں حضرت عائشہ سے مرسلاً روایت کیا گیا ہے...... ظاہر یہ ہوتا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ والی روایت مراسیل صحابہ میں سے ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ روایت حضرت عائشہ یا حضرت بلال سے حاصل کی ہو۔"

یہاں پر ابن حجر نے یہ کہا ہے کہ موطا کے اکثر نسخوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر تک نہیں کیا۔

اور اگر بطور مناظرہ، من باب تنزل یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ روایت حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی مراسیل میں سے ہے تو پھر بھی یہ یا تو حضرت بلال سے لی گئی ہے یا پھر حضرت عائشہ سے، مگر اس کے ساتھ ہی حضرت عائشہ کا ذکر حضرت یعقوب کے دل میں پوشیدہ حاجت کے بیان کے طور پر کیا گیا ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود، اگر ہم اپنے فریق مخالف کے ساتھ انتہائی درجہ کا تنازل بھی اختیار کر لیں اور یہاں تک مان لیں کہ یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراسیل میں سے ہے تو پھر بھی اس سے اس روایت پر علی الاطلاق قدح واقع نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ تمام صحابہ عدول ہیں۔ ان کا آپس میں ایک دوسرے سے اس کا نام لیے بغیر روایت نقل کرنا کثرت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔

پھر حضرت ابی بردہ رضی اللہ عنہ پر طعنہ زنی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ انسان فاسق اور گنہگار ہے حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے میں اس کا حصہ ہے، کیونکہ اس نے حجر کے خلاف جھوٹی گواہی دی تھی۔ اس پوری جماعت کی جھوٹی گواہی، حجر کی شہادت کا سبب بنی۔

تاریخ طبری کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بردہ پر طعن والی روایات کا مدار ابومخنف یحییٰ بن لوط پر ہے۔ اس کے بارے میں یحییٰ بن معین نے کہا ہے: یہ آدمی نا قابل اعتماد ہے۔ ابو حاتم نے متروک الحدیث کہا ہے۔ الدارقطنی نے ضعیف اخباری کہا ہے۔ پس یہ سند تمہیں ہی مبارک ہو۔ (دراوی کہتا ہے: ابومخنف شیعہ اور جھوٹا ہے)۔

<u>دوسری روایت جس کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہے:</u>

"اور ایسے ہی یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے ابو غادیہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے قاتل سے پوچھا کیا تم

نے عمار بن یاسر کو قتل کیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ تو پھر کہا: پھر اپنا ہاتھ مجھے دیجیے اور آپ نے ہاتھ کا بوسہ لیا اور کہا: تمہیں آگ کبھی چھوئے گی بھی نہیں۔" اس کے لیے اس معترض نے ابن ابی حدید کی شرح نہج البلاغہ کا حوالہ دیا ہے ابن ابی الحدید شیعہ ہے۔ اس نے منقطع سند کے ساتھ عبدالرحمٰن المسعودی سے روایت کیا ہے، اس نے ابن عیاش المغنوف سے روایت کیا ہے۔ ❶

ابن عیاش کے حالات زندگی نہیں ملتے۔ جبکہ عبدالرحمٰن المسعودی کے شیعہ ہونے کی وجہ سے اس کی روایت سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ اس معترض نے منقطع سند والی روایت سے احتجاج کیا ہے اور ابو مخنف شیعہ کے کلام کی بنیاد پر ایک ثقہ شخصیت حضرت ابو بردہ کو ضعیف کہا ہے۔ ان کے بارے میں علماء جرح و تعدیل اور ماہرین علوم حدیث نے کہا ہے: الامام، الفقیہ، الثبت ...... آپ ائمہ مجتہدین میں سے ایک تھے۔ ابن سعد نے کہا ہے: آپ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ العجلی نے کہا ہے: آپ کوفہ کے ثقہ تابعی تھے۔ [سیر اعلام النبلاء.]

پھر اس معترض نے عبدالملک بن عمیر کو ضعیف کہا ہے، وہ کہتا ہے: عبدالملک مدلس اور بہت زیادہ مضطرب الحدیث تھا۔ ان علماء اعلام کے متعلق جو کچھ نقل کیا ہے، وہ ایک حد تک درست ہے، مگر کلام کا آخری حصہ ہضم کر گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ عبدالملک بن عمیر کا حافظہ آخری عمر میں بدل گیا تھا۔ اس لیے کہ اس نے ایک سو تین (۱۰۳) سال کی عمر پائی ہے اور یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے کہ جو کوئی اس عمر تک پہنچے اور اس کا حافظہ نہ بدلے۔ لیکن اس کا کیا مطلب ہے کہ ہم اس کی تمام روایات کو سمندر میں پھینک دیں؟ یقیناً ایسا تو کوئی نہیں کہہ سکتا۔

پس دریں صورت اس کے کبار تلامذہ اور صغار تلامذہ میں فرق کیا جائے گا۔ پس ان کے بڑے شاگردوں کی روایات صحیح اور ثقہ ہوں گی جبکہ چھوٹے شاگردوں کی روایات محل نظر ہوں گی۔ یہاں پر عبدالملک بن عمیر سے روایات کرنے والا زائدہ بن قدامہ ہے۔ اس کا شمار بڑے تبع تابعین میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں دو ٹوک الفاظ میں کہا ہے۔ ❷

سابقہ کلام کے ساتھ ساتھ علمی امانت کا تقاضا ہے کہ ان علماء کا بھی ذکر کیا جائے جنہوں نے عبدالملک بن عمیر کو ثقہ کہا ہے۔ اب علماء کے اقوال پیش کیے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ بہت سارے علماء نے عبدالملک کو ثقہ کہا ہے۔ ان علما میں العجلی، ابن معین، نسائی، ابن غایر شامل ہیں، ابن مہدی کہتے ہیں: امام ثوری کو عبدالملک کے حافظہ پر تعجب ہوتا تھا۔ امام احمد بن نے کہا ہے: مضطرب الحدیث ہے، حفاظ کا اس کے بارے میں اختلاف ہے۔" ابن البرقی نے ابن معین سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے: عبالملک ثقہ ہے۔ ایک یا دو احادیث میں اس سے غلطی ہوئی ہے۔ علامہ ابن حجر نے کہا ہے: ان کی روایات سے جماعت (اصحاب کتب ستہ) نے احتجاج کیا ہے۔

---

❶ شرح نهج البلاغة: (٤/ ٩٩)
❷ تهذيب التهذيب: (٣/ ٢٦٤)

امام بخاری اور مسلم نے آپ کے بڑے شاگردوں کی روایات کو بطور احتجاج (حجت) تخریج کیا ہے اور بعض چھوٹے شاگردوں کی روایات کو بطور متابع روایات لائے ہیں۔ آپ پر عیب عمر بڑی ہونے کی وجہ سے حافظہ میں تبدیلی کی بنا پر ہے۔ اس لیے کہ آپ ایک سو تین سال تک زندہ رہے۔ ابن عربی نے "الکامل" میں آپ کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی ابن حبان نے کوئی تبصرہ کیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ تضعیف کا معاملہ آپ کی آخری عمر میں حافظہ میں فرق آنے کی وجہ سے ہے۔ جب کہ قدماء کی روایات مقبول ہیں۔ ان میں سے ایک زائدہ بن قدامہ بھی ہے اور یہ روایات مقام احتجاج پر قائم ہیں۔ پس حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے وارد تینوں اسناد صحیح اور درست ہیں۔

## (۲) حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایات:

البخاری: عن یحیی بن سلیمان عن ابن وھب عن یونس، عن ابن شھاب عن حمزة بن عبداللہ عن ابیه ......

مسلم: عن محمد بن رافع و عبد بن حمید، و اللفظ لابن رافع عن عبدالرزاق عن معمر عن الزھری عن حمزة عن عبداللہ بن عمر عن عائشة ......

معترض کہتا ہے: ان دونوں احادیث کا مدار زہری کی روایت پر ہے اور زہری پر کئی ایک تہمتیں لگائی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ قول بھی ہے کہ محمد بن شہاب الزہری یحییٰ بن معین اور عبدالحق دہلوی کے نزدیک مجروح انسان ہے۔

**جواب:** ......امام زہری کے علم حدیث میں راسخ اور ثقہ ہونے پر تمام علماء کرام کا اجماع ہے۔ آپ کے ثقہ ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ آپ کے قوت حافظہ کی ضرب الامثال بیان کی جاتی ہیں۔ آپ کی ثقاہت کا اعتراف کرنے والوں میں حضرت عمر بن عبدالعزیز، مالک بن انس، یحییٰ بن معین، یحییٰ بن سعید القطان، مکحول، قتادہ، ایوب، عمرو بن دینار، ابوبکر الہذلی، معمر، علی بن المدینی، ابوزرعۃ، ابن سعد، ابوزناد، صالح بن کیسان، لیث عبدالرحمٰن بن اسحٰق، نسائی، عراک بن مالک اور دوسرے علماء اسلام شامل ہیں۔ حافظ ابن حجر نے تو یہاں تک کہا ہے کہ "الفقیه، الحافظ متفق علی جلالته و اتقانه و تثبته"❶

اور یحییٰ بن معین نے کہیں بھی آپ کو ضعیف نہیں کہا۔ بلکہ فقط اپنے ذاتی تصور اور خیال کی بنیاد پر ایسی شخصیات پر زبان طعن دراز کرنا ایسا جرم ہے جو کہ نا قابل معافی ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ ابن معین نے اعمش کو زہری پر افضلیت دی ہے۔ حالانکہ زہری اعمش سے بڑا حافظ ہے اس سارے معاملہ میں بات صرف اتنی ہی ہے۔

## (۳) احادیث عبداللہ بن زمعہ:

ابو داؤد: عن عبداللہ بن محمد النفیلی عن محمد بن اسحق عن الزھری، عن

❶ تقریب التھذیب: (۱٦۲۹٦)

عبدالملك بن ابی بکر بن عبدالصمد بن الحرث بن هشام، عن ابیه عن عبدالله بن زمعة .

ابو داؤد: احمد بن صالح، عن ابن ابی فدیك عن موسی بن یعقوب، عن عبدالله بن اسحق، عن ابن شهاب، عن عبدالله بن عتبة عن عبدالله بن زمعة .

''تنقید نگار کہتا ہے: جہاں تک عبداللہ بن زمعہ کی احادیث کا تعلق ہے تو ابوداؤد نے دو اسناد سے روایت کی ہیں، ان دونوں اسناد کا مدار زہری پر ہے، زہری کے بارے میں آپ کو معلوم ہو چکا ایسے ہی یہاں بھی ہے گویا کہ زہری سب سے بڑا دروغ گو بن گیا ہے اس کے بارے میں کلام گزر چکا ہے۔''

(۴) احادیث ابن عباس:

ابن ماجة: عن علی بن محمد عن وکیع عن اسرائیل، عن ابی اسحق، عن ارقم بن شراحبیل، عن ابن عباس .

امام احمد: عن عبدالله عن ابیه عن یحیی بن زکریا، بن ابی زائدة عن ابیه، عن ابی اسحق، عن الارقم بن شراحبیل، عن ابن عباس .

امام احمد: عن عبدالله عن ابیه عن وکیع عن اسرائیل، عن ارقم بن شراحبیل، عن ابن عباس .

ان تینوں اسناد کا مدار ابواسحٰق پر ہے وہ ارقم بن شراحبیل سے روایت کرتا ہے۔

تنقید نگار کہتا ہے: بعض اہل علم نے کہا ہے: اس کے حافظہ میں اختلاط ہو گیا تھا۔ اسے اور ابن عیینہ کو ان کے اختلاط کی وجہ سے ترک کر دیا گیا تھا۔

جواب: تنقید نگار نے ان حضرات کی بابت علمائے کرام کی تعریف و توثیق تجاہل عارفانہ برتا ہے۔ ابواسحٰق صدوق اور حافظ تھا۔ روایت حدیث میں خطا کا ارتکاب ان سے روایت کرنے والے چھوٹے درجہ کے شاگردوں سے ہوا ہے اور ان کی آخر حیات تک اختلاط نہیں ہوا۔ ہاں آپ کو بڑھاپے کی وجہ سے بعض احادیث بھول گئی تھیں۔ کیونکہ آپ کی عمر سو سال سے تجاوز کر گئی تھی۔ یہ تمام باتیں علم الرجال کی کتابوں میں موجود ہیں۔ پھر یہ کہ کسی ایک سند کی وجہ سے روایت کو ساقط کر دینا یہ اچھوتا معاملہ ہے۔ اس لیے کہ یہ متن دوسری صحیح اسناد سے بھی روایت کیا گیا ہے۔ یہاں پر بطور دلیل و جواب اتنی بات ہی کافی ہے۔ اس سند کی وجہ سے روایت کی صحت پختہ ہو گئی ہے۔ اس لیے کہ ابواسحٰق شیعہ ہونے کے باوجود جھوٹ نہ بولتا تھا۔ اس میں حد سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں تدلیس واقع ہوئی ہے۔

**(۵) روایات ابن مسعود رضی اللہ عنہ:**

النسائی: اخبرنا اسحق بن ابراھیم، و ھناد بن السری، عن حسین بن علی عن زائدة، عن عاصم عن زر عن عبداللہ.

"اس سند میں راوی عاصم بن ابی النجود الکوفی ہے جو کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے۔ اس کا حافظہ خراب تھا۔ اگر وہ اس حدیث کو روایت کرنے میں منفرد ہوتا تو اس کی متابعت نہ کی جاتی اور یہ حدیث ساقط الاعتبار ہوتی۔ لیکن وہ روایت کرنے میں منفرد نہیں، اس لیے کہ اس حدیث کا متن دوسری صحیح اسناد سے بھی مروی ہے۔" و للہ الحمد.

اور یہ اعتبار بھی سند کو ساقط کرنے والا نہیں۔ بلکہ اس کی تائید کرنے والا ہے۔ اس لیے کہ عاصم جھوٹا نہ تھا۔ بلکہ اس پر الزام کی حدیث یہ ہے کہ اس کا حافظہ خراب تھا۔

**(۶) حدیث بریدة:**

الامام احمد: عبداللہ، ابیه، عن عبدالصمد بن عبدالوارث عن زائدة عن عبدالملك، عن ابن بریدة عن ابیه......

تنقید نگار کہتا ہے: نیز یہ کہ حضرت بریدہ اسلمی کی حدیث جسے امام احمد نے اپنی سند سے روایت کیا ہے، وہ ابن بریدہ سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ تو ابن بریدہ خواہ وہ عبداللہ ہو یا سلیمان ان سے صرف نظر کرتے ہوئے کہ ان کی بابت کیا کچھ کہا گیا ہے...... الخ۔ عبداللہ بن بریدہ اور سلیمان بن بریدہ دونوں بھائی ثقہ ہیں اور دونوں اپنے باپ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ تو پھر راوی کے عدم تعین میں کوئی حرج والی بات نہیں۔ پھر وہ اس سند کے بارے میں یہ بھی کہتا ہے کہ اس میں عبدالملک بن عمیر ہے، اس کے بارے میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے...... الخ۔

میں کہتا ہوں: ہاں اس کی بابت معلوم ہے، اور یہ سند صحیح ہے، اس پر کوئی غبار نہیں ہے۔ اس کا اضافہ بھی سابقہ صحیح اسانید کی فہرست میں کیا جاتا ہے۔

**(۷) حدیث سالم بن عبید رضی اللہ عنہ:**

ابن ماجة: عن نصر بن علی الجھضمی، عن عبداللہ بن داؤد عن سلمة بن نبیط عن نعیم بن ابی ھند، عن نبیط بن شریط عن سالم بن عبید.

**تنقید نگار کہتا ہے: ابن ماجہ نے کہا ہے: یہ حدیث غریب ہے:**

میں کہتا ہوں: یہ ابن ماجہ کے اس کلام کا باقی حصہ ہے جس سے غریب کا معنی قاری کے لیے واضح ہوتا ہے۔ ابن ماجہ نے یہ حدیث لانے کے بعد کہا ہے ابوعبداللہ کہتا ہے: یہ حدیث غریب ہے، علی بن نصر کے علاوہ کسی دوسرے نے یہ

حدیث بیان نہیں کی۔ سیاق الکلام سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ غریب سے مراد غموض وخفا اور لوگوں کے مابین مشہور روایت کی مخالفت نہیں۔ بلکہ یہ حدیث اہل سنت والجماعت کی اصطلاح میں غریب ہے۔ ان کے ہاں غریب اس حدیث کو کہا جاتا ہے جس کو روایت کرنے میں سند کے طبقات میں سے کسی ایک طبقہ میں صرف ایک ہی راوی رہ جائے۔ بھلے وہ صرف ایک ہی طبقہ کیوں نہ ہو اور یہاں پر ابو عبداللہ (ابن ماجہ) کی اطلاع کے مطابق یہ حدیث نصر بن علی کے علاوہ کسی دوسرے راوی نے بیان نہیں کی۔ پس اس اعتبار سے یہ حدیث غریب ہے۔''

اور پھر یہ کہا ہے: ''اس کی سند محل نظر ہے۔'' اس لیے کہ نعیم بن ابی ہند سے روایت کو امام مالک نے ترک کیا ہے۔ اس سے مالک کے علاوہ دوسرے محدثین نے بھی روایات نقل کی ہیں جیسے کہ امام مسلم، امام نسائی، ترمذی، ابن ماجہ۔ ابن حجر نے اس کے بارے میں کہا ہے: ''آپ ثقہ ہیں، ناصبی ہونے کا الزام لگایا گیا ہے۔''[1]

ہمارے نزدیک یہ ثقہ راوی ہی ہے اور اگر اس کے ہاں کوئی بدعت تھی تو اس کا بوجھ اسی کے سر پر ہے۔ پھر آگے چل کر کہا ہے: سلمہ بن نبیط سے بخاری نے روایت نہیں کیا اور نہ ہی مسلم نے روایت کیا ہے۔ امام بخاری نے کہا ہے: آخری عمر میں حافظہ میں اختلاط ہو گیا تھا۔

میں کہتا ہوں: احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں کہا ہے: ثقہ راوی ہے۔

وکیع رحمہ اللہ اس پر فخر کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے: یہ روایت ابن سلمہ سے ہے اور وہ ثقہ عالم ہے۔

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے کہا ہے: ''سلمہ بن نبیط ثقہ ہے۔

ابن نمیر رحمہ اللہ نے کہا ہے: مسلمہ بن نبیط ثقہ رواۃ میں سے ہے، آپ کوفی تھے اور ابو نعیم رحمہ اللہ آپ پر فخر کا اظہار کیا کرتے تھے۔

اور عبدالرحمٰن رحمہ اللہ نے کہا ہے: میں نے اپنے والد سے سلمہ بن نبیط کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج والی بات نہیں، وہ صالح آدمی ہے۔

ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہا جاتا ہے کہ اسے اختلاط لاحق ہو گیا تھا۔ ضعیف ہونے کی یہ جرح ابن حجر رحمہ اللہ نے ضعیف الفاظ میں ذکر کی ہے اور کہا ہے: ''یقال'' کہا جاتا ہے۔[2]

جہاں تک امام بخاری کے آپ کو ضعیف کہنے کا تعلق ہے، تو ہم پہلے یہ بتا چکے ہیں کہ آخری عمر میں اختلاط کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ تمام روایات ہی ناقابل اعتبار ہو گئی ہیں اور ان سے روایات لینے والے کبار محدثین اور راویوں کی روایات کو ترک نہیں کیا جا سکتا، جنھوں نے ایام جوانی میں اختلاط سے قبل آپ سے حدیث روایت کی ہے۔ خصوصاً سلمہ بن نبیط کا شمار صغار تابعین میں ہوتا ہے۔ یہاں پر اس سے روایت کرنے والا عبداللہ بن داؤد صغار اتباع تابعین میں سے ہے۔ یہ ان لوگوں میں سے ہے جنھوں نے ایام شباب میں سلمہ سے ملاقات کی، یہ بڑھاپے سے پہلے کی مدت ہے۔

[1] تقریب التهذيب: (٧١٧٨)

[2] تقریب التهذيب: (٧١٧٨) تهذيب الكمال: (١١/ ٣٢٠) تهذيب التهذيب: (٤/ ١٣٩)

امام بخاری اور مسلم کا اس سے روایت ترک کرنا اس کی عدالت میں قدح یا روایت کے ساقط الاعتبار ہونے کا سبب نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ان ائمہ نے تمام ثقات سے روایات نقل نہیں کیں۔ وگرنہ پہلے نمبر پر جس سے امام بخاری نے روایت نقل نہیں کی، وہ امام جعفر الصادق ہیں، حالانکہ آپ کا شمار بلا اختلاف کبار ثقات میں ہوتا ہے۔ تو پھر کیا عقل اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ یہ عمل حضرت جعفر صادق کی شخصیت پر طعن وتنقید کا سبب بن جائے۔ لیکن امام بخاری کا طریقہ یہ ہے کہ جب ثقہ راوی سے نقل کرنے والے راوی ضعیف یا غیر مقبول ہوں، تو وہ ثقہ کی روایت کو ترک کر دیتے ہیں۔

اس سارے معاملہ میں بات صرف اتنی سی ہے جیسا کہ حضرت جعفر الصادق رحمہ اللہ کا معاملہ ہے۔

## (۸) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی احادیث

زہری کی روایات حضرت انس سے:

بخاری، عن ابی الیمان، عن شعیب، عن الزهری عن انس بن مالك.

مسلم: عن عمرو الناقد، و حسن الحلوانی، و عبد بن حمید، قال عبد بن حمید اخبرنی، و قال الآخران حدثنا یعقوب، هو ابن ابراهیم بن سعد، عن ابیه، عن صالح عن ابن شهاب عن انس بن مالك.

مسلم: عن عبدالرزاق عن معمر، عن الزهری، عن انس.

احمد: عن عبدالله عن ابیه عن یزید عن سفیان۔ یعنی ابن الحسین عن الزهری عن انس.

"تنقید نگار اپنی بات شروع کرتے ہوئے کہتا ہے: جہاں تک مالک بن انس کی احادیث کا تعلق ہے، تو ان میں سے کچھ احادیث ان سے زہری نے روایت کی ہیں، جنہیں امام بخاری، مسلم اور احمد نے اپنی کتب میں جگہ دی ہے، زہری کی بابت آپ کو معلوم ہوگیا ہے۔ میں کہتا ہوں: ہم زہری کو اچھی طرح جانتے ہیں آپ حافظہ کی تاریخ میں ایک نادر شخصیت تھے۔"

پھر (ناقد) کہتا ہے: اس کے ساتھ ہی بخاری کے ہاں زہری سے روایت کرنے والا شعیب ہے۔ اس کا نام شعیب بن حمزہ ہے۔ یہ زہری کا کاتب اور اس کا راوی ہے۔

مجھے پتا نہیں چل سکا کہ اس جملہ کے اضافہ کی کیا وجہ ہے، شعیب بن حمزہ اور زہری دونوں ثقہ ہیں۔

پھر وہ اپنا کلام مکمل کرتے ہوئے کہتا ہے: شعیب سے روایت کرنے والا ابو الیمان حکم بن نافع ہے۔ علماء نے شعیب سے اس کی روایت پر کلام کیا ہے۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ ابو الیمان نے شعیب سے ایک کلمہ تک نہیں سنا۔ اس کے لیے تہذیب التہذیب کا مراجعہ کیا جا سکتا ہے۔

اب ہم ان علماء کے اقوال دیکھتے ہیں جنہوں نے شعیب سے ابو الیمان کی روایت کو ضعیف کہا ہے، دیکھتے ہیں:

تہذیب التہذیب: ابن حجر نے ابو الیمان کے حالات زندگی تحریر کرتے ہوئے علماء کے بذیل اقوال نقل کیے ہیں۔شعیب کا بیٹا کہتا ہے: میرے پاس ابوالیمان آیا اور شعیب کی کتب لے کر گیا اور اہل حمص کے شعیب کے ساتھ قصہ میں ہے، کہ ان سے کہا تھا تم مجھ سے وہ تمام احادیث روایت کر سکتے ہو۔ حاضرین میں ابوالیمان بھی موجود تھا۔

ابو الیمان کہتا ہے: مجھ سے احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہا: تم نے شعیب سے اس کی کتب کی سماعت کیسے کی؟ میں نے کہا: میں نے بعض کتابیں انہیں پڑھ کر سنائیں اور بعض کتابیں انہوں نے پڑھ کر مجھے سنائیں۔ اور بعض کتابیں روایت کرنے کی مجھے اجازت دی اور بعض کا مجھے مناولہ کیا اور کہا: تم ان تمام میں کہہ سکتے ہو: اخبرنا شعیب۔

اور یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے ابو الیمان رحمہ اللہ سے شعیب بن ابوحمزہ کی احادیث کے متعلق سوال کیا، تو انہوں نے کہا: یہ صرف بطریق مناولہ ہی نہیں اور نہ ہی میں نے بطور مناولہ کسی سے کوئی ایک حدیث روایت کی ہے۔

ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''ابو الیمان نے شعیب سے صرف ایک حدیث سماعت کی ہے اور باقی کی اجازت ملی ہوئی ہے۔ ❶

اور یہ بات انتہائی سادہ؛ بدیہی اور واضح ہے کہ جو کوئی حفظ کر لیتا ہے، وہ حفظ نہ کرنے والوں پر حجت ہوتا ہے اور علم والا جاہل پر حجت ہوتا ہے۔ یہ تمام حضرات ابو الیمان کو شعیب کی اجازت کو ثابت مانتے ہیں۔ لیکن یہ طعنہ گر ان تمام اقوال کو سمندر میں پھینک کر صرف ابوداؤد کا قول پیش کر رہا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ صحیح اسانید اس وقت زیادہ ہو جاتی ہیں جب امام بخاری رحمہ اللہ نے شعیب سے ابوالیمان کی سند سے روایت کیا ہے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی دو اسناد سے روایت کیا ہے۔

پھر تناول اسناد کا معاملہ مسند امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ میں بھی وارد ہوا ہے، جو کہ زہری سے سفیان بن حسین رحمہ اللہ کی سند سے ہے۔

معترض کا کہنا کہ: عدم موافقت، زہری کی روایت میں یہ صحیح ہے، لیکن زہری فی نفسہ ثقہ راوی ہے، جبکہ زہری کے علاوہ دیگر محدثین سے روایت کے صحیح ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے، جیسا کہ ابن حجر نے تقریب التہذیب میں کہا ہے۔

جبکہ جرح و تعدل میں ہے کہ یحییٰ بن معین نے کہا ہے: سفیان بن حسین میں کوئی حرج والی بات نہیں۔ اس کا شمار اکابر اصحاب زہری میں نہیں ہوتا اور اس کے بارے میں کہا ہے:

''بیشک وہ ثقہ راوی ہے، اور صالح انسان ہے۔''

---

❶ تهذيب التهذيب: (٢/ ٣٨٠) ❷ الجرح و التعديل: (٤/ ٢٢٧)

زہری سے اس کی روایت پر کلام ہے، اس لیے کہ انہوں نے زہری سے صرف حج موسم میں حدیث سنی ہے۔
جیسا کہ اس تنقید نگار نے زہری پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے: امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کا شمار امام بخاری اور امام مسلم رحمہم اللہ کے اساتذہ میں ہوتا ہے آپ جرح وتعدیل کے امام ہیں اور اہل علم کا اتفاق ہے کہ ائمہ حدیث میں سے صحیح اور سقیم کی سب سے زیادہ معرفت رکھنے والے ہیں۔ آپ کا انتقال ۲۰۳ ہجری میں ہوا۔ آپ کے حالات زندگی تذکرۃ الحفاظ (۲/۴۲۹) پر موجود ہیں۔ ان کے بارے میں بھی اسے وہیں سے لینا چاہیے جیسے زہری پر نقد کے بارے میں وہاں سے لیا ہے۔

## ثانیاً: روایات حمید عن انس رضی اللہ عنہ:

النسائی: عن علی بن حجر، عن اسماعیل، عن حمید، عن انس.

احمد: عبدالله، حدثنی ابی، حدثنا عبدالله بن الولید، ثنا سفیان عن حمید عن انس بن مالك.

تنقید نگار کہتا ہے ان میں سے وہ روایات بھی ہیں جو انس سے حمید نے روایت کی ہیں۔ یہ روایات نسائی اور احمد نے نقل کی ہیں۔ حمید: سے مقصود حمید بن ابوحمید الطّویل ہے اور اس کے متعلق نصوص موجود ہیں کہ یہ مدلس تھا اور انس سے اس کی روایات میں تدلیس پائی جاتی ہے۔ اور یہ حدیث بھی ان ہی احادیث میں سے ایک ہے اور اس نے اپنی بات کو درست ثابت کرنے کے لیے تہذیب التہذیب کا حوالہ دیا ہے۔
جب ہم تہذیب التہذیب پر نظر ڈالتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ علماء کرام کی اس بارے میں یہ رائے ہے۔
ابن خراش کہتے ہیں: اس نے حضرت انس کی اکثر احادیث ثابت سے سنی ہوئی ہیں اور مومل نے حماد سے روایت کیا ہے کہ حمید ثابت سے جو انس کی احادیث روایت کرتا ہے ان میں سے اکثر احادیث اس نے سنی ہوئی ہیں۔
ابوعبیدہ الحداد نے شعبہ سے روایت کیا ہے کہ حمید نے انس سے صرف چوبیں احادیث سماعت کی ہیں۔ جبکہ باقی اس نے ثابت سے سنی ہیں۔ اور ثابت نے انہیں ثبت کہا ہے۔
ابن عدی کہتے ہیں اس کی بہت زیادہ احادیث درست ہیں اور ائمہ حدیث نے اس سے احادیث روایت کی ہیں۔
یہ جو کہا جاتا ہے کہ اس نے انس سے صرف چند ایک (چوبیں) احادیث سنی ہیں، اور باقی احادیث ثابت کے ذریعہ سے ان سے سنی ہیں۔ تو اس باب میں اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت انس سے مروی اس کی احادیث میں تدلیس پائی جاتی ہے حالانکہ وہ روایات ثابت سے سنی ہوئی ہیں۔ حافظ ابوسعید العلائی کہتے ہیں: یہاں پر اس اعتبار سے حمید کی روایات مدلس ہوں گی۔ لیکن ان کے مابین واسطہ صاف اور واضح ہو چکا ہے اور واسطہ والا راوی ثقہ ہے۔ [1]
پس دریں صورت اگر حدیث مدلس بھی ہو تب بھی واسطہ واضح ہو گیا ہے۔ واسطہ کا علم ہو گیا ہے۔ پس اب اس کی سند پر طعنہ نہیں کیا جا سکتا۔

[1] تہذیب: (۳/ ۳۵)

پھر تنقید نگار کہتا ہے: ان سابقہ اعتراضات کے ساتھ ساتھ احمد سے روایت کرنے والا راوی سفیان بن حسین ہے، جس کے بارے میں آپ کو علم ہو چکا ہے۔ سفیان بہت بڑا جھوٹا تھا۔ گویا کہ علماء نے یہ بات کہی ہی نہیں کہ وہ زہری کے علاوہ دیگر سے روایت کرنے میں ثقہ ہے۔ ان علماء میں سے ایک یحییٰ بن معین رحمہ اللہ بھی ہیں اور پھر اس کے بعد اس نے حضرت انس بن مالک رحمہ اللہ پر طعنہ زنی شروع کی ہے اور بڑی جرأت کر کے امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ دونوں کی اسناد سے غفلت کا مظاہرہ کیا ہے، وہ سندیں یہ ہیں:

البخاری: عن ابی معمر، عن عبدالوارث عن عبدالعزیز عن انس.

مسلم: عن محمد بن المثنی و ہارون بن عبداللہ بن عبدالصمد عن ابیہ عن عبدالعزیز عن انس.

اور پھر کہتا ہے: یہ تو ہوا، اب خواہ انس سے اسناد صحت کے ساتھ ثابت ہوں یا نہ ہوں، یہاں پر کلام تو انس رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر ہے۔ سب سے پہلی بات: پہلی روایت میں اس کا جھوٹ بھرا ہوا ہے۔ اور یہ بات اس بھنے ہوئے پرندہ والی روایت سے ظاہر ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آ جائیں۔ (اس پوری حدیث کو بیان کرتے ہوئے انس کے جھوٹ کا نقطہ ہم پر واضح ہو جائے گا)۔ رسول اللہ ﷺ ان کے آنے کا انتظار کر رہے تھے، وہ جب بھی آتے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں تو حضرت انس کہتے: رسول اللہ ﷺ کسی کام میں مصروف ہیں؛...... حتی کہ رسول اللہ ﷺ غصہ ہوئے اور پوچھا: آپ نے پوچھا: اے انس! تم نے ایسے کیوں کیا؟...... الخ [1]

جہاں تک بھنے ہوئے پرندے والی حدیث کا تعلق ہے، تو چاہیے تو یہ تھا کہ اس حدیث کو علی الاطلاق قبول نہ کیا جائے جبکہ اس نے اس کی اسانید پر تنقید کرنے کے بعد بھی روایت کو صرف اس لیے قبول کیا ہے تا کہ اس کے دل کو تسلی ہو جائے۔ اس پر مزید یہ کہ متن پر ایک نظر ڈالنے سے سند میں بحث کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی تھی۔ اس لیے کہ اس روایت میں ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی۔

[1] المستدرک ۳/ ۱۳۰۔ منہاج السنۃ میں ابن تیمیہ نے ابن مطہر حلی کے حوالہ سے یہ روایت رد کرتے ہوئے نقل کی ہے۔ روایت یوں ہے: نبی ﷺ کے پاس ایک پرندہ لایا گیا، تو آپ نے دعا کی: ''اے اللہ! اس پرندے کا گوشت کھانے کے لیے کسی ایسے شخص کو میرے پاس بھیج جو مجھے اور تجھے سب لوگوں میں سے عزیز تر ہو۔ اتنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے؛ اور دروازے پر دستک دی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ کسی ضرورت میں مشغول ہیں۔ پس آپ واپس چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر پہلے کی طرح دعا کی؛ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ حضرت انس نے پھر کہا: کیا میں نے نہیں کہا کہ: آپ کسی ضرورت میں مشغول ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر واپس پلٹ گئے۔ نبی کریم ﷺ نے پھر پہلے کی طرح دعا کی؛ آپ پھر واپس آئے اور پہلے دو بار کی نسبت بہت سخت دستک دی۔ اس دستک کو رسول اللہ ﷺ نے سن لیا اور فرمایا: اسے اندر آنے کی اجازت دو۔ جب آپ اندر تشریف لائے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے اتنی دیر کیوں لگا دی؟ تو انہوں نے عرض کیا: میں ایک بار آیا تو مجھے انس نے واپس کر دیا' پھر دوسری بار آیا تو انس نے واپس کر دیا۔ پھر میں تیسری بار آیا تو انس نے واپس کر دیا۔ آپ نے پوچھا: اے انس! تم نے ایسے کیوں کیا؟ تو انہوں نے عرض کی: میں یہ امید کرتا تھا کہ یہ دعا انصار کے کسی فرد کے لیے ہو۔ تو آپ نے فرمایا: اے انس! کیا انصار میں علی سے بہتر بھی کوئی ہے؟ یا انصار میں علی سے افضل بھی کوئی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت علی اللہ تعالیٰ کے ہاں رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر محبوب ہیں۔ یہ بہت ہی بری بات ہے جس کا وہ اظہار کرتے ہیں۔

جب کہ دوسری حدیث کی سند میں عبید بن کثیر العامری ہے۔ اس کے متعلق بدوری اور الغلابی نے ابن معین سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ثقہ نہیں ہے۔ ابن جنید نے ابن معین سے روایت کیا ہے کہ وہ تو کذاب ہے۔

اور عبدالخالق بن منصور رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کے بارے میں ابن معین رحمہ اللہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: نہیں، اس کی کوئی کرامت اور عزت نہیں۔ اخلاق کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے اچھا آدمی تھا۔

ابوزرعہ رحمہ اللہ نے کہا ہے: حدیث میں کمزور ہے۔ اس نے کئی منکر احادیث بھی بیان کی ہیں، جنہیں آگے روایت کرنا مناسب نہیں۔

ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے کہا ہے: میں نے اپنے والد سے اس کی بابت پوچھا؟ تو انہوں نے کہا کہ روایت میں کمزور ہے اور حدیث بیان کرنے میں گیا گزرا انسان ہے؛ میرے سامنے اس کی روایت مت بیان کرنا۔

صالح بن محمد رحمہ اللہ نے کہا ہے: وہ کذاب ہے، احادیث گھڑا کرتا تھا اور اس سے کئی منکر احادیث بھی مروی ہیں۔ یہ سفیان کا بھانجا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی بابت کہا ہے: وہ احادیث گھڑا کرتا تھا اور مجھے سفیان سے اس کی قرابت کا علم نہیں۔ میں نے پوچھا کیا ابن معین نے بھی ایسے ہی کہا ہے؟ تو وہ خاموش ہو گئے۔

امام نسائی اور ابوبکر الجعابی رحمہما اللہ نے اسے متروک الحدیث کہا ہے۔

ابن حبان رحمہ اللہ نے کہا ہے: وہ ثقہ راویوں کے نام لے کر من گھڑت روایات بیان کیا کرتا تھا۔ اس نے ہشام بن عروہ کے نام پر ایک من گھڑت نسخہ بھی بیان کیا ہے۔

ابونعیم الاصبہانی رحمہ اللہ نے اسے بے کار اور متروک کہا ہے۔ پس یہ اسناد [تمہیں ہی] مبارک ہوں۔

دوسری سند کے ساتھ روایت ہونے والی حدیث کے متن پر بھی کئی ملاحظات ہیں۔ اگرچہ سند صحیح بھی ثابت ہو جائے اس لیے کہ حدیث سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ولاء ثابت نہیں ہوتا۔ آپ نے اپنی بیماری کی حالت میں حاضرین سے کہا کہ انہیں اٹھا کر بٹھایا جائے۔ پھر جب آپ بیٹھ گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدح میں یہ حدیث بیان کی اور اس روایت سے اتنا ثبوت ہی کافی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سننے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک دشمن ان کا دوست بن گیا۔

طعنہ زنی کرنے والے کو چاہیے تھا کہ وہ اس روایت کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے منقبت کے طور پر پیش کرتا نہ کہ طعنہ زنی کے طور پر۔ کیونکہ تنقید نگار خود اس روایت کے صحیح ہونے کی تصدیق کرتا ہے، پھر وہ کیسے یہ گمان کرتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عداوت کو دل میں چھپائے ہوئے تھے؟ پھر یہ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاں مقصود حضرت علی نہیں

تھے اس لیے کہ بالفرض اگر ان سے قبل حضرت ابوبکر وعمر یا عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین آ جاتے تو پھر بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ یہی برتاؤ کرتے۔ (جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے) جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا اس لیے کہ آپ اپنی قوم سے محبت کرتے تھے تو آپ چاہتے تھے کہ یہ منقبت ان کی قوم کے کسی آدمی کو نصیب ہو جائے۔

اس تمام واقعہ میں کہیں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی توبیخ نہیں کی۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے دل کی بات معلوم ہو گئی تھی۔ بلکہ آپ نے فرمایا: جاؤ اور اسے اندر لے آؤ، اپنی قوم سے محبت کرنے والے تم پہلے فرد نہیں ہو۔ اگر حضرت انس رضی اللہ عنہ کا عمل غلط ہوتا (جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور آپ کو ڈانٹتے۔ عمومی طور پر یہ قصہ سند کے اعتبار سے ساقط الاسناد ہے اور سنن اس لیے بیان کیا ہے تا کہ لوگوں کو پتا چل جائے کہ ایسے تنقید نگار کیسے بھلائی کو برائی بنا کر پیش کر دیتے ہیں۔

پھر یہ تنقید نگار اپنا پیمانہ لبریز کرتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے متعلق کہتا ہے۔ پھر اس نے حق گواہی چھپائی۔ جیسا کہ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے لوگوں کو قصہ غدیر خم میں لوگوں کو قسم دینے اور ان سے گواہی طلب کرنے کے قصہ میں مذکور ہے۔ پس کچھ لوگوں نے گواہی دی اور کچھ نے انکار کیا۔ انس رضی اللہ عنہ انکار کرنے والوں میں سے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو بددعا دی، آپ کی بددعا تیر بہدف ثابت ہوئی اور یہ بات معلوم شدہ ہے کہ جھوٹے انسان کی روایت قبول نہیں کی جاتی اور گواہی چھپانا بہت بڑا کبیرہ گناہ اور راوی کی عدالت میں قدح ہے۔

میں کہتا ہوں: اگر اس قصہ کو بالفرض صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے، تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس میں کوئی جھوٹ نہیں بولا اور حاشا وکلا کہ آپ روایت میں جھوٹ بولیں۔ جبکہ اللہ عزوجل نے سات آسمانوں کے اوپر سے آپ کی عدالت قرآن کریم میں بیان کی ہے۔ لیکن جہاں تک کذابین سے روایت اور ان کی اخبار قبول کرنے کا تعلق ہے تو ہم چاہیے کہ اس موضوع پر ہم علماء شیعہ کے اقوال پر ہی نظر ثانی کر لیں اور ہمیں شیعہ کتب میں محمد بن سنان کے حالات زندگی دیکھنے چاہئیں۔

کشی حمدویہ سے نقل کرتے ہوئے کہتا ہے:

''میں یہ حلال نہیں سمجھتا کہ محمد بن سنان سے روایت حدیث نقل کیا کرو۔'' [1]

اور فضل بن شاذان نے حمدویہ سے روایت کرتے ہوئے اپنی بعض کتابوں میں بیان کیا ہے کہ میں محمد بن سنان کی روایت نقل کرنا حلال نہیں سمجھتا۔

اور فضل نے بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ ابن سنان عبداللہ نہیں دوسرا ہے، یہ بڑا مشہور جھوٹا انسان تھا؛ جیسا کہ ابن خطاب وغیرہ۔ [2]

---

[1] رجال الکشی: (۴۲۸)

[2] رجال الکشی: (۴۲۸)

سید ہاشم معروف نے کہا ہے: محمد بن سنان پر تہمت ہے کہ وہ ائمہ اہل بیت پر جھوٹ بولا کرتا تھا۔
اور فضل بن شاذان سے یہ بھی منقول ہے اس نے کہا ہے: ''میں تمہارے حلال قرار نہیں دیتا کہ تم محمد بن سنان کی احادیث روایت کرو اور بعض کتب میں اسے ابی الخطاب یونس بن ظبیان اور یزید الصائغ وغیرہ کی طرح جھوٹا کہا گیا ہے۔ ❶
اور اس کے بارے میں یہ بھی کہا ہے کہ فضل بن شاذان نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ وہ مشہور جھوٹا تھا۔ اکثر علماء شیعہ کا اس کی تکذیب پر اتفاق ہے۔ ❷

## (۹) احادیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا:

تنقید نگار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایات اور ان کی اسناد نقل کرنے کے بعد پورے اعتماد سے کہتا ہے: ان میں سے کوئی ایک سند بھی طعن وقدح سے خالی نہیں۔ اس بنا پر یہ روایات ساقط الاعتبار اور نا قابل احتجاج ہیں۔

اب ہم ان اسناد اور ان پر تنقید پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

اولاً: اسد بن یزید النعیم کی روایات:

البخاری: عن عمر بن حفص بن غیاث عن ابیه عن الاعمش عن ابراهیم عن الاسود عن عائشه .

البخاری: عن مسدد، عن عبدالله بن داود، عن الاعمش، عن ابراهیم عن الاسود، عن عائشه .

البخاری: عن قتیبة بن سعید، عن ابی معاویة عن الاعمش عن ابراهیم، عن الاسود عن عائشه .

مسلم: عن ابی بکر بن ابی شیبة، عن ابی معاویة وکیع و عن یحیی بن یحیی، و اللفظ له۔ اخبرنا معاویة، عن الاعمش عن ابراهیم عن الاسود، عن عائشة .

نسائی: عن محمد بن العلاء عن ابو معاویة، عن الاعمش عن ابراهیم عن الاسود، عن عائشة .

احمد: عن عبدالله عن ابیه عن وکیع حدثنا الاعمش عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة .

ابن ماجه؛ عن ابوبکر بن ابی شیبة عن ابی معاویة و وکیع عن الاعمش و عن علی بن محمد عن وکیع عن الاعمش عن ابواهیم عن الاسود عن عائشة رضی اللہ عنہا .

❶ الموضوعات فی الآثار والأخبار: (۲۱۹)
❷ دراسات فی الحدیث: (۲۹۷)

اسود سے ابتدا کرتے ہوئے کہتا ہے اسود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منحرف لوگوں میں سے تھا۔ پھر کہتا ہے: اس سے روایت کرنے والا راوی تمام اسناد مذکورہ میں ابراہیم بن یزید النخعی ہے، جس کا شمار اعلام مدلسین میں ہوتا ہے۔ ابوعبداللہ یعنی امام حاکم نے کہا ہے: اس کا شمار مدلسین کے چھوٹے طبقہ میں ہوتا ہے۔ ایک قوم نے احادیث میں تدلیس کی اور انہیں مجروحین سے روایت کیا ہے، اور ان کے نام اور کنیتیں بدل دیں تا کہ ان کا پتا نہ چل سکے۔ کہتا ہے: اخبرنی عبداللہ بن محمد بن حمدویه الدقیقی، قال حدثنا جعفر بن ابی عثمان الطیالسی، قال حدثنی خلف بن سالم، قال: سمعت عدة من مشائخ اصحابنا...... وہ آپس میں کثرت کے ساتھ تدلیس اور مدلسین کا تذکرہ کر رہے تھے۔ پس ہم ان کی روایات میں تمیز کرنے میں لگ گئے۔ سو ہم پر حسن بن ابی الحسن اور ابراہیم بن یزید النخعی کی تدلیس مشتبہ ہوگئی۔ اس لیے کہ حسن اپنے اور صحابہ کے درمیان بہت سارے مجہول لوگوں کو لے آتا ہے اور کبھی کبھار عتی بن ضمرۃ، حنیف بن المنتجب اور دغفل بن حنظلۃ اور ان کے امثال راویوں سے تدلیس کرتا ہے اور ایسے ہی ابراہیم بھی اپنے اور اصحاب عبداللہ کے مابین بہت سارے لوگوں کو داخل کر دیتا ہے، جیسا کہ ہنی بن لویرہ، مسہم بن متجاب اور خزامہ الطائی اور اکثر اوقات ان سے بھی تدلیس کرتا ہے۔''[1]

❀ میں کہتا ہوں: اس تنقید نگار نے جو کہا ہے کہ امام حاکم نے ضعیف کہا ہے اور پھر اس روایت کو ابراہیم کی سند سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب کے ساتھ مقید کیا ہے، یہ حدیث ان روایات میں سے نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس نے اپنے ماموں اسود بن یزید سے براہ راستہ روایت کیا ہے، اس سے اس کی روایات بہت زیادہ ہیں۔ اور یہ راوی اپنے ماموں سے رویات کرنے میں تدلیس نہیں کرتا۔ اس لیے کہ ان سے نقل کرنے والا یہ راوی بڑا مشہور ہے اور یہ اس پر مستزاد ہے کہ حاکم نے بھی یہ کہا ہے کہ کبھی کبھار تدلیس کرتا ہے۔

❀ اس تنقید نگار نے اس علمی امانت کا یہ حشر کیا کہ عبارت کو بدل کر یوں کر دیا کہ وَ هُوَ مِنْ أَعْلَامِ الْمُدَلِّسِيْنَ' اور وہ چوٹی کے مدلسین میں سے ہے۔'' اور اس پر بھی مستزاد یہ کہ ابراہیم النخعی کو کتب الرجال میں کہیں بھی مدلس نہیں کہا گیا۔ مزید برآں کہ وہ کتب تراجم جن کی طرف اس تنقید نگار نے رجوع کیا ہے، وہ نخعی کے بارے میں اس کا اپنا یہ قول نقل کرتی ہیں کہ ''جب میں تم سے عبداللہ سے حدیث بیان کروں، تو وہ وہی عبداللہ ہے جس کے متعلق تم سن چکے ہو۔ اور ایسے ہی جب میں کہتا ہوں: قال عبداللہ تو یہ وہ روایت نہیں ہوتی جس میں میں عن عبدالله کہتا ہوں۔''[2]

اور بالعموم یہاں پر یہ روایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نہیں۔ یہاں پر ایک اور باریک اور اہم نقطہ اور بھی ہے وہ یہ کہ ہنی بن نویرہ اور سہم بن منجاب دونوں ثقہ راوی ہیں اور خزاعہ الطائی کے حالات زندگی ہمیں نہیں مل سکے۔ اس سے واضح ہوتا ہوا کہ ابراہیم نخعی کے بارے میں امام حاکم کا کلام خطا پر مبنی تھا۔ رحمهما الله.

---

1. معرفة علوم الحديث: (١٠٨)
2. تهذيب الكمال: (٢/ ٢٣٩)

پھر اس تنقید نگار نے تدلیس کی تہمت لگاتے ہوئے حضرت اعمش پر بہتان طرازی کی ہے اور یہ بھول گیا کہ اعمش اسلام کے بہت بڑے راویوں میں سے ہیں۔ اعمش پر طعن کرنے والا درحقیقت اپنی ذات پر طعنہ زنی کرتا ہے۔ اس لیے کہ اعمش عمداً تدلیس نہیں کرتا تھا اور اس پر مستزاد یہ کہ وہ شیعہ اور اہل سنت کے ہاں معتبر راویوں میں سے ایک ہے۔ عبدالحسین موسوی نے المراجعات میں اس کا دفاع کیا ہے۔

پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اس تنقید نگار نے جب زہری پر تنقید کرنا تھی، تو اس نے ابن معین کا قول زہری پر اعمش کی فضیلت میں بطور استشہاد پیش کیا تھا۔ حالانکہ یحییٰ بن معین کا کلام جسے یہ نقاد غلط سمجھا ہے، وہ ایسے شروع ہوتا ہے: عمدہ ترین سند یہ ہے: اعمش، عن ابراہیم، عن علقمہ، عن عبداللہ۔ یعنی اعمش کی ابراہیم سے روایت نمایاں ترین روایات میں سے ہے۔ اس لیے کہ ان یک صحبت بہت لمبا عرصہ رہی ہے اور اس سند کی نسبت سلسلہ ذہبیہ کی طرف ہوتی ہے۔ اور اس تنقید نگار کو بھی یہ علم ہے کہ یحییٰ بن معین امام بخاری اور مسلم رحمہ اللہ کے استاذ اور ائمہ جرح وتعدیل میں سے ہیں۔

اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ صحیح وسقیم حدیث کے سب سے بڑے ماہر تھے۔ آپ کی وفات ۲۰۳ ہجری میں ہوئی۔ آپ کے حالات زندگی تذکرۃ الحفاظ (۲/۴۲۹) اور دیگر کتب میں موجود ہیں۔ پس حضرت اعمش اور ابراہیم نخعی پر ان کی تنقید کی کوئی بنیاد ہی نہیں۔ اگر وہ اس کو کسی بنیاد پر قائم کرنا چاہتا ہے تو پہلے اسے اپنے دعوے ختم کرنا ہوں گے۔ جن میں اس نے اس روایت پر اعتماد کرتے ہوئے زہری پر تنقید کی ہے۔

پھر وہ حفص بن غیاث پر زبان طعن دراز کرتے ہوئے کہتا ہے: پھر بخاری کی ایک روایت میں ابو معاویہ سے روایت کرنے والا حفص بن غیاث ہے، جو کہ مدلسین میں سے ہے اور اس کے لیے اس نے تہذیب التہذیب کا حوالہ دیا ہے۔ اب ہم تہذیب میں دیکھتے ہیں کہ کیا لکھا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: آپ ائمہ اثبات میں سے ہیں۔ آپ کے ثقہ اور قابل حجت ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ ہاں آخری عمر میں آپ کے حافظہ میں کمزوری آ گئی تھی۔ پس جن حضرات نے ان کی کتاب سے سماعت کی ہے، وہ ان لوگوں سے بہتر ہیں جنہوں نے آپ کے حافظہ سے سماعت کی ہے۔ یہ ابوزرعہ کا قول ہے۔

اور ابن المدینی نے کہا ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان کہا کرتے تھے: اصحاب اعمش میں سے حفص سب سے ثقہ راوی ہیں۔ مزید کہتے ہیں: میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتا تھا، جب میں دوسری بار کوفہ آیا تو ان کے بیٹے عمر نے اپنے باپ کی ایک کتاب نکال کر میرے سامنے رکھی، جو کہ اعمش سے مروی تھی، تو میں القطان کے لیے رحمت کی دعا کرنے لگا۔

میں کہتا ہوں: ''امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کے اعمش سے حفص کے روایت کرنے پر اعتماد کیا ہے۔ اس لیے کہ وہ زیادہ بہتر جانتے تھے کہ کس حدیث میں اعمش نے صراحت کی ہے اور کس میں تدلیس کی ہے۔ ابوالفضل الطاہر نے اس طرف توجہ دلائی ہے اور بات ویسے ہی ہے جیسے اس نے کہی ہے، اس لیے کہ حفص سے ایک جماعت نے روایت کی ہے۔ [1]

[1] مقدمة فتح الباري: (۱/ ۳۹٦)

پس یہ حدیث اس اکیلی سند کے ساتھ بخاری میں آئی ہے، جو کہ احتجاج کے قائم مقام ہے۔ اس لیے حفص بن غیاث پر طعن نے تنقید نگار کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے۔ اس لیے کہ حفص اصحاب اعمش میں سب سے زیادہ ثقہ وثبت راوی ہے۔ پس حفص کی اعمش سے روایت میں کوئی تدلیس نہیں پائی جاتی۔ بلکہ آپ اعمش سے روایت کی کیفیت کو وہ زیادہ بہتر جانتے ہیں اور اعمش سے حفص کی روایت ممتاز اور جداگانہ ہوتی ہے اس سے مدلس اور غیر مدلس روایت میں فرق ہوتا ہے۔ پس یہ معلوم رہے کہ حفص کی اعمش سے روایت میں تدلیس ہرگز نہیں پائی جاتی۔ یہ اسناد چڑھتے سورج کی طرح واضح ہیں۔ لیکن ان لوگوں نے علمی امانت کا جنازہ نکال دیا ہے۔

دوم: روایات عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ:

امام احمد: عن عبدالله عن ابيه عن شبابة عن شعبة عن سعد بن ابراهيم عن عروة بن زبير عن عائشة .

البخاري: عن زكريا بن يحيى ، عن ابن ضمير ، عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة .

مسلم: عن ابی بکر بن ابی شيبة و ابی كريب ، قالا عن ابن نمير عن هشام و عن ابن نمير و الفاظهم متقاربة عن ابی هشام عن ابيه عن عائشة .

ابن ماجة: عن ابن ابی شيبة ، عن عبدالله بن نمير ، عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة .

البخاری: عن عبدالله بن يوسف عن مالك عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة .

الترمذی: عن اسحق بن موسى الانصاری عن معن عن مالك عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة .

موطا امام مالک: عن مالك عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة .

وفی الموطأ: عن عروة بن الزبير مرسلاً و لكنها موصولة ببقية الطرق۔

ان حضرات پر تنقید نگار نے ہجوم ان الفاظ میں شروع کیا ہے: عروہ بن زبیر کی پیدائش حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوئی۔ پس یہ حدیث مرسل ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں: ہمارے سامنے کئی ایک روایات ہیں سب کی سند موصول ہے۔ مرسل نہیں۔ حتیٰ کہ موطا کی روایات کو بھی باقی روایات سے ملایا جائے گا اس لیے کہ بخاری اور ترمذی کی روایات موطا امام مالک کی سند سے ہی منقول ہیں۔ ان کے مابین اسناد متصل ہیں۔ تو اس سے واضح ہو گیا کہ امام مالک رحمہ اللہ کی سند حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تک موصول ہے۔ لیکن جس سے اللہ تعالیٰ نے بصیرت چھین لی ہو، وہ کچھ بھی نہیں دیکھ سکتا۔

اس پر مزید یہ کہ بخاری اور مسلم رحمہ اللہ میں کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں جو عروہ رحمہ اللہ براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوں۔ بلکہ ان میں واسطہ کی صراحت ہے۔ بعض میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا واسطہ ہے اور بعض میں ان کے والد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا واسطہ۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایات نقل کی ہیں۔ پس حدیث متصل الاسناد ہے۔ واللہ الحمد۔

پھر یہ تنقید نگار کہتا ہے کہ عروۃ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض و عداوت رکھنے والوں میں معروف ہے، جیسا کہ زہری رحمہ اللہ کے ساتھ اس کے قصہ میں منقول ہے۔ اور اس کے بیٹے کے متعلق آتا ہے کہ وہ کم عمر ہونے کے باوجود جنگ جمل میں شریک ہوا تھا یہ اور زہری دونوں مل کر حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی پر مبنی احادیث گھڑا کرتے تھے۔ ہیثمی نے اس سے یہ حدیث نقل کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے جو کہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت میں ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ میری بیٹیوں میں سب سے اچھی ہے۔'' ❶

جب یہ خبر حضرت علی بن حسین رحمہ اللہ تک پہنچی، تو آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: یہ کیا حدیث ہے جو تم حق فاطمہ رضی اللہ عنہا میں کوتاہی پر مبنی روایت بیان کرتے ہو؟ تو اس نے کہا: آئندہ کبھی ایسے نہیں کروں گا۔

طعنہ زنی کرنے والا کہتا ہے کہ بیشک عروہ بن زبیر:

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے میں مشہور تھے۔

(۲) کم سنی کے باوجود جنگ جمل میں شریک ہوئے۔ اس نے ان باتوں کا حوالہ تہذیب التہذیب سے بتایا ہے۔

(۳) آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی پر مشتمل احادیث گھڑا کرتے تھے۔

اب ہم اس کی ایک ایک بات پر گفتگو کریں گے۔

اولاً: جہاں تک بغض کا تعلق ہے یہ ایک ایسی بدعت ہے جس کے پیچھے کوئی جھگڑا نہیں۔ اس کا اثبات طویل مقدمات کا محتاج ہے۔

ثانیاً: تنقید نگار کا یہ کہنا کہ آپ جنگ جمل میں شریک ہوئے تھے، اس کے لیے ہمیں سوانح حیات (کتب الرجال) دیکھنا چاہیے، تاکہ حقیقت کا پتہ چل سکے۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں کہا ہے کہ ابو اسامہ نے ہشام بن عروہ سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: مجھے اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام کو جنگ جمل کے دن چھوٹا ہونے کی وجہ سے راستہ سے واپس کر دیا گیا، جمل کے موقع پر ان کی عمر صرف تیرہ سال تھی، اس وجہ سے آپ کو چھوٹا شمار کیا گیا۔ ❷

ثالثاً: آپ پر حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے خلاف احادیث گھڑنے کا الزام، اس پر استشہاد تنقید نگار کی ذکر کردہ روایت سے پیش کیا گیا ہے۔ روایت میں یہ صراحت موجود ہے کہ حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ حضرت علی بن

❶ المعجم الکبیر: (۲۲/ ۴۳۱) مجمع الزوائد: (۹/ ۲۱۳)    ❷ تہذیب التہذیب: (۷/ ۱۶۵)

حسین رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رضامندی چاہتے تھے اور ان کی رضامندی کی خاطر وہ اس واقعہ کو بیان نہیں کرتے تھے۔ اگر چہ حدیث میں کئی ایک باتوں میں تاویل کا امکان تھا۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ اس وقت ارشاد فرمایا تھا، جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مکہ سے مدینہ لایا گیا۔ حالانکہ ہبار بن الاسود آپ کو اس سے قبل خوف زدہ کر چکا تھا، اس نے آپ کے اونٹ کی کونچیں کاٹ ڈالی تھیں، جس کی وجہ سے آپ گر گئیں اور حمل ساقط ہو گیا۔ پس جب وہ اپنے والد محترم فداہ ابی و امی علیہ السلام کے پاس پہنچیں تو آپ نے فرمایا: میری یہ بیٹی سب سے بہتر ہے، اسے میری وجہ سے تکلیف برداشت کرنا پڑیں۔'' ❶

اس کے ساتھ ہی حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ سے فضائل حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما میں مروی احادیث دشمن کے تمام تر بہتانوں پر پانی پھیر دیتی ہیں۔

پھر اس تنقید نگار نے بخاری و مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ کی اسانید پر یہ کہہ کر تنقید کی ہے کہ بخاری و مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ کی اسناد میں عروہ سے روایت کرنے والا اس کا بیٹا ہشام ہے، وہ بھی مدلسین میں سے ہے۔ اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ جو کچھ وہ لوگوں سے سنتا تھا، اسے اپنے والد کی طرف منسوب کر دیتا تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام مالک اس پر راضی نہیں تھے۔ ابن خراش نے کہا ہے: مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ امام مالک ہشام پر اہل عراق کی احادیث کے متعلق نالاں تھے۔ آپ تین بار کوفہ تشریف لائے تھے۔ پہلی بار آپ یوں کہا کرتے تھے: میرے والد صاحب نے مجھ سے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا۔

جب دوسری بار آئے تو یوں کہنے لگے: اباجی نے مجھے خبر دی ہے، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں اور تیسری بار آئے تو یوں کہہ رہے تھے میرے اباجی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔

اس سے ہر بصارت و بصیرت رکھنے والے انسان کے لیے ہر طرح سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جو ہشام نے مدینہ میں بیان کی ہیں اور یہ ان احادیث میں سے نہیں ہے جن پر امام مالک ناراض تھے۔ اس لیے کہ وہ خود ہی یہ حدیث اس سے روایت بھی کر رہے ہیں۔ آپ کی خفگی اہل عراق کی احادیث کی وجہ سے تھی۔ باوجود اس کے کہ وہ احادیث بھی اجمالی طور پر صحیح ہیں۔ یہاں پر ایک اور نقطہ بھی ہے جس کا ذکر کرنا بہت ضروری ہے وہ یہ کہ امام بخاری نے بدل بن محبر سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں ہمیں شعبہ نے خبر دی، وہ سعد بن ابراہیم سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں میں نے حضرت عروہ بن زبیر سے سنا، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں......۔''

یہ حدیث عروہ بن زبیر نے سعد بن ابراہیم سے روایت کی ہے، نہ کہ اس کے بیٹے ہشام نے لیکن اس تنقید نگار نے جان بوجھ کر حدیث کے اس پہلو سے چشم پوشی کی ہے، اس لیے کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ اس لیے کہ ان میں سے کسی ایک راوی میں بھی کسی بھی لحاظ سے کوئی طعن وارد نہیں ہوتا۔

❶ سبق تخریجہ

**ثالثاً: روایات عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ:**

البخاري:عن أحمد بن يونس عن زائده عن موسى بن ابى عائشة عن عبيدالله بن عبدالله بن عتبة عن عائشة .

مسلم: عن أحمد بن عبدالله بن يونس عن زائده عن موسى بن ابى عائشة عن عبيدالله بن عبدالله عن عائشة . ...... الخ

النسائي:عن محمود بن غيلان عن ابي داؤد عن شعبة عن موسى بن ابى عائشة عن عبيدالله بن عبدالله بن عتبة عن عائشة . ...... الخ

النسائي:عن العباس بن عبد العظيم العنبري ؛ عن عبد الرحمن بن مهدي عن زائده عن موسى بن ابى عائشة عن عبيدالله بن عبدالله بن عتبة عن عائشة . ...... الخ

الامام احمد: عن عبدالله عن أبيه عن عبد الأعلى عن معمر ؛ عن الزهري عن عبيدالله بن عبدالله بن عتبة عن عائشة . ...... الخ

''تنقید نگار کہتا ہے امام بخاری مسلم اور نسائی کی سند میں عبیداللہ سے روایت کرنے والا موسیٰ بن ابی عائشہ ہے۔ ابن ابی حاتم نے کہا ہے میں نے اپنے والد سے سنا وہ کہہ رہے تھے: موسیٰ بن ابی عائشہ کی عبیداللہ بن عبداللہ کی نبی کریم ﷺ کی بیماری کی روایت مجھے شک میں مبتلا کرتی ہے۔ اس کے لیے اس نے تہذیب التہذیب کا حوالہ دیا ہے۔ اس عبارت کے بعد وہ لکھتا ہے: میں کہتا ہوں ابو حاتم کا مطلب یہ تھا کہ وہ اس حدیث میں مضطرب ہے۔ یہ کلام نقاد کی جاہلانہ سرکشی ہے۔ وگرنہ یہ حدیث صحیح ہے۔''[1]

بلکہ تہذیب التہذیب کی اصل تہذیب الکمال کے مصنف کا کہنا یہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی حاتم نے کہا ہے کہ میں نے اپنے والد سے سنا وہ کہہ رہے تھے موسیٰ بن ابی عائشہ کی عبیداللہ بن عبداللہ سے مرض النبی ﷺ کی روایت مجھے شک میں ڈالتی ہے۔ میں نے کہا: آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا: وہ صالح الحدیث ہے۔ میں نے کہا: کیا اس کی حدیث کو حجت بنایا جا سکتا ہے؟ تو فرمایا: اس کی احادیث لکھی جائیں۔''[2]

اس تنقید نگار کو ان نصوص سے کہاں کا واسطہ؟ مزید برآں یہ کہ ابو حاتم کی جرح موسیٰ بن ابی عائشہ کی عبیداللہ بن عبداللہ سے روایت میں اس حدیث میں اضطراب کی وجہ سے تھی۔ اور اس طعنہ گر نے یہ سمجھا کہ اس واقعہ کو بیان کرنے میں احادیث میں تعارض اور ٹکراؤ ہے۔ پھر پورے اعتماد سے کہتا ہے: زہری کے بارے میں آپ کو پہلے معلوم ہو چکا ہے۔ اس پر تو مزید کسی رد کی آپ کو کوئی ضرورت نہیں۔

---

[1] تهذيب الكمال: (٢٩/ ٩١) تهذيب التهذيب: (١٠/ ٣١٤)

[2] تهذيب الكمال: (٢٩/ ٩١)

حاصل کلام یہ ہے کہ ان پانچوں اسانید میں کوئی طعن نہیں ان کو بھی صحیح احادیث کے زمرہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ وللہ الحمد.

رابعا: روایات مسروق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے:

نسائی: عن محمد بن المثنی عن بکر بن عیسی صاحب البصری؛ عن شعبة عن نعیم بن ابی هند؛ عن ابی وائل عن مسروق عن عائشة . ........... الخ

احمد: عن عبدالله عن ابیه عن بکر بن عیسی؛ عن شعبة بن الحجاج عن نعیم بن ابی هند؛ عن ابی وائل عن مسروق عن عائشة . ...... الخ

احمد: عن عبدالله عن ابیه عن شبابة بن سوار؛ عن شعبة عن نعیم بن ابی هند؛ عن ابی وائل عن مسروق عن عائشة . ...... الخ

''تنقید نگار حضرت ابو وائل رحمۃ اللہ علیہ کی سند پر تنقید کرتے ہوئے کہتا ہے: ابو وائل اس کا نام شقیق بن سلمہ ہے وہ مسروق سے روایت کرتا ہے عاصم بن جهدلہ کہتا ہے ابو وائل سے پوچھا گیا تمہارے نزدیک زیادہ محبوب کون ہے عثمان یا علی؟ تو کہنے لگا: مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ زیادہ محبوب تھے، مگر پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محبوب ہو گئے۔''

اور تنقید نگار کہتا ہے کہ تمام اہل سنت والجماعت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے ہیں اس لیے کہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔

پھر اپنی طعنہ زنی کو جاری رکھتے ہوئے نعیم بن ابی ہند کی وجہ سے اسناد پر طعنہ زنی کی ہے۔

ہم اس سے قبل بتا چکے ہیں کہ نعیم بن ابی ہند ثقہ راوی ہے۔ اس پر ناصبی ہونے کا الزام تھا۔ ہم نے اس کے ساتھ ساتھ کئی ایک شیعہ راویوں کا تعارف بھی کرایا تھا، جیسا کہ حسن بن محمد بن سماعۃ، احمد بن الحسن بن اسماعیل بن شعیب بن میثم التمار، صفوان بن یحییٰ، ادریس بن الفضل، سلیمان الخولانی، اسحاق بن جریر بجلی الکوفی، جعفر بن محمد بن سماعۃ، وحسین بن ابی سعید، ہشام بن حیان المکاری، حسین بن المختار القلانسی اور دیگر بہت سارے ایسے راوی ہیں جنہوں نے علی الرضا سے دشمنی میں ناصبیت کا مظاہرہ کیا اور ظلم و جبر اور جھوٹ سے امام کاظم کے مال کو اپنے لیے حلال کر لیا مگر اس کے باوجود یہ لوگ اجلہ ثقہ راوی ہیں، اور ان کی روایات ان کے ہاں معتبر مانی جاتی ہیں۔

پھر اس نے شبابہ بن سوار پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ مرجیٔ تھا اور عقیدہ رشادء کی دعوت دیتا تھا۔ یہ اس کے بارے میں علماء جرح و تعدیل کا قول ہے۔ جب کہ اس کی روایات ثبت ہوتی ہیں۔

لیکن انہیں علی الاطلاق قبول نہیں کیا جاتا۔ لیکن یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ شبابہ رحمۃ اللہ علیہ شعبہ سے روایت کرنے میں ثقہ ہے۔ جیسا کہ اس تنقید نگار نے بھی کہا ہے کہ امام یحییٰ بن معین امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ کے استاذ اور جرح و

تعدیل کے امام ہیں اوران کے علم حدیث کے سب سے بڑا عالم ہونے پر علماء کا اتفاق ہے۔ان کی وفات ۳۰۲ ہجری میں ہوئی۔ ❶

**خامساً: روایۃ حمزۃ بن عبداللہ بن عمر:**

البخاری:عن أحمد بن یونس عن زائدة عن موسی بن ابی عائشة عن عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبة عن عائشة . ...... الخ

اس سے اس تنقید نگار نے صَرفِ نظر کیا ہے کیونکہ اسے تنقید کے لیے کوئی بات نہیں ملی۔ ❷

**شبہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اپنی ذات کے خلاف گواہی:**

ایک معترض کہتا ہے جیسا کہ تاریخ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک پرندہ درخت پر دیکھا تو کہا اے پرندے! تجھے مبارک ہو، پھل کھاتے ہو اور درختوں پڑتے ہو، نہ ہی تیرا کوئی حساب ہوگا نہ ہی عقاب۔ مجھے یہ بات پسند تھی کہ میں راستہ کے ایک کنارے پر ایک درخت وہتا، تو میرے پاس سے گزرنے والا اونٹ مجھے کھا لیتا اور مینگنی کی صورت میں نکال دیتا اور میں بشر نہ ہوتا......"

اور ایک بار یہ بھی کہا ہے کہ اے کاش! مجھے میری ماں جنم نہ دیتی۔

ہائے میرے لیے افسوس کہ میں ایک اینٹ ہوتا......"

**ردود علماء:**

اگر ہم بطور مناظرہ تسلیم بھی کر لیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ کچھ کہا بھی ہو، تو ان کا ایسا کہنا ان کی ایمانی قوت اور اللہ تعالیٰ کے خوف پر دلالت کرتا ہے۔ یہ آپ کے ایمان پر قدح کا موجب نہیں، صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ:

"بنی اسرائیل میں ایک آدمی نے اپنی اولاد کو وصیت کی، اور کہا: جب میں مر جاؤں تو مجھے آگ سے جلا دینا۔ پر جب میں راکھ بن جاؤں تو مجھے پس کہ بارک کر لینا پر میرا آدھا حصہ آندھیوں کی نذر کر دینا، آدھا صحراء میں بکھیر دینا، اور آدھا سمندر میں ڈال دینا؛ اس نے کبھی نیکی کا کوئی کام نہیں کیا تھا؛......اس نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر قدرت پالی تو مجھے وہ عذاب دے گا جو اس نے تمام جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دیا ہوگا۔ جب وہ مر گیا تو اس کے ساتھ اس کی اولاد نے ایسے ہی کیا جیسے اس نے وصیت کی تھی۔ جب اسے بکھیر دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے خشکی سے کہا کہ اس کے اجزاء جمع کرو۔ سمندر سے کہا: جو تمہارے اندر ہیں اس کے اجزاء جمع کرو۔ پس اس آدمی کو اللہ تعالیٰ کے سامنے لا کھڑا کیا گیا اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا: کس چیز نے تجھے اس بات پر برانگیختہ کیا کہ تم اپنی اولاد کو یہ نصیحت کرو، کہ وہ تمہارے ساتھ یہ سلوک کریں۔ اس نے

❶ تذکرة الحفاظ: (۲/ ٤٢٩) ❷ الرد علی الجانی علی المیلانی

کہا: اے میرے رب! تیری عزت کی قسم! تیرے خوف نے مجھے اس بات پر برانگیختہ کیا تھا۔ تو اللہ جل جلالہ نے اس کے گناہ معاف کر دیے۔'' ❶

جب اس انسان کے قدرت الٰہی میں دوبارہ بعثت پر شک کے باوجود ایسا ہوا کہ جب اس نے اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے ایسے کیا تو اس کی مغفرت کر دی گئی۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا خوف مغفرت کے بڑے اسباب میں سے ہے، یہ بھی اس وقت ہے۔ جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ایسا کرنا گناہ کے کاموں میں سے تھا۔ اس طرح کا کلام کئی ایک صحابہ سے وارد ہوا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

''ہائے افسوس کے جب انسان مرجائے تو اسے دوبارہ نہ اٹھایا جائے۔ اس سے مراد وہ اپنی ذات کو لیتے تھے۔''

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: '' کاش کہ میں کوئی درخت ہوتا جسے کاٹ دیا جاتا۔''

بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ۔''

میں نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قرآن تو آپ پر نازل ہوا ہے اور سناؤں میں؟۔

فرمایا: ''ہاں! مجھ کو دوسرے کی زبان سے سننا اچھا معلوم ہوتا ہے۔''

تو میں نے سورت نساء کی تلاوت شروع کی اور جس وقت اس آیت پر پہنچا ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَ جِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ (النساء: ٤١)

''پس کیا حال ہوگا کہ جب کہ ہر امت سے ہم ایک ایک گواہ بلائیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان پر گواہ بنائیں گے۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رقت طاری ہوگئی آنسو گرنے لگے اور فرمایا: ''بس کرو۔'' ❷

کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے اور یہ آپ کی ایمانی قوت کی بھی دلیل ہے۔

یہ حضرت مریم ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دی ہے کہ ان کی بات بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کلام کی طرح تھی، جب انہوں نے کہا: ﴿يَلَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَذَا وَ كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا﴾ [مریم: ۲۳]

'' کہنے لگی: اے کاش! میں اس سے پہلے مرجاتی اور بھولی بھلائی ہوتی۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نسیا منسیا کا معنی یہ ہے کہ مجھے پیدا ہی نہ کیا گیا ہوتا اور میں کوئی چیز ہی نہ ہوتی۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کا معنی یہ ہے کہ ایسی ناقابل تذکرہ اور غیر معروف ہوتی۔

ربیع بن انس رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس سے مراد گرا ہوا بچہ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ جنگ جمل سے واپسی پر آپ فرمایا کرتے تھے:

❶ البخاری: (٣٤٨١) مسلم: (٢٧٥٦) ❷ صحیح البخاری: (٥٠٥٠)

''اے حسن! اے حسن! تیرے باپ کا یہ خیال نہیں تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچے گا۔ اور تیرے باپ کو یہ بات پسند تھی کہ وہ اس دن سے بیس سال پہلے مرگیا ہوتا۔''

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''کاش کہ میں کوئی درخت ہوتا جسے کاٹ دیا جاتا۔'' [1]

تو کیا یہ تمام حضرات اس طرح کی باتیں کہنے کی وجہ سے قابل مذمت ٹھہرتے ہیں؟ اگر ان حضرات پر کوئی قدح نہیں کی جاسکتی تو پھر صرف حضرات شیخین پر ہی اس کلام کی وجہ سے قدح کیوں؟

پھر یہ تنقید نگار اپنا کلام جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو اس کے مومن بندوں کو خوشخبری سناتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (یونس: ۶۲)

''آگاہ رہو کہ اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔''

اور اس کے علاوہ دیگر آیات بھی اس باب میں ذکر کی ہیں، پھر کہا ہے: تو پھر شیخین ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کیسے یہ تمنا کرتے ہیں ہیں کہ ان بشر میں سے نہ بنیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوقات پر ترجیح دی ہے۔

**رد:**

(۱) یہ آیات انسان کے اپنے رب سے خوف کے منافی نہیں ہیں ہم اس سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ سے اللہ تعالیٰ ک خوف ثابت کر چکے ہیں۔

(۲) سورت یونس کی اس آیت کے بارے میں ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''اولیا اللہ وہ ہیں جن کے دلوں میں ایمان و یقین ہو، جن کا ظاہر تقوی اور پرہیزگاری میں ڈوبا ہوا ہو، جتنا تقوی ہوگا، اتنی ہی ولایت ہوگی۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر فرمائی ہے۔ پس جو کوئی اللہ تعالیٰ سے جتنا زیادہ ڈرنے والا ہوگا؛ وہ اتنا ہی بڑا اللہ تعالیٰ کا ولی ہوگا۔ ایسے لوگ محض نڈر اور بے خوف ہیں قیامت کے دن کی وحشت ان سے دور ہوگی، نہ وہ کبھی غم و رنج سے آشنا ہوں گے۔ دنیا میں جو چھوٹ جائے اس پر انہیں حسرت و افسوس نہیں ہوتا۔'' [2]

پس اس آیت میں وارد خوف آخرت کا خوف ہے۔ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ سے اس دنیا میں ڈرا کرتے تھے نہ کہ آخرت میں۔ و لا هم يحزنون سے مراد ماورائے دنیا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام کا خوف خود دلالت کرتا ہے کہ یہ خوف انہیں دنیا میں تھا۔

یہی حال دیگر تمام آیات کا ہے اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان آیات سے استدلال کرنے والا ان کی تطبیق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر نہیں کر سکا۔

---

[1] الترمذی: (۴/ ۵۵۶) [2] تفسیر ابن کثیر (۲/ ۵۱۴)

**اعتــــراض:**...... پھر یہ تنقید نگار کہتا ہے: ''جب ایک عام راہ راست پر چلنے والے مومن پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور اسے جنت میں اس کے ٹھکانہ کی خبر دیتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا خوف نہیں کرتا ہے اور نہ ہی اپنے پیچھے چھوڑ کر جانے والی دنیا پر غمگین ہوتا ہے اور اسے آخرت میں پہنچنے سے قبل دنیا کی زندگی میں ہی خوشخبری مل جاتی ہے، تو ان بڑے صحابہ لوگوں کا کیا حال ہوگا، جو نبی کریم ﷺ کے بعد تمام مخلوق سے بہترین لوگ ہیں جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ وہ تمنا کرتے ہیں کہ وہ ایک ٹہنی ہوتے؛ ایک مینگنی ہوتے، ایک بال، یا ایک اینٹ ہوتے۔ اگر ان لوگوں کو ملائکہ نے خوشخبری دی ہوتی تو وہ ہرگز یہ تمنا نہیں کرتے کہ اگر وہ زمین بھر کر سونا فدیہ میں دے دیں تاکہ اس کی ملاقات سے پہلے اس کے عذاب سے بچ سکیں؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۝﴾ (یونس: ٥٤)

''اور اگر ظالموں کیلئے زمین کا سب کچھ ہوتا تو وہ اسے فدیہ میں دیدیتے؛ اور وہ پشیمانی کو چھپائیں گے، جب عذاب کو دیکھیں گے اور ان کے درمیان عدل کیساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ۝ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۝﴾ (الزمر: ٤٧-٤٨)

''اور اگر ظالموں کیلئے زمین کا سب کچھ ہوتا اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی؛ تو یہ سب روزِ قیامت کے بڑے عذاب سے چھڑانے میں دیدیتے؛ اور ان پر اللہ کی طرف سے وہ بات ظاہر ہوئی جو ان کے خیال میں بھی نہ تھی۔ اور ان کے برے کرتوت ان پر ظاہر ہوں گے اور انھیں وہ چیز گھیر لے گی جس کا وہ مذاق کیا کرتے تھے۔''

اور بے شک میری یہ دلی تمنا ہے کہ یہ آیات حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما جیسے بڑے صحابہ کو شامل نہ ہوں۔

**رد:**...... ان دونوں آیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت کے دن عذاب کی خبر ہے جب کوئی ندامت یا توبہ فائدہ نہ دے گی۔ یہ دنیا کے بارے میں نہیں ہے۔ ہر عقل مند انسان اس دنیا میں انسان کے اپنے رب سے خوف اور آخرت میں اس کے خوف کے درمیان فرق جانتا ہے۔

صدوق جس کا شمار کبار علماء امامیہ میں ہوتا ہے، اس نے حضرت حسن سے روایت کیا ہے، فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

''اور مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! میں اپنے بندے پر دو خوف جمع نہیں کروں گا اور نہ ہی دو امن جمع کروں گا۔ جب وہ دنیا میں مجھ سے امن میں رہے گا، تو آخرت میں بروز قیامت وہ خوف اٹھائے گا اور اگر

وہ دنیا میں میرا خوف کرے گا تو اسے بروز قیامت امن دوں گا۔" [الخصال لابن بابویه: ۷۹.]

**اعتراض** :......ان ہی طعنوں میں سے ایک موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے ان کا استدلال ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد کے شہیدوں کے لئے فرمایا:

"یہ وہ لوگ ہیں جن کا میں گواہ ہوں۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا ہم ان کے بھائی نہیں ہیں ہم ویسے ہی مسلمان ہوئے جیسے وہ مسلمان ہوئے اور ہم نے بھی ویسے ہی جہاد کیا جیسے انہوں نے جہاد کیا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ہاں! مگر مجھے معلوم نہیں کہ بعد میرے کیا کرو گے۔"

تو ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا کہ: "کیا ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہیں گے۔" [1]

**رد**:...... یہ حدیث مرسل اور منقطع ہے۔ موطا کے تمام راویوں کے ہاں اس کا یہی حال ہے اور اس حدیث کی شرح یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ هٰؤُلَاءِ أَشْهَدُ عَلَيْهِمْ میں ان لوگوں کے حق میں گواہی دوں گا، یعنی ان کے ایمان اور فی سبیل اللہ قربانیوں کی۔"

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا؛ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا ہم ان کے بھائی نہیں ہیں؟ ہم بھی ویسے ہی اسلام لائے جیسے وہ اسلام لائے اور ہم نے بھی ایسے ہی جہاد کیا جیسے انہوں نے جہاد کیا؟۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں ضرور، یعنی تم بھی ان کی طرح مسلمان ہو، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہو، لیکن یہ علم نہیں کہ اس کے بعد تم کیا کرو گے؟ یعنی مجھے یہ علم نہیں کہ میری وفات کے بعد تم لوگ کیا کرو گے؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی ذات کے بارے میں سوال نہیں کیا تھا۔ بلکہ آپ نے جمع کے صیغہ میں سوال کیا تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی صیغہ میں جواب دیا تھا۔ یعنی آپ کو علم نہیں کہ آپ کے بعد کیا ہوگا؟ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علم الغیب نہیں جانتے تھے: یعنی جو کچھ مستقبل میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وہ گا سوائے ان امور کے جن کی خبر اللہ تعالیٰ نے آپ کو دے دی تھی۔ تو اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رو پڑے اس لیے کہ آپ کو یہ پتا چل گیا کہ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب انہیں داغ مفارق دے جائیں گے۔ یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے پوچھا تھا: کیا ہم آپ کے بعد ہوں گے؟ یعنی یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کے بعد بھی زندہ رہیں گے؟ اور یہ تو ایک بدیہی بات ہے کہ آپ اس لیے نہیں روئے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نئے امور ایجاد ہوں گے۔

## حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا شبہ:

ایک تنقید نگار کہتا ہے: میں نے اپنے آپ کے ساتھ یہ عہد کیا تھا کہ میں اس بحث میں صرف اس روایت پر اعتماد

[1] موطا برقم: (۹۸۷)

کروں گا جو فریقین کے ہاں ثقہ ہوگی اور وہ روایت ترک کر دوں گا جو کسی ایک فریق کے ہاں منفرد ہوگی۔ پس اس سوچ کی بنیاد پر میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے بارے میں سوچنا شروع کیا کہ خلافت یا تو نص کی روشنی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے تھی جیسا کہ شیعہ کا دعویٰ ہے یا پھر اس کا حصول انتخاب اور شوری کے ذریعے ممکن تھا، جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا دعویٰ ہے...... الخ۔

نیز وہ کہتا ہے: اس موضوع میں تحقیق کرنے والا جب صرف حقیقت کا متلاشی ہوگا تو وہ دیکھے گا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حق میں وضاح اور جلی نصوص موجود ہیں، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان گرامی ''من كنت مولاه فعلي مولاه۔'' ''جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کا مولا ہے'' یہ جملہ آپ نے حجۃ الوداع سے واپسی پر ارشاد فرمایا؛ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مبارک دینے کے لیے ایک سٹیج تیار کیا گیا اور ان مبارک دینے والوں میں خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ وہ دونوں یوں کہہ رہے تھے: اے ابن ابو طالب! آپ کو مبارک ہو، آپ مومن مرد اور مومن عورت کے مولی قرار پائے ہیں۔

یہ ایسی نص ہے جس پر شیعہ اور اہل سنت کا اجماع ہے اور میں نے اس بحث میں صرف اہل سنت والجماعت کے مصادر پر اکتفا کیا ہے۔

ردودِ علماء:

☆...... حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا عقیدہ ہے کہ آپ کی خلافت نص سے ثابت ہے، خواہ اسے نص جلی تسلیم کیا جائے یا نص خفی۔ جبکہ اہل سنت کی ایک دوسری جماعت کا خیال ہے کہ آپ کی خلافت کا انعقاد اہل حل وعقد کی بیعت سے ہوا تھا۔ فریق اول نے وجود نص پر قوی دلائل پیش کیے ہیں۔ بہر حال دونوں صورتوں میں حق اہل سنت والجماعت سے باہر نہیں ہے۔

☆...... تنقید نگار کا یہ کہنا کہ شیعہ خلافت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نص کا دعویٰ کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں کئی احادیث پر اعتماد کرتے ہیں یہ دعوی محل نظر ہے جبکہ دوسری جانب سے اگر فرض کریں کہ خلافت کے بارے میں وجود نص کا عقیدہ برحق ہے تو پھر بھی یہ شیعہ کے دعوی کی دلیل نہیں ہے۔ اس لیے کہ شیعہ کا فرقہ راوندیہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی خلافت کا قائل ہے۔ وہ ایسی ثابت نص کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں دعویٰ کرتے ہیں جیسے شیعہ اثنی عشریہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں نصوص کے دعوے دار ہیں۔

حقیقتِ دعوی......: ''من كنت مولاه فعلي مولاه۔'' ''جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کا مولا ہے''۔

**رد:** ...... اہل علم کا اس حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض اہل علم نے اسے ضعیف کہا ہے اور بعض نے حسن۔

(۲) یہ دعوی کرنا کہ یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نص جلی ہے...... الخ۔

**رد:** ...... ہم کہتے ہیں خود یہ روایت ایسی کسی بھی نص کے وجود کے خلاف بہت بڑی دلیل ہے اس لیے کہ یہ نص نبی کریم ﷺ کے حجۃ الوداع سے واپسی پر غدیر خم کے مقام پر سامنے آئی اور یہ بات معلوم شدہ ہے کہ حجۃ الوداع سے واپس تمام لوگ نبی کریم ﷺ کے ساتھ مدینہ نہیں پلٹے تھے۔ بلکہ آپ کے ساتھ صرف اہل مدینہ ہی تھے ۔اور جو کچھ شیعہ کا دعویٰ ہے؛ اگر واقعی ایسے ہی ہوتا تو آپ حجۃ الوداع کے موقع پر اس کا اعلان کرتے، کیونکہ اس وقت تمام مسلمان جمع تھے (یوں سبھی لوگوں کو اطلاع ہو جاتی) مگر حج کے موقع پر تو نبی کریم ﷺ نے امامت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کسی بات کا ذکر تک نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے بارے میں نہ ہی وحی اتری اور نہ ہی کوئی نصوص پائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے دین میں ایسی کوئی چیز نہیں اور نہ ہی اس کی تبلیغ کا حکم دیا گیا پس یہ روایت آپ کی خلافت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ کجا کہ اسے واضح اور جلی کہا جائے۔

(۳) جہاں تک مولاہ کلمہ کا تعلق ہے، تو اس سے مراد خلافت قطعی طور پر نہیں ہے اور مولیٰ کے متعدد معانی ہونے کے باوجود یہ لفظ اس معنی پر دلالت بھی نہیں کرتا۔ مختار الصحاح میں رازی نے کہا ہے: المولی سے مراد آزاد کردہ، آزاد کرنے والا، ناصر و مددگار اور حلیف اور چچازاد ہوتے ہیں۔ موالات کی ضد معادات آئی ہے اور ولایت (واؤ کے نیچے زیر کے ساتھ) سلطان اور حاکم کا معنی دیتی ہے۔ ولایت واؤ کے نیچے زیر اور اوپر زبر کے ساتھ پڑھا اور لکھا جاتا ہے۔[1]

فیروز آبادی نے کہا ہے: اَلْوَلِیُّ قربت اور نزدیکی کے معنی میں آتا ہے اسی سے "الولی" آتا ہے جو کہ دوست اور مددگار کا معنی دیتا ہے: ولي الشيء و عليه ولاية و ولاية کسرہ کے ساتھ یہ مصدر ہے جو کہ امارت، خطہ اور سلطان کے معنی میں آتا ہے۔ مولی مالک کو کہتے ہیں اور غلام کو بھی۔ آزاد کردہ کو بھی اور آزاد کرنے والے کو بھی۔ دوست اور بیٹے کو بھی۔ چچا کو اور مہمان کو بھی اور شریک کو بھی اور بھانجے کو بھی مولیٰ کہا جاتا ہے اور الولی رب، ناصر، منعم اور منعم علیہ، محب، تابع اور سسرالیوں کو کہا جاتا ہے۔"[2]

یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ لفظ مولی، نصرت کے علاوہ دوسرے معنوں میں بھی آتا ہے، جیسا کہ سابقہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے۔ اب اس معنی کو صرف سلطان کے ساتھ خاص کرنا دلیل واضح کا محتاج ہے۔ مزید برآں یہ کہ مولی کو والی کے معنی پر محمول کرنا بہت مشکل ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس کلام میں کوئی ایسی واضح چیز نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہو کہ اس سے مراد خلافت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ مولی بھی ولی کی طرح ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ﴾ (المائدة: ۵۵)

---

[1] مختار الصحاح: (۷۴۰)

[2] القاموس المحیط: (۱۷۳۲)

''تمھارے دوست تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، وہ جو نماز قائم کرتے اور زکوۃ دیتے ہیں اور وہ جھکنے والے ہیں۔''

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ﴾ (التحریم: ٤)

''تم دونوں اگر اللہ کی طرف تم رجوع کرو تو ضرور تمہارے دل راہ سے کچھ ہٹ گئے ہیں اور اگر ان پر زور باندھو تو بیشک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے، اور اس کے بعد فرشتے مدد پر ہیں۔''

پس اس سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مومنین کے ولی ہیں او مومنین آپ سے محبت کرنے والے، آپ کے تابعدار اور دوست ہیں۔ جیسا کہ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ولی اور دوست ہیں اور اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے محبت، تابعدار اور دوست ہیں۔ اور اہل ایمان آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

پس موالات معادات کی ضد ہے یعنی دوستی دشمنی کا الٹ ہے۔ یہ دونوں اطراف سے ہوتی ہے۔ بھلے ان میں سے ایک فریق قدر و منزلت کے اعتبار سے بہت بڑا ہو اور اس کی طرف سے دوستی احسان اور مہربانی ہو اور دوسرے کی طرف سے اطاعت اور عبادت گزاری ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے محبت کرتے ہیں اور اہل ایمان اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔ اسی لیے کہ دوستی، دشمنی جنگ اور دھوکہ بازی کا الٹ معنی دیتی ہے۔ کفار اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہیں کرتے وہ اللہ اور اس کے رسول کے نافرمان اور ان کے دشمن ہیں۔

## حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں اس قول نبی ﷺ کا مطلب و موجب:

اس میں کوئی اختلاف والی بات نہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے لیے نکلے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن میں تھے، آپ وہاں سے تشریف لائے مکہ میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی اور آپ کے ساتھ حج کیا۔ یمن میں آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے درمیان کئی امور پیش آئے جن کی وضاحت ان روایات سے ہوتی ہے:

(۱) عمرو بن شاس اسلمی نے روایت کیا ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کیساتھ یمن میں تھا۔ بعض ترش رو لوگوں نے آپ کے ساتھ جفا کاری کا مظاہرہ کیا؛ یہ بات آپ نے دل میں محسوس کی۔ جب مدینہ تشریف لاتے تو اپنے ملنے والوں سے اس کی شکایت کی۔ ایک دن آپ تشریف لائے تو رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا، حتیٰ کہ وہ آپ کے پاس بیٹھ گئے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمرو بن شاس! تم نے مجھے اذیت دی ہے۔ میں نے کہا: إِنَّا لِلَّهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ میں اللہ تعالیٰ کی اور اسلام کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں رسول اللہ ﷺ کو اذیت دوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اذیت دی، اس نے مجھے

اذیت دی۔ ❶

اور حضرت باقر رحمہ اللہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن مبعوث فرمایا اور پھر وہاں پر آپ کے ایک فیصلے کا قصہ سنایا، جس میں آپ نے کسی مقتول کا خون رائیگاں قرار دیا تھا مقتول کے ورثاء یمن سے نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور ان کی بابت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کی شکایت کرتے ہوئے کہنے لگے:

''بے شک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہم پر ظلم کیا ہے اور ہمارے آدمی کا خون رائیگاں قرار دیا ہے۔

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک علی ظلم کرنے والے نہیں ہیں۔'' ❷

ایک دوسری روایت میں ہے آنحضرت ﷺ نے جب حج کا ارادہ فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن خط بھیجا کہ وہ بھی حج کی تیاری کریں۔ تو آپ اس لشکر کے ہمراہ نکلے جو آپ کے ساتھ یمن میں تھا۔ آپ کے ساتھ وہ زیور بھی تھا جو اہل نجران سے وصول کیا تھا۔ جب مکہ کے قریب پہنچے تو آپ نے لشکر پر ایک آدمی کو اپنا جانشین مقرر فرمایا اور خود رسول اللہ ﷺ سے جا ملے۔ آپ ﷺ نے انہیں لشکر کی طرف لوٹ کر جانے کا حکم دیا۔ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں نے وہ زیور پہن رکھا ہے جو ان کے پاس تھا۔ آپ نے اس بات کا انکار کیا اور وہ زیور ان سے واپس لے لیا۔ اس وجہ سے ان لوگوں نے اپنے دلوں میں کچھ تنگی محسوس کی۔ جب وہ مکہ میں داخل ہوئے تو کثرت کے ساتھ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شکایات کرنے لگے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے منادی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں میں اعلان کر دے کہ اپنی زبانوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں روک لو، بے شک آپ اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں سخت ہیں۔ اپنے دین میں مداہنت کرنے والے نہیں۔ ❸

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر روانہ کیا جس کے امیر حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ اس سریہ میں چلتے رہے۔ آپ اس سریہ میں ایک باندی تک پہنچ گئے۔ لوگوں نے اس بات کا انکار کیا۔ ان میں سے چار اصحاب نے عہد کیا کہ جب ہماری ملاقات رسول اللہ ﷺ سے ہوگی تو ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس فعل کے بارے میں بتائیں گے۔ پھر رسول اللہ ﷺ سے ان چاروں کی شکایت اور رسول اللہ ﷺ کی روگردانی اور اس فرمان کا ذکر کیا: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ وَ هٰذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ.

## اس سے صورت حال واضح ہوگئی:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ہمیں رسو اللہ ﷺ نے ایک سریہ میں مبعوث فرمایا۔ جب ہم واپس آئے تو آپ نے پوچھا تم نے اپنے ساتھیوں کو کیسا پایا؟۔ فرمایا: میں نے شکایت کی یا میرے علاوہ کسی دوسرے نے شکایت کی۔

❶ اعلام الوری: (۱۳۷) البحار: (۲۱/ ۳۶۰)
❷ بحار الانوار: (۲۱/ ۲۳۸) امالی الصدوق: (۳۴۸) الکافی: (۷/ ۳۷۲)
❸ الارشاد: (۸۹) اعلام الوری: (۱۳۸) البحار: (۲۱/ ۳۸۳) المناقب: (۲/ ۱۱۰)
❹ البحار: (۳۷/ ۲۲۰-۳۸/ ۱۴۹)

فرماتے ہیں: میں سر جھکائے ہوئے تھا۔ جب میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ انور سرخ ہو گیا تھا اور آپ فرما رہے تھے: ((مَنْ كُنْتُ وَلِيَّهُ فَعَلِيٌّ وَلِيُّهُ))

"جس کا میں دوست ہوں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس کے دوست ہیں۔" ❶

اور آپ سے ہی ایک دوسری روایت میں ہے کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ یمن میں ایک غزوہ پر تھے۔ میں نے آپ میں کچھ سختی دیکھی جب ہم واپس رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو میں کچھ کوتاہی کے ساتھ شکایت کی۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے چہرہ انور کا رنگ بدل گیا تھا۔

آپ نے فرمایا: اے بریدہ! کیا میں مومنین کو ان کی جانوں سے بڑھ کر عزیز نہیں ہوں؟ میں نے کہا: کیوں نہیں، یا رسول اللہ! ضرور۔ تو آپ نے فرمایا: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ۔ ❷

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک آدمی یمن میں تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر کچھ سختی کی، اس نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے آپ کی شکایت کروں گا۔ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس پہنچے تو آپ نے حضرت علی کے بارے میں پوچھا، اس نے برائی بیان کی۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا: "میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے مجھ پر کتاب نازل کی ہے اور مجھے بطور خاص رسالت کے لیے چنا ہے کہ جو کچھ تم علی بن ابی طالب کے بارے میں کہتے ہو کیا یہ ناراضگی کی وجہ سے کہتے ہو؟

اس نے کہا: "ہاں یا رسول اللہ!"

تو آپ نے فرمایا، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں اہل ایمان کو ان کی جانوں سے بڑھ کر محبوب ہوں؟

اس نے کہا: کیوں نہیں، ضرور۔

تو آپ نے فرمایا: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ۔

یہ روایات دلالت کرتی ہیں کہ اس قول کا سبب وہ تھا کہ جو کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ لوگ آپ کے بارے میں شکوہ کر رہے تھے اور اس سے مراد ہرگز وصیت نہیں ہے۔ خصوصاً جب کہ آپ نے یہ کلمات اس وقت ارشاد فرمائے جب تمام حجاج متفرق ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تھے۔

امامیہ نے اپنی کتابوں میں یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ۔ یہ بات آپ واقعہ غدیر سے کئی برس قبل بھی متعدد بار ارشاد فرما چکے تھے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ غدیر خم کے موقع پر یہ جملہ دوبارہ ارشاد فرمانے میں کوئی ایسی خصوصیت نہیں ہے، جو کہ پہلے فرمائے گئے مواقع سے مختلف ہو۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ آپ نے جب غدیر کے موقعہ پر یہ ارشاد فرمایا تو آپ کے ساتھ کثیر تعداد میں وہ لوگ

❶ البحار: (۳۷/ ۳۲۰)
❷ البحار: (۳۷/ ۱۸۷) الطرائف: (۳۵) العمدۃ: (۴۵)
❸ امالی للطوسی: (۶۱۰) بحار: (۳۳/ ۸۳۸)

موجود تھے جو آپ کے ہمراہ حج کے لیے نکلے تھے۔ اور یمن سے واپس آنے والے بار بار آپ کے بارے میں شکوہ کر رہے تھے۔ اس سے کچھ لوگوں کو یہ وہم ہو گیا کہ آپ کا یہ بیان آپ کی امامت کے لیے تھا۔ ایسے ہی ایک روایت مواخاۃ والے دن کی بھی ہے۔ جیسا کہ ہم اس کا ذکر کر چکے ہیں جب رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین و انصار کے مابین مواخاۃ کا رشتہ قائم کیا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔ آپ روتے ہوئے اپنے گھر چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھیج کر آپ کو بلایا۔ انہوں نے جا کر کہا: اے علی رسول اللہ ﷺ بلا رہے ہیں۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: آپ کیوں رو رہے ہیں؟ اے ابوالحسن؟

تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ نے مہاجرین و انصار کے مابین مواخاۃ قائم کی میں کھڑا آپ کو دیکھ رہا تھا اور آپ کو میرا پتا تھا لیکن آپ نے کسی کو میرا بھائی نہیں بنایا؟۔

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک میں نے تجھے اپنی ذات کے لیے ذخیرہ کر رکھا ہے۔ کیا تجھے اس بات کی خوشی نہیں ہو گی کہ تم ایک نبی کے بھائی بنو؟

انہوں نے عرض کی کیوں نہیں یا رسول اللہ! لیکن میرا اتنا نصیب کہاں؟

تو رسول اللہ ﷺ نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر منبر پر چڑھایا اور ارشاد فرمایا: اے اللہ یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ آگاہ ہو جاؤ، اس کا مقام میرے ساتھ ایسے ہے جیسے ہارون علیہ السلام کا مقام حضرت موسیٰ کے ساتھ، آگاہ ہو جاؤ، جس کا میں دوست ہوں اس کا حضرت علی بھی دوست ہے۔ [1]

## مواخات کا واقعہ شروع ایام ہجرت کا ہے:

اس طرح کا ایک واقعہ انگوٹھی والے دن کا بھی ہے۔ زید بن الحسن اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں، فرمایا: میں نے سنا کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے: حضرت علی بن ابی طالب کے سامنے ایک سائل آ کر کھڑا ہو گیا۔ آپ اس وقت نفل نماز کے رکوع میں تھے۔ آپ نے انگوٹھی اتار کر اس سائل کو دے دی۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور آپ کو اس واقعہ کی خبر دی گئی تو آپ پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ۝﴾ (المائدۃ: ٥٥)

"تمھارے دوست تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، وہ جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ جھکنے والے ہیں۔"

پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر ہمیں سنائی، پھر فرمایا: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ، اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَ عَادِ مَنْ عَادَاهُ. [2]

---

[1] الروضۃ: (١١) البحار: (٣٧/ ٦٣٨)
[2] العیاشی: (١/ ٣٦٥) البرہان: (١/ ٤٨٢) البحار: (١٨٧٣٥)

اور ایک روایت حدیث الطیر والی ہے رسول اللہ ﷺ نے دعا کی: ''یا اللہ! اس پرندے کا گوشت کھانے کیلئے کسی ایسے شخص کو میرے پاس بھیج جو مجھے اور تجھے سب لوگوں میں سے عزیز تر ہو۔'' جب حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: ((اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَ عَادِ مَنْ عَادَاهُ)) ❶

ان مقامات کا ذکر امامیہ نے کیا ہے اور کہا ہے ان مواقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاہ...... اور یہی بات آپ نے غدیر خم کے موقع پر بھی ارشاد فرمائی تھی۔

ہمارے مذکورہ بالا زیر بحث دلائل اگر امامت کے دلائل ہیں تو سابقہ نصوص باطل ٹھہریں اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہے تو پھر غدیر خم میں نئی بات کون سی پیش آئی ہے؟

اس موقع پر مجھے صدوق کا قول یاد آ رہا ہے، وہ حدیث غدیر پر گفتگو کرتے ہوئے کہتا ہے:

''ہم دیکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے لوگوں کو کیوں جمع کیا گیا؟ کہ آپ ان میں خطبہ دے رہے ہیں اور اس کی شان کی عظمت یاد دلا رہے ہیں۔ پس یہ ایسی چیز ہے جس کی بابت یہ جائز نہیں کہ ان لوگوں کو پہلے سے اس کا علم ہو اور آپ مکرر ارشاد فرما رہے ہوں اور نہ ہی کوئی ایسی چیز ہو سکتی ہے جو ان کو اپنے معانی کے اعتبار سے کوئی فائدہ نہ دے۔ اس لیے کہ ایسا کرنا عابث کی صفت ہے اور عبث کا کام کرنا رسول اللہ ﷺ سے منفی ہے۔'' ❷



یہ شیعہ کے ایک بڑے عالم صدوق کا اعتراف ہے کہ غدیر سے پہلے جو کچھ پیش آیا اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کی کوئی نص موجود نہیں۔ اس لیے کہ جائز نہیں کسی چیز کا صحابہ کو علم اور پھر بار بار ان کو وہی حکم دیا جائے۔ یہ تمام احتمالات ہمارے ذکر کردہ قواعد کے مطابق بہت بعید ہیں۔ اب ہم اس مسئلہ پر گفت وشنید کرتے ہیں کہ اس کا صحیح استدلال کیا ہے جو نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاہ...... الخ

اس لیے کہ حدیث کے اس جز پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے اور یہ صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے جیسا کہ ہم نے اس استدلال کے مقدمہ کے شروع میں بیان کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ موالاۃ اور اس کے مشتقات کا ذکر قرآن میں بیسیوں بار آیا ہے اور ایسے سنت شریفہ میں بھی اس کا ورود ہوا ہے۔ یہ تمام الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ موالات کا معنی کئی مشترکہ معانی پر محمول ہے؛ ان کی تعداد تیس تک پہنچتی ہے اور ان کا تذکرہ آپ کے سامنے گزر چکا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں سے بہت سارے الفاظ ہماری گفتگو پر صادق نہیں آتے۔ لیکن اس معنی کے اعتبار سے قریب ترین مدلول کا لفظ (موالاۃ) ہے جو کہ معاداۃ اور محاربۃ ومخادعہ کی ضد ہے۔ اس کا معنی خلافت اور امارت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ مَنْ كُنْتُ وَالِيَهٗ فَعَلِيٌّ وَّالِيَهٖ۔ یا اس کے ہم معنی اور قریب کا کوئی دوسرا جملہ ارشاد نہیں فرمایا۔ اب مولیٰ کو والی کے معنی میں لینا باطل ہے۔ اس لیے کہ ولایت دونوں اطراف سے ثابت ہوتی ہے۔

❶ بشارة المصطفى: (٢٠٢) البحار: (٣٨/ ٣٥٤)
❷ معاني الاخبار: (٦٧) البحار: (٣٧/ ٢٢٥)

بے شک مومنین اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں اور وہ ان کا دوست ہے اس حدیث کہ اس میں میرے بعد کی کوئی قید نہیں۔ بلکہ سیاق کلام دونوں طرف سے برابر کی تمام اوقات میں دوستی اور ہر لحاظ سے ہونا ہی زیادہ ظاہر ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے عہد میں شریک ہونا ممتنع ہے یہ ایک کھلی ہوئی دلیل ہے کہ اس سے مراد محبت کا وجوب ہے اس لیے کہ دونوں طرف سے محبت ہونے میں کوئی ممانعت نہیں ہے؛ بلکہ ان میں سے ایک دوسرے کو مستلزم ہے۔ بھلے وہ ان دونوں کی زندگی میں ہو یا وفات کے بعد۔ جبکہ دونوں کے بیک وقت تصرف میں کئی ایک محذورات ہیں؛ جو کہ کسی ایک پر بھی مخفی نہیں۔

یہ وضاحت ہمیں اس نظریہ وعقیدہ کی طرف لے جاتی ہے کہ اس جملہ سے مراد خطاب کے وقت میں امامت نہیں تھی۔ اس لیے کہ یہ عہد نبوت کی بات ہے۔ جبکہ امامت نیابت ہے؛ جس کا تصور انتقال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہی ممکن ہے اور زمانہ خطاب میں یہ مراد نہیں۔ تو ایسا ممکن ہوسکتا ہے کسی متاخر زمانہ میں یہ مراد ہو۔ لیکن تاخیر کی کوئی حد متعین نہیں؛ تو حضرت ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانہ کے بعد کا وقت بھی ہوسکتا ہے تو اس صورت میں فریقین کے مابین اتفاق بھی ممکن ہے۔

لیکن موالاۃ جس کی ضد معاداۃ ہوتی ہے یہاں پر اس کا ذکر صرف حضرت علی کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ یہاں پر اس ذکر کی ایک خاص علت ہے۔ اور ہم نے یہ واضح کر دیا ہے کہ یہ علت اور سبب لوگوں کے شکوے اور شکایات تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ علم ہوگیا تھا کہ آپ کے عہد میں کیا کیا اختلافات ہوں گے۔ اور آپ کے زمانہ خلافت کتنا فساد پھیلے گا اور بغاوت ہوگی اور کچھ لوگ آپ کی خلافت کا نہ صرف انکار کریں گے بلکہ سے برسر پیکار جنگ ہوں گے حتیٰ کہ آپ نے اپنی موالات اور نصرت پر حدیث غدیر خم سے استدلال کیا۔

یہ حدیث مکمل طور پر امام حسن عسکری کے قول سے موافقت رکھتی ہے۔ جب آپ سے پوچھا گیا (پوچھنے والا حسن بن طریف تھا) کہ حضرت امیر المومنین کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاه کا کیا معنی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس سے مراد ایک نشانی مقرر کرنا تھا، تاکہ اس سے افتراق کے وقت حزب اللہ کا پتہ چل سکے۔'' [1]

یہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ اہل شام کے لشکر سے کہتے ہیں: ''کیا تم جانتے ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہر مومن مرد اور عورت کے دوست ہیں؟ تو انہوں نے کہا: ہاں۔'' [2]

کیا: انہوں نے اس سے یہ سمجھا تھا کہ آپ امام منصوص ہیں اور پھر بھی انہوں نے کسی دوسرے انسان کی بیعت کر لی تھی، اور آپ کے بیٹے کو قتل کر دیا تھا؟ وغیرہ۔

[1] کشف الغمة: (۳/ ۳۰۳) البحار: (۳۷/ ۳۵۰) اثبات الهداة: (۲/ ۱۳۹)

[2] امالی للصدوق: (۱۳۵) البحار: (۴۴/ ۳۱۸)

امامیہ خود اپنی کتابوں میں ایسی نصوص لائے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ حدیث غدیر سے لوگ ہرگز یہ نہیں سمجھے تھے کہ آپ کی خلافت تمام اہل ایمان کے لیے عام ہے۔ وہ روایات یہ ہیں:

۱۔ ابو اسحق کہتے ہیں میں نے علی بن الحسین سے کہا: حدیث رسول اللہ ﷺ "من کنت مولاہ ...... الخ سے کیا مراد ہے؟ ❶

۲۔ اور ابان بن تغلب سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے ابو جعفر محمد بن علی سے نبی کریم ﷺ کے قول "من کنت مولاہ ...... الخ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: اے ابو سعید کیا تم بھی اس جیسی باتوں کے متعلق پوچھتے ہو۔ ❷

ابو تیہان سے روایت ہے وہ کہتا ہے: میں گواہی دیتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا تھا۔ انصار نے کہا: آپ کو خلافت کے لیے متعین کیا تھا؟ اور بعض لوگوں نے کہا: نہیں آپ کو لوگوں کو تعلیم دینے کیلئے مقرر کیا تھا اور آپ ہر اس انسان کے دوست ہیں جس کی رسول اللہ ﷺ سے دوستی ہے۔ ❸

اس کی تائید امام صادق کی اس روایت سے ہوتی ہے بے شک نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اَنَـا اَوْلٰی بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَّفْسِهٖ......"۔

میں ہر مومن کو اس کی جان سے بڑھ کر محبوب ہوں اور میرے بعد حضرت علی محبوب ہیں۔ آپ سے پوچھا گیا: اس کا کیا مطلب ہے؟ تو فرمایا: اس کا مطلب رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ: "جو کوئی مر جائے اور اس پر قرض یا تاوان ہو، تو وہ میرے ذمہ ہے اور جو کوئی مال چھوڑ کر مرے تو وہ اس کے ورثاء کے لیے ہے۔" ❹

یہاں پر دیکھیے، الفاظ کی صراحت کے باوجود انہیں عمومی خلافت پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ اس پر غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔

نیز امام صادق رحمہ اللہ سے ہی روایت میں ہے کہ جب غدیر خم کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت امیر المومنین کو کھڑا کیا، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی زبانی یہ پیغام بھیجا، آپ نے کہا: اے محمد ﷺ! میں کل صبح آسمان سے ایک ستارہ نازل کرنے والا ہوں، جس کی روشنی سورج کی روشنی پر غالب آ جائے گی۔ اپنے صحابہ کو بتا دیجیے، جس کے گھر پر وہ ستارا ٹوٹے گا، وہ آپ کے بعد خلیفہ ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بتا دیا، ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے گھر میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا کہ شاید یہ ستارا اس کے گھر میں گر جائے۔ بس کچھ دیر ہی گزری تھی کہ ستارا حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر آ گرا۔" ❺

❶ امالی الصدوق: (۱۰۷) معانی الاخبار: (٦٥) البحار: (۳۷/ ۲۲۳) اثباة الهداة: (۲/ ۳٤)
❷ معانی الاخبار (٦٦) البحار: (۳۷/ ۲۲۳)
❸ الخصال: (٤٦٥) البحار: (۳۸/ ۲۱۳)
❹ الكافی: (۱/ ٤۰۷) البحار: (۲۷/ ۲٤۸) نور الثقلین: (٤/ ۲٤۰)
❺ فرات: (۲/ ٤۲) البحار: (۳٥/ ۲۸۳)

گویا کہ اس روایت کے گھڑنے والے کا مقصد یہ ہے ہمیں ان لوگوں کا کوئی پتا اور سمجھ نہیں ہے جو کہ غدیر خم میں موجود تھے۔ ہم کو ان کی تعداد کا بھی پتا ہے اور ہم رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان اور من کنت مولاہ ...... الخ کا معنی بھی جانتے ہیں کہ اس کا معنی آپ کے بعد خلافت ہے۔ حتیٰ کہ لوگ انتظار میں رہے اور ۱۹ ذوالحجہ کو انہوں نے حضرت علی کے گھر پر ستارا گرتے ہوئے بھی دیکھ لیا اور جان لیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے بعد خلیفہ ہوں گے۔ اس باب میں روایات بہت زیادہ ہیں لیکن وہ ساری اس فہم کے عکس پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً دیکھیں کہ:

سالم سے روایت ہے، فرمایا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا ہم دیکھتے ہیں کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایسا حسن سلوک کرتے ہیں جو کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے کسی ایک ساتھ نہیں کرتے؟

تو انہوں نے جواب دیا: ''وہ تو میرے آقا ہیں۔''

اور حضرت باقر سے روایت ہے، کہتے ہیں: دو اعرابی جھگڑا لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابو الحسن! ان کے مابین فیصلہ فرما دیجیے۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے ایک کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ تو جس کے خلاف فیصلہ دیا تھا وہ بولا: اے امیر المومنین! کیا یہ آدمی ہمارے مابین فیصلہ کرے گا؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چھلانگ لگائی اور اس کے گریبان اور بالوں سے پکڑ لیا اور فرمایا: تمہارے لیے بربادی ہو، تم جانتے ہو یہ کون ہیں؟ یہ میرے مولی اور ہر مومن کے مولی ہیں اور جس کے آپ مولی نہیں ہیں، وہ مومن نہیں ہوسکتا۔''[1]

پس اب آپ اپنے آپ سے سوال کریں کہ کیا جس نے اعرابی کی طرف چھلانگ لگائی اس نے اس بات پر چھلانگ لگائی تھی کہ اعرابی نے صحیح شکایت کی تھی۔

اور شاید کہ اس تمام سے زیادہ بلیغ وہ ہے کہ جو کچھ اہل بیت سے نقل کیا گیا ہے اور کیا جو کچھ غدیر کے موقع پر پیش آیا، اہل بیت بھی اس سے وہی کچھ سمجھے تھے جس کا دعویٰ آج کل یہ لوگ کر رہے ہیں۔

خود امامیہ نے یہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

''کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے بھائی ہو اور میں تمہارا بھائی ہو جاؤں اور تم میرے ولی اور وصی اور میرے وارث ہو۔''

کیا اس کا یہ مقصد ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ کہہ رہے ہیں کہ تم مجھ پر امیر اور میرے خلیفہ ہو۔

حضرت صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو صفا پہاڑی پر کھڑے ہوئے اور فرمایا:

''اے بنی ہاشم! اے بنی عبدالمطلب! بے شک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اور میں تمہارا ہمدرد خیر خواہ ہوں اور یہ ڈرتا ہوں کہ کہیں تم یہ نہ کہو کہ محمد ﷺ ہم میں سے ہیں۔ اللہ کی قسم میرے اولیاء نہ تم میں سے ہیں اور نہ ہی تمہارے علاوہ دوسرے لوگوں میں سے ہیں سوائے متقی لوگوں کے۔''[3]

---

[1] البحار: (۴۰/ ۱۲۴) [2] الامالی للطوسی: (۲۱۱) البحار: (۳۷/ ۱۴)
[3] البحار: (۲۳/ ۲۸۲) تفسیر الفرات: (۱/ ۳۴۲)

**اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اسراء کی رات فرمایا:**

''گواہ ہو جاؤ، اے ملائکہ اور میرے آسمانوں کے رہنے والو! اور زمین کے باشندو! اور میرے عرش کے حاملین! بیشک علی میرا ولی اور اور میرے رسول کا ولی ہے اور میرے رسول کے بعد تمام مومنین کا ولی ہے۔'' ❶

آپ ان تمام نصوص سے کیا سمجھتے ہیں؟ کیا اس سے مراد موالات بمعنی محبت کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے؟

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جبرائیل امین مجھ پر نازل ہوئے اور فرمایا:

''اے محمد ﷺ! اللہ تعالیٰ آپ کو سلام دے رہے ہیں اور آپ سے یہ کہہ رہے ہیں یقیناً میں نے نماز فرض کی ہے اور پاگل، فاتر العقل اور بچے کو اس سے معاف رکھا ہے اور روزے فرض کیے مگر مسافر کو اس سے معاف رکھا اور میں نے حج فرض کیا، مگر معذور کو اس سے معاف رکھا اور زکوٰۃ فرض کی، مگر نادار کو اس سے معاف رکھا اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی محبت فرض کی اور ان کی محبت تمام آسمان و زمین والوں پر فرض کی ہے مگر اس میں کسی کو کوئی رخصت نہیں دی۔'' ❷

**اور رسول اللہ ﷺ نے اہل کساء کے متعلق فرمایا:**

''جس نے ان سے دوستی رکھی، اس نے یقیناً مجھ سے دوستی رکھی اور جس نے ان سے دشمنی کی اس نے یقیناً مجھ سے دشمنی کی۔'' ❸

**رباح بن حارث سے روایت ہے فرماتے ہیں:**

''ایک قافلہ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور کہا: ''السلام علیك یا مولانا

تو آپ نے فرمایا: میں تمہارا مولا کیسے ہو سکتا ہوں جب کہ تم ایک عرب قوم ہو؟

تو انہوں نے کہا: ہم نے سنا ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ نے غدیر خم کے موقع پر فرمایا تھا: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ اور ان لوگوں میں انصار بھی تھے۔ ان میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ صحابی رسول بھی تھے۔ ❹

رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: أنت أخونا و مولانا۔ ❺

یہ روایات جو ہم نے یہاں پر بیان کی ہیں اور ان پر کوئی تبصرہ نہیں کیا ان کے علاوہ اور بھی بہت ساری روایات ہیں جو کہ مولاہ کے معنی پر بڑی وضاحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں۔

اور یقیناً ہماری ذکر کردہ اس آخری روایت میں ہمارے مقصود کی واضح دلیل ہے۔ اور یہ سابقہ تمام روایات کی جگہ کفایت کر جاتی ہے۔

---

❶ الخصال: (۲/ ۵۰) امالی الشیخ: (۳۱۰) سلیم بن قیس: (۱۵۳) البحار: (۳۹/ ۳۳۷)
❷ الروضة: (۲۷) الفضائل: (۱۵۵) المختصر: (۱۰۱) البحار: (۲۷/ ۹٤۰) (۱۲/ ۷٥٤)
❸ امالی الصدوق: (۳۸۳) البحار: (۳۵/ ۲۱۰)
❹ العمدة: (٤٦) البحار: (۳۷/ ۱٤۸)
❺ البحار: (۲۰/ ۳۳۷، ۳۷/ ۳۰۷)

روایت یہ کہتی ہے کہ ہارون الرشید نے حضرت کاظم سے سوال کیا: تم لوگ یہ کہتے ہو کہ تمام مسلمان ہمارے غلام اور لونڈیاں ہیں اور بے شک تم لوگ یہ بھی کہتے ہو کہ جس کسی پر ہمارا حق ہو اور وہ ہمیں ہمارا حق نہ دے تو وہ مسلمان نہیں؟

تو حضرت کاظم نے اس پر رد کرتے ہوئے فرمایا: جن لوگوں نے یہ کہا ہے انہوں نے جھوٹ بولا ہے۔ بلکہ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ تمام مخلوق کی ہم سے دوستی ہے۔ یعنی دین کی بنیاد پر دوستی۔ مگر یہ جہلاء لوگ یہ خیال کرنے لگے ہیں کہ اس سے مراد ''ولاء الملک'' یعنی حکومت اور امارت ہے۔ اور اس پر انہوں نے اپنے اس دعویٰ کو محمول کیا ہے۔ ہم اپنے دعویٰ پر بطور دلیل غدیر خم کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کا قول پیش کرتے ہیں، جب آپ نے فرمایا: ''من کنت مولاہ فعلی مولاہ'' اس میں صرف دینی ولایت اور دوستی مطلوب تھی اور کچھ نہیں۔ ❶

اور امامیہ نے یہ روایت بھی ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اللہ آپ کو ہر مومن مرد اور عورت کا ولی (دوست) بنا دے، تو اللہ نے ایسا کر دیا۔'' ❷

پس ان الفاظ پر غور فرمایئے کہ ''تو اللہ نے ایسا کر دیا'' تو آپ کے پاس جو کچھ سابقہ نظریات ہیں ان میں موالات کا معنی سمجھنے میں سخت اضطراب کا شکار ہوں گے، وہ نظریات جو کہ اقوال رسول اللہ ﷺ کے منافی ہیں کہ آپ نے کوئی ایسی مبہم بات کی ہو جس کا معنی سمجھنے سے لوگ قاصر رہے ہوں۔ آپ ﷺ کو تو جوامع الکلم دیئے گئے تھے۔

اور آپ کا یہ فرمان گرامی بھی ہے کہ: ''میں اہل عرب میں سب سے فصیح زبان والا ہوں۔''

پھر یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت غدیر یا کسی بھی دوسری روایت سے ہرگز یہ نہ سمجھے کہ آپ کی ولایت واجب ہے اور اس کے خلاف کرنا کفر اور باطل ہے۔ حالانکہ آپ خود فرما رہے ہیں اما بعد:

> ''بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور آپ کے ذریعہ گمراہی سے نجات دی اور ہلاکت سے بچایا اور افراتفری کے بعد یکجا کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پاس بلا لیا اور آپ کے ذمہ جو امانت تھی، وہ آپ نے ادا کر دی۔ پھر لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا، پھر حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کیا۔ انہوں نے بہت اچھا کردار ادا کیا اور امت میں عدل و انصاف قائم کیا، ہمارے دلوں میں ان کے متعلق یہ خیال تھا کہ انہوں نے ولایت و امارت سنبھال لی اور ہمیں چھوڑ دیا، ہم آل رسول اللہ ﷺ اس کے زیادہ حق دار ہیں، پھر ہم نے ان کو اس سلسلہ میں معاف کر دیا۔'' ❸

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: پھر آپ ﷺ کے بعد مسلمانوں نے اپنے نیکوکار لوگوں میں سے دو افراد کو اپنا امیر بنایا، جنھوں نے سیرت نبی کو زندہ رکھا اور سنت سے تجاوز نہیں کیا۔''

❶ فرج المهموم: (۱۰۷) البحار: (۴۸/ ۱۴۷)
❷ الاحتجاج: (۳۲/ ۴۵۶) البحار: (۳۳/ ۵۶۸)
❸ البحار، (۳۲/ ۴۵۶، ۳۳/ ۵۶۸)
❹ البحار: (۳۳/ ۵۳۵)

## اور حضرات شیخین کے بارے میں فرمایا:

''پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ امور سنبھال لیے، آپ میانہ روی کے ساتھ راہ راست پر گامزن رہے اور قریب تر ہوتے گئے اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی بنے تو آپ بھی پسندیدہ سیرت اور نیک عاقبت وانجام والے تھے۔'' ❶

حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت غدیر یا کسی دوسری روایت سے ہرگز یہ نہ سمجھے کہ آپ سے پہلے خلفاء کی خلافت دین میں ایک بدعت ہے۔ آپ کو وہ تمام اقوال رسول اللہ ﷺ یاد تھے جن میں آپ کے بعد پیش آنے والے احوال کی خبر دی گئی تھی۔ تو آپ نے پوچھا تھا: میں لوگوں سے کس بات پر جنگ کروں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: دین میں بدعات ایجاد کرنے پر۔'' ❷

تو پھر کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم سے قتل کیا؟ یا آپ خوف کے مارے تقیہ کرتے رہے؟ جبکہ آپ کا فرمانا تو یہ تھا کہ اللہ کی قسم! اگر تمام عرب میرے خلاف جنگ کرنے کے لیے جمع ہو جائیں میں تب بھی پیٹھ نہ دکھاؤں۔ اور خلفاء ثلاثہ کی خلافت کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: الحمدللہ، میں نے خیر اور بھلائی کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا۔ ❸

تو کیا آپ روایت غدیر یا کسی دوسری روایت سے یہ سمجھے تھے کہ آپ امام ہیں۔ جبکہ آپ کا فرمان ہے:

> ''اے اللہ! تو جانتا ہے کہ ہمارے مابین حکومت کے لیے کوئی منافست یعنی مسابقت نہیں تھی اور نہ ہی کسی فضول چیز کی تمنا تھی۔ ہم تیرے دین کی علامات اور نشانیوں کو بحال رکھنا چاہتے تھے۔ اور تیرے شہروں میں اصلاح کو غالب کرتے، جس سے تیرے مظلوم بندوں کو امن نصیب ہوتا، اور تیری متروک شدہ حدود قائم ہوتیں۔''......حتی کہ آپ نے فرمایا:
>
> ''آپ جانتے ہیں کہ یہ بات مناسب نہیں ہے کہ شرم گاہوں اور خون اور اموال غنیمت اور احکام اور مسلمانوں کی امامت پر کوئی بخیل انسان والی ہو اور اس کی خواہشات اور ہمت لوگوں کے اموال میں ہو اور نہ ہی جاہل انسان ہو جو کہ اپنی جہالت کی وجہ سے انہیں گمراہ کر دے اور نہ ہی جفا کار انسان ہو، جو لوگوں کے حقوق اپنی جفا کی وجہ سے منقطع کر دے، اور نہ ہی ایسا ہو جو کچھ لوگوں کو اپنا بنا لے اور کچھ کو چھوڑ دے۔ اور نہ ہی رشوت خور، جو کہ رشوت لے کر فیصلہ کرے اور لوگوں کے حقوق پامال کرے اور نہ ہی تارک سنت ہو، جو امت کو ہلاکت میں ڈال دے۔'' ❹

یہ کلمات آپ نے اس وقت ارشاد فرمائے جب آپ کے عہد میں معاملات اضطراب کا شکار ہو گئے تھے۔ یہ خلفاء ثلاثہ کے عہد میں نہیں فرمایا۔ ان کے بارے میں تو یہی گواہی دی ہے کہ وہ اچھی سیرت و کردار کے حامل امت میں عدل قائم کرنے والے تھے اور اس خیر و بھلائی کی گواہی دی ہے جو ان کے عہد میں دیکھی تھی۔

---

❶ البحار: (۳۳/ ۵۳۸)
❷ امالی الطوسی: (۵۱۳) البحار: (۲۸/ ۴۸) اثبات الهداة: (۱/ ۳۰۰) نور الثقلین: (۵/ ۶۹)
❸ المناقب: (۱/ ۳۲۳) البحار: (۲۸/ ۷۴۱) ❹ نهج البلاغة: (۲۴۱)

مجھے یاد آیا کہ امامیہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس روایت کی سند میں حضرت امام رضا اپنے آباء سے، وہ حضرت علی سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ابو ذر صديق هذه الامة .)) ❶

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اِتَّبِـعْ سُنَّةَ صَاحِبَيْكَ ...... ''اپنے دونوں ساتھیوں کی سنت پر چلنا، کوئی تجھ پر انگلی نہیں اٹھا سکے گا۔'' ❷

اور ایک روایت میں ہے؛ فرمایا: ''تیرا برا ہو اے عثمان! کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا اور کیا تم نے حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو نہیں دیکھا؟ کیا تمہارا طریقہ کار ان کے طریقہ کی طرح ہے؟ ❸

## حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں پانچ قسم کے لوگوں سے براءت کا اظہار کروں۔

۱۔ عہد توڑنے والے سے؛ یہ لوگ اصحاب جمل ہیں۔

۲۔ اور گنہگاروں سے، یہ لوگ شام والے ہیں۔

۳۔ اور خوارج سے، یہ اہل نہروان ہیں۔

۴۔ اور قدریہ سے، یہ وہ لوگ ہیں جو دین میں نصاریٰ کی طرح کا عقیدہ رکھتے ہیں، اور تقدیر کے منکر ہیں۔

۵۔ اور مرجیہ سے، یہ وہ لوگ ہیں جو یہود کے دین پر چلتے ہیں: اور کہتے ہیں: واللہ اعلم۔ ❹

تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم سے براءت کا اظہار کرنے کا حکم دیا تھا؟ یہی لوگ تھے جنہوں نے (تمہاری نظر میں) حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا حق غصب کیا، اور ان پانچ اقسام کے لوگوں سے بھی برے کام کیے جن سے اظہار براءت کا حکم دیا گیا تھا۔ جیسا کہ ان کے مخالفین کا خیال ہے۔

ہرگز نہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کبھی یہ نہیں سمجھا کہ حضرات شیخین کی خلافت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے خلاف ہے اور فلاں انسان کسی دوسرے سے بڑھ کر خلافت کا حق دار ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کبھی بھی روایت غدیر خم یا کسی دوسری روایت سے یہ نہ سمجھ پائے کہ وہ دوسروں سے بڑھ کر خلافت کے حق دار ہیں۔ آپ تو ہمیشہ اس کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے رہے اور آپ کو یقینی علم تھا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ (الاحزاب: ٣٦)

''اور کبھی بھی نہ کسی مومن مرد کا حق ہے اور نہ کسی مومن عورت کا کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں کہ ان کے لیے ان کے معاملے میں اختیار ہو۔''

❶ عيون الاخبار: (٢/ ٧٠) البحار: (٢٢/ ٤٠٥)
❷ البحار: (٢٢/ ٤١٩)
❸ البحار: (٢٢/ ٤١٨)
❹ الكشي: (٣٨) البحار: (٤٢/ ١٥٢)

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ يَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۝﴾ (القصص: ٦٨)

''اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور چن لیتا ہے، ان کے لیے کبھی بھی اختیار نہیں، اللہ پاک ہے اور بہت بلند ہے، اس سے جو وہ شریک بناتے ہیں۔''

تو کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت غدیر یا کسی دوسری روایت سے یہ سمجھے تھے کہ آپ امام ہیں؟ جب آپ اپنی بیعت کے لیے آنے والوں سے فرماتے تھے:

''آگاہ ہو جاؤ! اور بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور اپنے عرش کے اوپر سے جانتا ہے کہ مجھے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت ناپسند تھی، حتیٰ کہ تمہاری رائے اس پر ایک ہو جائے۔ میں نے سنا ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: ''جو والی بھی میرے بعد ولایت پائے، تو میں پل صراط پر کھڑا ہوں گا اور فرشتے اس کا نامہ اعمال کھولے ہوئے ہوں گے۔ اگر وہ عادل ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کے عدل کی وجہ سے نجات دیں گے اور اگر وہ ظالم ہوگا تو پل صراط اس سے بدلہ لے گی حتیٰ کہ اس کے جوڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں گے۔ پھر اسے جہنم کی آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ وہ سب سے پہلے اپنی ناک اور چہرہ کو آگ سے بچانے کی کوشش کرے گا، لیکن جب تم ایک رائے پر جمع ہو گئے تو اب تمہیں چھوڑنا میرے لیے ممکن نہ رہا۔'' [1]

گرامی القدر قارئین کرام! کیا آپ ان روایات سے یہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی متعین خلیفہ کے متعلق ان میں نص موجود ہے؟ یا ان میں کوئی ایسی شرط ہے جس کا ہونا خلیفہ کے لیے واجب ہے تو وہ شرط کفایت کر جائے؟ اور کیا آپ کے بعد آنے والا اپنے عدل کی وجہ سے نجات پا لے گا؟ جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ لوگوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا، پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا۔ یہ دونوں اچھی سیرت و کردار کے حامل تھے اور انہوں نے امت میں عدل کو قائم کیا۔ یا پھر پل صراط ان کے ظلم کی وجہ سے ان سے بدلہ لے گی، جیسا کہ شیعہ میں اس بات کے دعوے دار موجود ہیں۔

کیا آپ کو یہ علم نہ تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ خلیفہ برحق ہیں، اور دوسرے لوگوں نے یہ حق غصب کر رکھا ہے؟ جبکہ آپ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما سے فرما رہے تھے: ''میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ کیا تم اپنی مرضی سے میری بیعت کیلئے نہیں آئے تھے، اور مجھے خلیفہ بننے کی دعوت نہیں دی تھی، جبکہ میں اس چیز کو ناپسند کرتا تھا؟ اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا: پس اللہ کی قسم! مجھے خلیفہ بننے کی کوئی رغبت نہیں تھی، لیکن تم نے مجھے اس کی دعوت دی اور مجھے اس منصب کی ذمہ داری سونپی، تو مجھے ڈر لگا کہ اگر میں انکار کر دوں تو امت میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ [2]

[1] امالی الطوسی: (٧٣٦) البحار: (٣٢/ ١٧، ٢٦)

[2] امالی الطوسی: (٧٣٦) البحار: (٣٢/ ٢١؛ ٥٠)

کیا آپ کو ان تمام باتوں کا علم نہیں تھا؟ جب کہ جب مہاجرین وانصار آپ کی بیعت کے لیے حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے کہا: مجھے تمہارا حاکم بننے کی کوئی حاجت نہیں، جس کو تم چن لو گے، میں بھی اس پر راضی ہوں۔'' ❶

اور جب بیت المال کے پاس لوگ بیعت کے لیے جمع ہوئے تو آپ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے کہا: بیعت کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھائیں۔ تو حضرت طلحہ نے جواب دیا: آپ مجھ سے زیادہ اس کے حق دار ہیں اور یہ لوگ آپ کے لیے جمع ہوئے ہیں میرے لیے نہیں۔ ❷

تو کیا آپ کو یہ اختیار حاصل تھا کہ آپ اس کی بیعت کریں، یا پھر کسی دوسرے کو موقع دے دیں۔ یا پھر یہ معاملہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اس میں کسی بشر کو کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ اور یہ کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور ان سے قبل شیخین اس بنیاد پر اللہ کی طرف سے ائمہ نہیں تھے؟

''کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم نہیں تھا کہ وہ اللہ اور رسول کی طرف سے منصوص امام ہیں۔ جبکہ آپ یہ فرما رہے ہیں:

> ''تم لوگ میرے پاس میری بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوئے تو میں نے کہا: مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں اور میں واپس اپنے گھر میں داخل ہو گیا، مگر تم لوگ مجھے پھر نکال لائے، میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تھا مگر تم نے آگے کر کے پھیلا دیا اور تم مجھ پر ایسے ٹوٹ پڑے حتیٰ کہ میں نے یہ خیال کیا کہ تم مجھے قتل کر ڈالو گے اور پھر تم باہم لڑ پڑے۔ اور تم لوگوں نے میری بیعت کی۔ مجھے اس کی کوئی خوشی یا طلب نہیں تھی اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ جانتے ہیں کہ میں امت محمد میں حکومت کو ناپسند کرتا ہوں۔'' ❸

کیا آپ کو ان تمام باتوں کا علم نہیں تھا، جب کہ مقتل عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد جب آپ کی بیعت کی جانے لگی تو آپ نے لوگوں سے یہ کہا تھا:

> ''مجھے چھوڑ دو، اور میرے علاوہ کسی دوسرے کو تلاش کرو، بیشک ہم ایک ایسے معاملہ کا استقبال کر رہے ہیں جس کے کئی چہرے ہیں اور کئی رنگ ہیں۔ جس میں نہ دلوں کو قرار ہے نہ عقلوں کو ثبات ہے۔ آفاق میں اندھیرے بادل چھائے ہیں اور راستے اوپرے لگ رہے ہیں اور یہ بات جان لو کہ اگر میں تمہاری بات مان لوں اور تمہارے ساتھ اس کشتی پر سوار ہو جاؤں تو مجھے پتا نہیں کیا ہوگا؟ اور میں کسی کہنے والے کی بات نہ سن سکوں گا اور کسی عتاب گر کی عتاب کی پروا نہ کروں گا اور اگر تم مجھے چھوڑ دو گے تو میں بھی تمہارے کسی ایک فرد کی طرح ہوں گا۔ شاید کہ میں سب سے زیادہ بات سننے والا اور اطاعت گزار ہوں گا اس آدمی کے لیے جسے تم اپنا امیر بناؤ گے اور میرا تمہارے لیے وزیر بن کر رہنا امیر بننے سے زیادہ بہتر ہے۔'' ❹

---

❶ البحار: (۳۲/ ۳۱) نقلاً عن الکافی ❷ البحار: (۳۲/ ۳۲) نقلا عن الکافی
❸ البحار: (۳۲/ ۶۳)
❹ نہج البلاغۃ: (۱۷۸) البحار: (۳۲/ ۸)

تو کیا آپ کا یہ خیال تھا کہ آپ کا اور صحابہ کا اختیار اللہ تعالیٰ کے اختیار سے زیادہ بہتر تھا جب کہ آپ یہ آیت تلاوت فرماتے تھے:

﴿وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ يَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ (القصص: ٦٨)

''اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور چن لیتا ہے، ان کے لیے کبھی بھی اختیار نہیں، اللہ پاک ہے اور بہت بلند ہے، اس سے جو وہ شریک بناتے ہیں۔''

اور یقیناً رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے جیسا کہ امامیہ نے بھی روایت کیا ہے کہ:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا، جیسے چاہا۔ اور پھر فرمایا: وہ چاہتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے اور میرے اہل بیت کو تمام مخلوق میں سے چنا اور ہمیں شرافت و نجابت سے نوازا۔ مجھے رسول بنایا اور علی بن ابی طالب کو میرا وصی بنایا، پھر فرمایا: یہ ان کا اپنا اختیار نہیں تھا۔ یعنی میں نے بندوں کو یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ کسی کو چن لیں، لیکن جسے میں چاہتا ہوں چن لیتا ہوں۔''❶

کیا آپ کی رائے بھی یہی تھی؟ کیا یہ بھی پھر اس طرح کی بات نہیں ہے جیسے کوئی کہے کہ نبی اکرم ﷺ نے کسی ایک سے کہا ہو: تم نبوت کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھاؤ؟

کیا آپ کو ان چیزں کا علم تھا، جبکہ آپ فرماتے ہیں:

''اللہ کی قسم! مجھے خلافت میں کوئی رغبت نہیں تھی: اور نہ ہی ولایت کا کوئی شوق تھا، مگر تم لوگوں نے مجھے اس کی دعوت دی، اور اس پر مجبور کیا، تو میں نے تمہارے ساتھ اختلاف کو ناپسند سمجھا۔''❷

کیا آپ یہ خیال کرتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ سات آسمانوں کے اوپر سے آپ کو تمام لوگوں میں سے چن لیا ہے، تو پھر بھی اللہ کی مخالفت جائز اور لوگوں کی اطاعت گزاری واجب ہے؟

کیا آپ کو ان باتوں کا اس وقت علم تھا؟ جس وقت کے بارے میں فرماتے ہیں:

''تم نے میرا ہاتھ پھیلایا، میں نے اسے روک لیا، تم نے اسے آگے کیا، میں نے واپس کھینچ لیا، پھر تم مجھ پر ایسے ٹوٹ پڑے جیسے پیاسا اونٹ سخت پیاس کے وقت پانی کے حوض پر ٹوٹ پڑتا ہے، حتیٰ کہ جوتی ٹوٹ گئی، چادر گر گئی اور کمزور لوگ نیچے آ گئے...... الخ۔

آپ نے یہ خلافت کے لیے بیعت کے وقت کے احوال بیان کیے ہیں۔''❸

---

❶ البحار: (٣٦/ ١٦٧) الطرائف: (٢٤)

❷ امالی الطوسی: (٧٤٠) نہج البلاغة: (٣٩٧) البحار: (٣٢/ ٣٠-٥٠)

❸ نہج البلاغہ: (٤٣٠) البحار: (٣٢/ ٥١) المناقب: (٢/ ٣٧٥) الارشاد: (١٣٠) الاحتجاج: (١٦١)

اور جس وقت کے بارے میں آپ فرماتے ہیں لوگ میری مراد نہیں تھے حتیٰ کہ میں لوگوں کی مراد ہو گیا اور میں نے ان سے بیعت نہیں لی حتیٰ کہ انہوں نے مجھے مجبور کیا۔''❶

اور فرماتے ہیں: ''جب میں نے تم لوگوں کی طرف سے وہ کچھ دیکھا جو میرے اور تمہارے معاملہ میں روایت کیا گیا ہے، تو میں نے کہا: اگر میں نے یہ ذمہ داری قبول کرنے کے لیے ان لوگوں کی بات نہ مانی، تو یہ لوگ کسی ایک کو متعین نہ کر سکیں گے جو کہ میری جگہ کھڑا ہو سکے، یا میری طرح عدل قائم کر سکے۔❷

کیا اور کیا...... الخ۔ آپ تو ہمیشہ کہتے رہے کہ وہ امر خلافت کو ناپسند کرتے ہیں (مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت) اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کوئی چیز پیدا نہ کرے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ يَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۝﴾ (القصص: ٦٨)

''اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور چن لیتا ہے، ان کے لیے کبھی بھی اختیار نہیں، اللہ پاک ہے اور بہت بلند ہے، اس سے جو وہ شریک بناتے ہیں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جوتی مرمت کر رہے تھے، تو آپ نے ان پوچھا: تمہاری اس جوتی کی قیمت کیا ہے؟ عرض کی: کوئی قیمت نہیں: فرمایا: اللہ کی قسم! تمہاری امارت سے یہ جوتی مجھے زیادہ محبوب ہے۔''❸

آپ رضی اللہ عنہ کو کبھی یہ خیال تک بھی نہیں آیا کہ ان روایات سے آپ کی خلافت کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے اور اگر ان میں ایسا کچھ ہوتا تو آپ ضرور اس پر جنگ بھی کر لیتے، بھلے سارا عرب آپ کے خلاف ٹوٹ پڑتا بلکہ آپ کا یہ عقیدہ و یقین تھا کہ آپ کی خلافت کی مشروعیت شوریٰ کی بنیاد پر ہے، جس کو قرآن نے مقرر کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سنت کی راہ دکھائی اور اس کی تاکید کی ہے۔

اور ایسے ہوتا بھی کیوں نہیں جب کہ آپ کا فرمان ہے: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی تمہارے پاس آئے اور جماعت میں تفریق ڈالنا اور امت کا معاملہ غصب کرنا چاہتا ہو اور بغیر مشورہ کے حاکم بن بیٹھے، تو اسے قتل کر دو، بے شک اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے کی اجازت دی ہے۔''

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''بے شک لوگ مہاجرین و انصار کے تابع ہیں اور وہ ملک میں مسلمانوں کے ولاۃ الامور اور امرائے دین پر گواہ ہیں وہ مجھ پر راضی ہوئے اور میری بیعت کی۔ اور میں یہ حلال نہیں سمجھتا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس امت پر مسلط چھوڑ دوں اور وہ ان میں تفریق ڈال دے۔''

❶ المناقب: (۲/ ۳۷) البحار: (۳۲/ ۱۳۰) کشف الغمۃ: (۱/ ۸ ۲۳)
❷ الارشاد: (۱۳۹) البحار: (۳۲/ ۳۸۷)
❸ البحار: (۳۲/ ۷٦) الارشاد: (۱۳۲)
❹ عیون الاخبار: (۲/ ٦۷)

جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تک یہ بات پہنچی تو فرمایا: "معاملہ ایسے نہیں جیسے آپ فرما رہے ہیں، پھر ان مہاجرین و انصار کا کیا ہوگا جو یہاں پر ہیں اور آپ کی بیعت میں داخل نہیں ہوئے۔"

تو فرمایا: "تمھاری بربادی ہو یہ باقی صحابہ میں سے صرف بدری صحابہ کا حق ہے اور روئے زمین پر کوئی بدری ایسا نہیں جس نے میری بیعت نہ کی ہو اور وہ میرے ساتھ نہ ہو یا وہ میرے ساتھ کھڑا اور مجھ پر راضی نہ ہو۔ پس معاویہ تمھیں تمھارے نفوس اور تمھارے دین میں دھوکہ نہ دے۔"❶

## ایک دوسرے موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"مدینہ میں میری بیعت تمھارے شام میں رہتے ہوئے تم پر لازم ہے۔ اس لیے کہ اس قوم نے میری بیعت کر لی ہے جس نے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی بیعت کی تھی اور جس چیز پر بیعت کی تھی۔ حاضرین کے لیے اب کوئی اختیار باقی رہا ہے اور نہ ہی غائب اس کا انکار کر سکتا ہے۔ بے شک شوریٰ مہاجرین و انصار میں ہے۔ اگر یہ ایک آدمی پر جمع ہو کر اسے امام کا لقب دے دیں تو اس میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے۔ اور اگر کوئی باہر نکلنے والا کسی دعویٰ یا بدعت کی بنیاد پر ان کا ساتھ چھوڑ کر باہر نکلے تو اسے واپس لایا جائے اور اگر وہ فرمانے تو اہل ایمان کا راستہ ترک کر کے دوسرا راستہ اپنانے کی وجہ سے اس سے قتال کرو۔ اور اللہ تعالیٰ اسے اسی طرح پھیر دے گا جس طرف وہ مڑ چلا ہے اور پھر اسے جہنم کی آگ میں ڈال دیا جائے گا، جو کہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔"❷

آپ کا عقیدہ تو یہ ہے کہ مہاجرین و انصار کا کسی انسان پر اتفاق ہونا اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی نشانی ہے۔ بلکہ آپ ان کی رضامندی کے بغیر اپنی بیعت کو کارآمد نہیں سمجھتے تھے۔ جیسا کہ آپ کا فرمان ہے:

"میری بیعت مسلمانوں کی اعلانیہ اور اجتماعی رضامندی کے بغیر نہیں ہو سکتی۔"❸

اور آپ یہ بھی فرماتے ہیں: "اور ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں گمراہی پر لگا دے اور نہ ہی ان کو اندھے پن کی وجہ سے کوئی نقصان ہوگا۔"❹

## اور آپ نے ایک دوسرے موقعہ پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا ہے:

"تمھارے شام میں ہوتے ہوئے مدینہ میں میری بیعت تجھ پر لازم ہے، جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدینہ میں بیعت تجھ پر شام میں لازم ہوئی تھی اور اس وقت تم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے امیر تھے اور جیسا کہ شام میں تمھارے بھائی یزید پر مدینہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت لازم ہوئی تھی اور وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے امیر شام تھے۔ رہ

❶ البحار: (۳۲/ ٤٥٠)
❷ البحار: (۳۲/ ۸۳۳) نهج البلاغة: (٤٤٦) نور الثقلين: (۱/ ٥٥١)
❸ البحار: (۳۲/ ۲۳)　❹ البحار: (۳۲/ ۳۳) شرح نهج البلاغة للبحراني: (٤/ ۳٥٦) نهج السعادة: (٤/ ٩٤)

گیا تمہارا یہ کہنا کہ میری بیعت درست نہیں ہے اس لیے کہ اہل شام اس بیعت میں داخل ہی نہیں ہوئے تو معاملہ یہ ہے کہ بے شک بیعت ایک ہی ہوتی ہے جو کہ حاضر اور غائب دونوں پر لازم ہوتی ہے اس میں کسی کو استثناء حاصل نہیں ہوتا اور نہ ہی اس میں دوبارہ چناؤ ہو سکتا ہے۔ اس بیعت سے خروج کرنے والا طعن زنی کرنے والا ہے اور اس سے پیچھے رہنے والا مداہن ہے۔ ❶

اور آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے: اور تم یہ جان لو کہ تم ان ابناء طلقاء میں سے ہو جن کے لیے خلافت حلال نہیں اور نہ ہی ان میں شوریٰ ہو سکتی ہے۔ ❷

## اور ایسے ہی حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے صلح نامہ میں کہا تھا:

''یہ وہ صلح نامہ ہے جو کہ حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما اور معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے مابین طے پایا ہے۔ ان کے مابین صلح اس بات پر ہوئی ہے کہ وہ مسلمانوں کی امارت اس کے سپرد کر دیں گے اور وہ لوگوں کے مابین کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور سیرۃ خلفائے راشدین کے مطابق چلیں گے اور معاویہ بن ابوسفیان کو اپنے بعد کسی کو ولی عہد بنانے کا اختیار نہیں ہوگا اور مسلمانوں کی امارت ان کے مابین شوریٰ سے طے پائے گی۔'' ❸

کیا آپ کا اس کے بعد بھی یہی خیال ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یا ان کے بیٹے اللہ تعالیٰ کی طرف سے امام تھے، جب وہ تو مبداء شوریٰ کا اقرار کرتے ہیں، اور مسلمانوں کی امامت کو اسی شوریٰ سے مستند مانتے ہیں اور وہ کسی ایسی نص کا ذکر تک نہیں کرتے کہ ان میں سے کسی ایک نے وہ نص اپنی خلافت پر پیش کی ہو۔ حالانکہ وہ اس وقت اتنے اختلافات سے گزر رہے تھے اور یہ ایسا مرحلہ تھا کہ اگر کوئی ایسی نص موجود ہوتی تو اس کے بیان کرنے کی بہت سخت ضرورت تھی تاکہ وہ حضرت معاویہ کے دعویٰ کا رد کر سکیں کہ اہل شام کا ان کی بیعت پر اجماع نہیں ہوا۔

تو کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کوئی ایسی بات کہی، مثال کے طور پر اہل شام کے انتخاب، یا ان کی بیعت کی کوئی قدر و منزلت یا قیمت ہی نہیں؟ کیوں کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری خلافت پر نصوص موجود ہیں؟ یا پھر آپ نے اپنی بیعت پر اہل مدینہ کے اجتماع سے دلیل پیش کی؟ حتیٰ کہ آپ نے اپنی خلافت کی مشروعیت کو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت پر قیاس کیا اور یہ کہ ان کی بیعت میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی تھی اور یہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم تھے اور اس بات کے حق دار تھے کہ بعد میں آنے والوں کو ان کی اتباع کی دعوت دی جائے اور ایسا نہیں تھا کہ انہوں نے کسی دوسرے کا حق مارا ہو۔ اور آپ نے اس مسئلہ میں قرآن کریم کے منہج کو برقرار رکھا تھا۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ (آل عمران: ۱۵۹)

''اور کام میں ان سے مشورہ کر۔''

❶ البحار: (۳۳/ ۸۱) ❷ المناقب: (۲/ ۳۴۹) البحار: (۳۲/ ۳۳)
❸ كشف الغمة: (۲/ ۱۴۵) البحار: (۴۴/ ۶۵)

اور فرمایا:

﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ (الشوری: ۳۸)

''اوران کا کام آپس میں مشورہ کرنا ہے۔''

اس میں کوئی تعجب والی بات نہیں کہ آپ بار بار یہ اقرار کرتے تھے کہ بے شک شوری مہاجرین وانصار میں ہے۔ جب ان کا کسی انسان پر اجماع ہو جائے اور وہ اسے اپنا امام کہیں تو اس میں اللہ کی رضامندی ہے اور اس میں کوئی تعجب والی بات نہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مہاجرین وانصار کے متعلق یہ کہو کہ: ایسا ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں گمراہی پر جمع کر دے اور ایک روایت میں ہے کہ گمراہی پر لگا دے، یا انہیں اندھا پن نقصان دے۔

اور خوارج جو کہ آپ کو غلط اور گمراہ کہہ رہے تھے آپ ان سے فرماتے اور اگر تم نہ مانو اور اسی بات پر اڑے رہو کہ میں نے غلطی کی ہے اور گمراہ ہوگیا ہوں تو پھر تم میری گمراہی کی وجہ سے ساری امت محمد کو گمراہ کیوں کہتے ہو۔'' [1]

پھر یہ طعنہ گر یہ بھی کہتا ہے کہ وہ اجماع جس کا یوم سقیفہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتخاب اور آپ کی بیعت کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے وہ بیعت جو کہ بعد میں مسجد میں ہوئی، یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ یہ اجماع کیسے ہوسکتا ہے کہ حضرت علی، حضرت عباس، دیگر تمام بنی ہاشم، ان کے علاوہ اسامہ بن زید، زبیر، سلمان الفارسی، ابوذر الغفاری، مقداد بن الاسود، عمار بن یاسر، حذیفہ بن الیمان، خزیمہ بن ثابت، ابو بریدہ الاسلمی، براء بن عازب، ابی بن کعب، سہل بن حنیف، سعد بن عبادہ، قیس بن سعد، ابوایوب الانصاری، جابر بن عبداللہ اور خالد بن سعید رضی اللہ عنہم کے علاوہ اور بہت سارے لوگ تھے، جو اس بیعت میں شریک نہیں ہوئے۔

تو اللہ کے بندو! وہ خودساختہ اور خیالی اجماع کہاں ہے؟ اگر صرف حضرت علی بن ابی طالب اکیلے ہی اس اجماع میں شریک نہ ہوئے ہوتے تو پھر بھی یہ اس پر طعن وتنقید کے لیے کافی تھا۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آپ خلافت کے لیے اکیلے نامزد امیدوار تھے، یہ بھی اس صورت میں ہے جب یہ تسلیم کرلیا جائے کہ آپ کے وجود پر کوئی براہ راست نص موجود نہیں۔

پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے پیچھے رہنے والوں کے نام بذیل مصادر کی طرف منسوب کیے ہیں: تاریخ الطبری، تاریخ ابن الاثیر، تاریخ الخلفاء، تاریخ الخمیس، الاستیعاب اور انکے علاوہ جن مورخین نے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تذکرہ کیا ہے اور کتاب کے کسی جز یا صفحہ کا نام نہیں لیا کہ کون سے مصدر میں یہ بات کہاں ہے۔

**رد:** ...... اگر ہم ان مصادر کی طرف رجوع کریں تو ان میں سے کسی ایک کتاب میں بھی کوئی ایسی کوئی بات نہیں کہ ان میں سے کسی ایک نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہ کی ہو۔ جہاں تک تاریخ الطبری کا تعلق ہے، تو اس نے کئی ایک روایات ذکر کی ہیں۔ ان میں سے بعض صحیح ہیں اور بعض میں ضعف پایا جاتا ہے۔

[1] الاحتجاج: (۴۵۰) ارشاد القلوب: (۲/ ۲۲۵) البحار: (۲/ ۲۲۵؛ ۵/ ۲۰؛ ۱۶/ ۳۵۰)

حضرت ابن عباس والی اس روایت کا تذکرہ جسے امام بخاری نے روایت کیا ہے، جس میں ہے: بے شک امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ منبر پر جلوہ افروز ہوئے تاکہ ان لوگوں پر رد کرسکیں جو یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر امیر المومنین فوت ہو گئے تو ہم فلاں کی بیعت کرلیں گے۔ اس میں جملہ طور پر سقیفہ کا قصہ بھی بیان ہوا ہے۔ اس میں آپ کا یہ کہنا کہ ہمیں یہ اطلاع ملی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو حضرت علی، حضرت زبیر اور ان کے ساتھ دوسرے لوگ حضرت فاطمہ کے گھر میں بیعت سے پیچھے رک گئے اور انصار سارے کے سارے بیعت سے پیچھے رہ گئے تھے۔ اور مہاجرین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہو گئے تھے۔ تو میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: ہم اپنے ان انصاری بھائیوں کے پاس چل کر جاتے ہیں۔ پس ہم ان کے پاس چلے گئے۔ راہ میں ہمیں دو نیک افراد ملے جو کہ غزوہ بدر میں شرکت کر چکے تھے انہوں نے کہا: اے مہاجرین کی جماعت! تم کہاں جا رہے ہو؟

ہم نے کہا: ہم اپنے انصاری بھائیوں کے پاس جا رہے ہیں۔

وہ کہنے لگے تم واپس پلٹ جاؤ، اور اپنے معاملہ کا فیصلہ اپنے مابین کرلو۔

ہم نے کہا اللہ کی قسم! ہم ضرور ان کے پاس جائیں گے۔ آپ فرماتے ہیں: جب ہم ان کے پاس پہنچے تو ایک آدمی چادر میں لپٹا ہوا تھا۔ میں نے کہا: یہ کون ہے؟

انہوں نے کہا: یہ سعد بن عبادہ ہیں۔ ہم نے پوچھا: انہیں کیا ہوا ہے؟

تو کہنے لگے: انہیں بخار کی وجہ سے تکلیف ہو رہی ہے۔

پھر انصار میں سے ایک آدمی کھڑا ہو گیا؛ اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی؛ اور کہا:

''ہم انصار ہیں؛ ہم اسلام کا ہراول دستہ ہیں۔ اے قریش کی جماعت! آپ ہمارے نبی کی جماعت کے لوگ ہیں۔ آپ کی یہ تھوڑی سی تعداد اپنی قوم قریش سے نکل کر ہم لوگوں میں آ رہے ہو۔ تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ ہماری بیخ کنی کرو اور ہم کو خلافت سے محروم کر کے آپ خلیفہ بن بیٹھو؛ یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔

جب وہ خطبہ پورا کر چکے تو میں نے بولنا چاہا۔ میں نے ایک عمدہ تقریر اپنے ذہن میں ترتیب دے رکھی تھی۔ میری بڑی خواہش تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بات کرنے سے پہلے ہی میں اس کو شروع کر دوں اور انصار کی تقریر سے جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غصہ پیدا ہوا ہے اس کو دور کر دوں۔ جب میں نے بات کرنی چاہی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ذرا ٹھہرو۔ میں نے ان کو ناراض کرنا برا جانا۔ آخر انہوں نے ہی تقریر شروع کی اور اللہ کی قسم وہ مجھ سے زیادہ عقلمند اور مجھ سے زیادہ سنجیدہ اور متین تھے۔ میں نے جو تقریر اپنے دل میں سوچ لی تھی اس میں سے انہوں نے کوئی بات نہیں چھوڑی۔ فی البدیہہ وہی کہی بلکہ اس سے بھی بہتر پھر وہ خاموش ہو گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ انصاری بھائیو تم نے جو اپنی فضیلت اور بزرگی بیان کی ہے وہ سب درست ہے اور تم بیشک اس کے لیے سزاوار ہو مگر خلافت قریش کے سوا اور کسی خاندان والوں کے لیے نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ قریش از روئے نسب اور از روئے خاندان تمام عرب قوموں میں بڑھ

چڑھ کر ہیں اب تم لوگ ایسا کرو کہ ان دو آدمیوں میں سے کسی سے بیعت کر لو۔ ابوبکر نے میرا اور ابوعبیدہ بن جراح کا ہاتھ تھاما؛ وہ ہمارے بیچ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس ساری گفتگو میں صرف یہی ایک بات مجھ سے میرے سوا ہوئی۔ واللہ میں آگے کر دیا جاتا اور بیگناہ میری گردن ماردی جاتی تو یہ مجھے اس سے زیادہ پسند تھا کہ مجھے ایک ایسی قوم کا امیر بنایا جاتا جس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ خود موجود ہوں۔ میرا اب تک یہی خیال ہے یہ اور بات ہے کہ وقت پر نفس مجھے بہکا دے اور میں کوئی دوسرا خیال کروں جواب نہیں کرنا۔

پھر انصار میں سے ایک کہنے والا - حباب بن منذر رضی اللہ عنہ - یوں کہنے لگا سنو سنو میں ایک لکڑی ہوں کہ جس سے اونٹ اپنا بدن رگڑ کر کھجلی کی تکلیف رفع کرتے ہیں اور میں وہ باڑ ہوں جو درختوں کے اردگرد حفاظت کے لیے لگائی جاتی ہے۔ میں ایک عمدہ تدبیر بتاتا ہوں ایسا کرو دو خلیفہ رہیں دونوں مل کر کام کریں ایک ہماری قوم کا اور ایک قریش والوں کا۔ مہاجرین قوم کا اب خوب شور غل ہونے لگا کوئی کچھ کہتا کوئی کچھ کہتا۔ میں ڈر گیا کہ کہیں مسلمانوں میں پھوٹ نہ پڑ جائے آخر میں کہہ اٹھا: ابوبکر! اپنا ہاتھ بڑھائیے،

انہوں نے ہاتھ بڑھایا میں نے ان سے بیعت کی اور مہاجرین جتنے وہاں موجود تھے انہوں نے بھی بیعت کر لی پھر انصاریوں نے بھی بیعت کر لی......۔"

## پھر طبری نے اس کے بعد ولید بن جمیع الزہری کا اثر نقل کیا ہے وہ کہتا ہے:

"عمرو بن حریث نے سعید بن زید سے پوچھا: کیا آپ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت موجود تھے؟ انہوں نے جواب دیا ہاں: پھر پوچھا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کب ہوئی؟ فرمایا: جس دن رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی۔ لوگ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ وہ ایک دن کا کچھ حصہ بھی جماعت کے بغیر گزاریں۔ پھر پوچھا: کیا کسی ایک نے اس کی مخالفت کی تھی؟ فرمایا نہیں سوائے مرتدین کے، یا جو لوگ مرتد ہونے کے قریب تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ انہیں انصار سے نہ بچاتے۔ پھر پوچھا: کیا مہاجرین میں سے کوئی ایک بیعت سے پیچھے رہا تھا؟ فرمایا: نہیں: بلکہ تمام مہاجرین نے بن بلائے آپ کی بیعت کی تھی۔"

## پھر اس کے بعد حبیب بن ابی ثابت کی روایت نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں:

"حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں تھے۔ آپ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیعت لینے کے لیے بیٹھ گئے ہیں۔ تو آپ اپنی قمیص میں ہی نکل پڑے۔ آپ پر نہ چادر تھی نہ جبہ، آپ جلدی میں نکلے۔ آپ کو یہ بات ناپسند تھی کہ بیعت میں تاخیر کریں۔ حتیٰ کہ آپ نے آ کر بیعت کی اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھ گئے پھر ایک آدمی کو بھیجا، جو جا کر آپ کا جبہ لے آیا، اور آپ نے اسے زیب تن فرمایا اور مجلس میں بیٹھے رہے۔"

پھر امام نے وہ حدیث ذکر کی ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بابت نقل کیا

ہے، جو کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد کا واقعہ ہے اور آخر میں حضرت انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہ والی روایت نقل کی ہے، جو کہ بیعت سقیفہ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عام بیعت سے متعلق ہے اس کے بعد کوئی اور چیز ذکر نہیں کی گئی۔ ❶

جب کہ ابن اثیر کی تاریخ میں کوئی ایسی روایت نہیں جس کا دعویٰ اس تنقید نگار نے کیا ہے یا جس سے ثابت ہوتا ہو کہ مذکورہ بالا حضرات نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی۔

اور تاریخ الخلفاء جو کہ ابن قتیبہ کی طرف منسوب ہے، یہ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ اس پر گفتگو ہی نہ کی جائے۔ کیونکہ اس کتاب کے ابن قتیبہ کی تالیف ہونے میں شک ہے۔ جبکہ تاریخ خمیس ہمیں نہیں مل سکی جس پر ہمیں بہت افسوس ہے۔ اور ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں مولف نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر کسی بھی دوسری کتاب سے زیادہ دلائل پیش کیے ہیں۔

☆...... اگر ہم فرض کر لیں کہ مذکورہ بالا صحابہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی تو بھی اس سے بیعت پر قدح وارد نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ بیعت کے لیے تمام لوگوں کا اجماع ضروری نہیں ہوتا۔ اس میں اہل شان وشوکت اور ان جمہور کی موافقت ضروری ہوتی ہے جن کی تائید سے خلافت کا نظام قائم ہو سکے۔ اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔ جیسا کہ نہج البلاغہ میں ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: میری عمر کی قسم! اگر امامت کا انعقاد عوام الناس کی موجودگی کے بغیر نہ ہوتا تو پھر اس کی کوئی راہ ہی نہیں۔ لیکن اہل بیعت غائب لوگوں کو اسی حکم میں شمار کرتے ہیں۔ حاضر کو بیعت سے رجوع کرنے کی اجازت نہیں اور غائب کو کسی دوسرے کی بیعت کا اختیار نہیں۔

**اعتراض:**...... پھر یہ تنقید نگار اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت بغیر کسی مشورہ کے ہوئی۔ بلکہ اس کا انعقاد لوگوں کی غفلت کی گھڑی میں ہو گیا۔ خاص طور پر ان میں سے اہل حل وعقد حضرات جیسا کہ مسلمان علمائے کرام نے بیان کیا ہے کہ وہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز وتکفین میں مصروف تھے۔ اہل مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ناگہانی موت کے صدمہ سے دوچار تھے کہ انہیں زبردستی بیعت پر مجبور کر دیا گیا۔ اس کا اندازہ اس دھمکی سے بھی ہوتا ہے جو انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا گھر جلانے کے لیے دی تھی، اگر انہوں نے چھپے ہوئے لوگوں کو بیعت کے لیے نہ نکالا تو، تو پھر اس کے بعد ہمارے لیے یہ کہنا کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ یہ بیعت مشورہ اور اجماع سے طے پائی تھی۔

**ردّ:**...... اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت غفلت میں اور مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر ہوتی ہے، جیسا کہ اس تنقید نگار کا دعویٰ ہے تو یہ اس کے کلام میں کھلا ہوا تضاد ہے، کیونکہ اس سے پہلے یہ کہہ چکا ہے کہ بعض صحابہ بیعت سے پیچھے رہ گئے تھے تو کیا مسلمان ایک چھوٹی سے جماعت تھی؟

☆...... امامیہ اس حقیقت کا اقرار کرتے ہیں۔ یہ ایک شیعہ اثنا عشری عالم حسن بن موسی نوبختی ہے۔ وہ اپنی کتاب ''فرق

❶ دیکھیے: طبری: (۲/ ۲۳۵)

الشیعہ'' میں اقرار کرتے ہوئے کہتا ہے: سواد اعظم کی جمہور اکثریت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوگئی یہ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جمع اور ان پر راضی رہے۔ ❶

یہ ایک دوسرا شیعہ عالم ابراہیم الثقفی ہے، وہ اپنے ایک رسالہ میں اپنے ساتھیوں کے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول پیش کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے اس بات کی پروا نہیں ہوئی کہ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے تاکہ آپ کی بیعت کریں۔ ❷

پھر اس کتاب کا شارح لوگوں کے چلے جانے (انثیال للناس) کی شرح کرتے ہوئے لکھتا ہے: یعنی لوگ ہر طرف سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف ٹوٹ پڑے تھے۔ جیسے کہ مٹی ہوا میں اڑ کر کہیں جمع ہو جاتی ہے۔

محقق مجلسی نے ''اجفال کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: اس سے مراد جلدی کرنا ہے۔ ❸

مگر پھر بھی یہ تنقید نگار آ کر ایسے چیزوں کا انکشاف کرتا ہے جو کہ اہل سنت اور شیعہ سبھی لوگوں سے اوجھل رہی ہیں اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے لوگوں سے زبردستی بیعت لی تھی۔

☆...... حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا گھر جلانے کی حقیقت آگے آئے گی۔

☆...... تنقید نگار کا یہ کہنا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود اس بات کی گواہی دی ہے کہ وہ بیعت اچانک ہوگئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے کے شر سے مسلمان کو بچا لیا اور یہ بھی کہا کہ پھر دوبارہ اگر کوئی ایسی حرکت کرے تو اسے قتل کر دو۔ یا یہ فرمایا: جو کوئی پھر ایسی بیعت کی طرف بلائے تو تو اس کی کوئی بیعت نہیں ہوگی اور نہ ہی جس کے لیے بیعت لی جا رہی ہے۔

**رد:**...... میں کہتا ہوں اس سیاق کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت وارد ہی نہیں ہوئی۔ نہ ہی بخاری میں اور نہ ہی کسی دوسری کتاب میں۔ بلکہ یہ ایک لمبی حدیث میں وارد ہوا ہے جسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے، اس میں ہے:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ میں خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، تاکہ ان کہ شبہات پر رد کر سکیں جو لوگوں کے درمیان پھیلائے جا رہے ہیں کہ فلاں کا معاملہ ایسے ہوا۔ آپ کے جملہ کلام میں سے یہ بھی تھا کہ پھر مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ تم میں سے کوئی کہنے والا یہ کہتا ہے کہ اللہ کی قسم! اگر عمر کا انتقال ہوگیا تو میں فلاں شخص کی بیعت کرلوں گا۔ کوئی شخص دھوکہ میں آ کر یوں نہ کہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت ایک عاجلانہ اقدام تھا جو پایہ انجام کو پہنچا۔ بے شک بات یونہی تھی مگر اللہ نے اس کی برائی سے بچا لیا۔ تم میں سے ایک شخص بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسا نہیں، جس کی خاطر گردنیں کٹوائی جائیں؛ جیسا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے کیا جا سکتا تھا۔ جس شخص نے کسی کے ہاتھ پر مسلمانوں سے مشورہ کیے بغیر بیعت کرلی تو اس کی بیعت نہ کی جائے۔ جو شخص کسی سے بن سوچے سمجھے، بن صلاح و مشورہ بیعت کرلے تو دوسرے لوگ بیعت کرنے والے کی پیروی نہ کرے، نہ اس کی جس سے بیعت کی گئی ہے کیونکہ وہ دونوں اپنی جان گنوائیں گے۔'' ❹

❶ فرق الشیعۃ: (۲۳-۲٤) ❷ الغارات: (۱/ ۳۰۵)
❸ المصدر السابق: (۱/ ۳۰٦) ❹ رواہ البخاری: (٦۸۳۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مقصد یہ تھا کہ اس کے لیے پہلے سے کوئی تیاری نہیں تھی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت اچانک بغیر کسی تیاری کے ہوگئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے فتنہ اور شر سے بچالیا اور اس کی علت براہ راست اور فوری طور پر بیعت کا سبب بھی بیان کیا، کہ تم میں کوئی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسا نہیں ہے جس کے لیے گردنیں کٹوا دی جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم میں سے کوئی بھی فضیلت اور مرتبہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ پس اس کے دلائل بڑے واضح ہیں اور لوگوں کے اس اجماع کو کوئی بھی رد نہیں کر سکتا۔

علامہ خطابی فرماتے ہیں: ''تمہارے سابقین میں سے بھی کوئی ایک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور مقام مرتبہ کو نہیں پا سکتا اور کوئی ایک یہ طمع نہ رکھے کہ اس کے لیے بھی ویسے ہی جو چاہے گا جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے ہوا تھا کہ ان کی بیعت پہلے کچھ تھوڑے سے لوگوں میں ہوئی اور پھر اجتماع عام میں اور کسی نے اس پر اختلاف نہیں کیا کیونکہ سبھی آپ کے استحقاق کے معترف تھے۔ اس لیے دوبارہ غور وفکر اور مشورہ کی ضرورت ہی ہیں پڑی اور کوئی دوسرا آپ کی مانند نہیں ہے۔''[1]

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کا ایک طبعی سبب ہے۔ اس لیے کہ آپ کو یہ علم ہوا تھا کہ کسی نے یہ بات کہی ہے کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا تو میں فلاں کی بیعت کروں گا۔ اس کی مراد ایسا کام کرنا تھا جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ یہ بات مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے کہ لوگ کسی ایک پر ایسے جمع ہو جائیں جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر جمع ہوئے تھے۔ پس جو کوئی مسلمانوں کی اجتماعیت سے ہٹ کر انفرادی طور پر بیعت لے، تو گویا کہ اس نے اپنے آپ کو قتل کے لیے پیش کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے ساتھی کو اور اپنی ذات کو دھوکہ دیا اور ان دونوں کو قتل کے لیے پیش کر دیا۔ اب یہ معلوم ہوگیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں درحقیقت کیا کہنا چاہتے تھے۔

مگر اس دھوکہ باز تنقید نگار نے عبارت کو کانٹ چھانٹ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے اور اس کا سبب نقل نہ کرنے کی وجہ بھی اب سمجھ میں آ گئی اور جب سبب کا پتا چل گیا تو وہ دلیل ہی باطل ٹھہری جس کی کوئی سند ہی نہیں۔ بلکہ معاملہ الٹا ان کے گلے میں پڑ گیا۔ اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس کلام کا مقصد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا اظہار کرنا تھا جس پر لوگوں کا اجماع ہے۔ حقیقت میں یہ واقع ایسے پیش آیا تھا، تاریخ اس پر گواہ ہے اور جس کا خیال یہ ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان میں کوتاہی یا تنقیص ہے تو اسے جان لینا چاہے کہ درحقیقت یہ اس کی سمجھ اور عقل کی کمی اور کوتاہی ہے۔

☆...... پھر یہ تنقید نگار کہتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلافت کے متعلق فرمایا اللہ کی قسم! اسے ابن ابی قحافہ نے چور کر کے رکھ دیا اور وہ خلافت میں میرا حق جانتے تھے۔ میرا مقام خلافت میں ایسے ہے جیسے چکی کا پاٹ جس سے سیلاب ایک طرف ہو کر گزر جاتا ہے اور پرندہ وہاں تک پہنچ نہیں پاتا۔

[1] نقلاً عن فتح الباری لابن حجر: (۱۲/ ۱۵۰)

**رد:** (۱) ہم کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان اور مقام اس سے بلند و بالا ہے کہ آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق ایسی بات کہیں یا پھر اپنے متعلق خلافت کا دعویٰ کریں۔ اس لیے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کسی کا حق نہیں مارا تھا اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت کے ویسے یہ مستحق ہوتے جیسے اس تنقید نگار کا دعویٰ ہے تو تمام لوگ آپ کی بیعت کر لیتے اس پر شیعہ اور اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے۔

(۲) بطور مناظرہ فرض کر لیجیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا کچھ فرمایا بھی تھا، تو بھی اس میں کوئی حرج والی بات نہیں ہے اور نہ ہی یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان میں قدح ہے۔ بلکہ یہ قول خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں قدح کا موجب بن رہا ہے۔ اس لیے کہ ہم اس سے قبل یہ بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت بغیر کسی اکراہ کے بالاجماع منعقد ہوئی تھی۔ مہاجرین وانصار بشمول بنو ہاشم نے بغیر کسی جبر اور زبردستی کے بیعت کی تھی۔ ایسا کرنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ طرف سے کسی کی حق تلافی میں نہیں تھا۔

لیکن یہ دعویٰ کرنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ جانتے ہیں مجھے خلافت کے لیے وہی حیثیت حاصل ہے جو چکی کے لیے چرخ کی ہوتی ہے۔ تو ہم کہتے ہیں اللہ کی پناہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کسی ایسی شخصیت سے آگے بڑھیں جس کا خلیفہ ہونا نص سے ثابت ہو اور اگر خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق ہوتی تو لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لیتے۔ جب یہ بات معلوم ہوگئی تو یہ بھی پتا چل گیا کہ خلافت کے صحیح حق دار اور اس منصب کے اہل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے حق میں پیش کیے جانے والے دلائل تار عنکبوت سے زیادہ قوت نہیں رکھتے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دلائل کے سیلاب میں خس و خاشاک کی طرح بہہ جانے والے ہیں۔

(۳) یہ بات تو واضح دلائل سے ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی۔ بھلے یہ پہلے مرحلہ میں ہو یا پھر چھ ماہ بعد۔ پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت علی نے جو کچھ کہنا تھا وہ کہا جسے خطبہ ''شقشقیہ'' کا نام دیا جاتا ہے۔ اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی اور یہ باتیں جھوٹ گھڑ کر آپ کی طرف منسوب کی گئی ہیں، تو ہمارا کلام حق اور درست ہے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ آپ نے تقیہ سے بیعت کی تھی تو ہمارا جواب یہ ہے کہ حاشا وکلا کہ حق واضح اور جلی نصوص کی روشنی میں آپ کے ساتھ ہو اور پھر آپ کسی شخص کی وجہ سے حق سے تنازل کر لیں۔ یا ظاہری طور پر تقیہ کرتے ہوئے کسی کی بیعت کر لیں، یہ تو عین منافقت اور بزدلی ہے، ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس سے منزہ مانتے ہیں۔

(۴) کیا اس تنقید نگار نے تمام نہج البلاغہ پڑھی ہے، یا پھر صرف چند فقرے پڑھ لیے تاکہ اپنے دعویٰ کے اثبات کے لیے انہیں بطور دلیل پیش کر سکے۔ اگر ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطوب پر ایک نظر ڈالیں تو ہمیں بہت کچھ اس دعوی کے

برعکس نظر آئے گا۔ آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام ایک خط میں اپنے خلافت و بیعت کے حق دار ہونے پر اس کلام سے دلیل پیش کرتے ہیں بے شک میری بیعت ان لوگوں نے کی ہے جنہوں نے حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان کی بیعت کی تھی اور یہ بیعت اسی بات پر ہوئی ہے جس پر ان کی بیعت ہوئی تھی۔ ❶

سبحان اللہ! یہ کلام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول کے ساتھ کیسے موافقت کرسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلافت غصب کر لی تھی۔ حالانکہ آپ تو یہ فرماتے ہیں کہ میری بیعت ان لوگوں نے کی ہے جنہوں نے حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی بیعت کی تھی اور پھر اس قول کے ساتھ مطابقت کیسے ہوسکتی ہے کہ آپ فرماتے ہیں اسے یہ علم ہے کہ میرا مقام ایسے ہی ہے جیسے چکی کے پاٹ اور چرخ کی اور دوسرے مقام پر فرماتے ہیں شاہد کو اپنے انتخاب کا اختیار نہیں اور غائب اس کا انکار نہیں کرسکتا۔ اور دوسرے مقام پر فرماتے ہیں شوریٰ مہاجرین اور انصار کے مابین ہے۔ جب وہ کسی آدمی پر جمع ہو جائیں اور اسے اپنا امام بنالیں تو اس میں اللہ کی رضامندی ہے......''

پھر آگے چل کر کہتے ہیں: بے شک حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے خلاف آواز اٹھائی تھی اور انہیں خلافت سے روکنے کی کوشش کی تھی اور اگر ان کی بیماری نہ ہوتی تو وہ بھرپور مقابلہ کرتے اور ان سے جنگ بھی کرتے......'' اس طرح کا کلام کافی طویل ہے۔

الردّ: (۱) اگر یہ روایات صحیح سند کے ساتھ ثابت بھی ہو جائیں تو یہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ پر قدح کا موجب ہوں گی۔ اور اس میں کوئی عزت یا کرامت نہیں، لیکن اس روایت میں مذکور قول و فعل کا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جیسے صحابی سے کوئی تعلق نہیں، ان کا مقام و مرتبہ اس سے بلند ہے کہ وہ ایسی بات کہیں۔

(۲) تاریخ الخلفاء از ابن قتیبہ جیسی کتاب سے صرف روایت کو نقل کر لینے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ یہ روایت صحیح بھی ہے۔

(۳) میں اس روایت کے جھوٹ ہونے پر اہل سنت والجماعت کے دلائل سے رد نہیں کرتا، بلکہ نہج البلاغہ کی عبارت پیش کرتا ہوں۔ جس میں ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''بے شک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم نے کی تھی۔ شوریٰ ان لوگوں میں ہی تھی۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ: ''اگر کوئی طعنہ گر اس پر طعنہ زنی کرتے ہوئے یا اپنی طرف سے کوئی دعویٰ کرتے ہوئے، باہر نکلے، تو اسے اس چیز کی طرف لوٹا دو جس سے وہ باہر نکلا ہے۔''

اگر فرض کریں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے متعلق جس چیز کا دعویٰ اس تنقید نگار نے کیا ہے، وہ ان سے صادر بھی ہوئی ہو تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے خلاف اس گفتگو اور کلام ان کی کون سی مدح ہے، یا اس میں کون سی دلیل پائی جاتی ہے۔ جبکہ مہاجرین و انصار نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی۔ تو کیا حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے اس اقدام سے مہاجرین و انصار کی شوریٰ کا فیصلہ ختم ہوسکتا تھا؟ اور کیا اگر کوئی طعنہ زنی کرتے ہوئے ان کے خلاف خروج

❶ نهج البلاغة: ص: (٣٦٦)

کرتا، تو ان حضرات سے اس کا جنگ کرنا برحق ہوتا؟ یا پھر یہ واجب ہوتا کہ اس کو اپنے فیصلہ کے واپس لینے پر مجبور کیا جائے اور اہل ایمان کا راستہ چھوڑنے کی وجہ سے اس سے جنگ کی جائے۔

## مانعین زکواۃ سے جنگ:

**شبہہ:** حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مانعین زکوۃ سے جنگ سنت کے خلاف ورزی تھی۔

انہی شبہات میں سے ایک شبہ بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوۃ سے جنگ کر کے سنت کی مخالفت کی تھی اور اس مسئلہ پر آپ کے قریب ترین ساتھی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کا اختلاف بھی ہوا تھا۔ جب انہوں نے کہا: ''آپ ان لوگوں سے کس طرح جنگ کریں گے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں حکم دیا گیا ہوں کہ لوگوں سے جہاد کروں یہاں تک کہ وہ لا إلـه إلا الله کہیں؛ جب وہ یہ کلمہ کہہ دیں تو مجھ سے اپنا جان و مال بچالیں گے مگر اس کے حق کے عوض اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔''

لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نہ مانے اور فرمایا: ''واللہ! میں ان لوگوں سے ضرور جہاد کروں گا جو نماز اور مال کے حق زکواۃ کے مابین فرق کریں گے۔''

اور یہ بھی فرمایا: ''اللہ کی قسم! اگر انہوں نے ایک رسی بھی روکی جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دیتے تھے تو اس کے نہ دینے پر میں ان سے جنگ کروں گا۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے بعد اس پر قانع ہوگئے اور آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! جب میں نے آپ کا عزم مصمم دیکھا تو مجھے یقین ہوگیا کہ اللہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا ہے۔ تو میں نے جان لیا کہ یہی حق ہے۔''

میں نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ سنت نبوی کی مخالفت پر ان لوگوں کے سینے کیسے کھولتا ہے۔''

## اس شبہ کا جواب:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مانعین زکوۃ سے جنگ کا فیصلہ برحق اور کتاب وسنت کے مطابق تھا اور اس پر پوری امت کا اجماع ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (التوبة: ٥)

''پس جب حرمت والے مہینے نکل جائیں تو ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور انھیں پکڑو اور انھیں گھیرو اور ان کے لیے ہر گھات کی جگہ بیٹھو، پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ بے شک اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

اور ارشاد ربانی ہے:

﴿فَإِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ (التوبة: ١١)

''پس اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو دین میں تمھارے بھائی ہیں، اور ہم ان لوگوں کے لیے آیات کھول کر بیان کرتے ہیں جو جانتے ہیں۔''

ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ توبہ کے قبول ہونے اور اسلام میں داخل ہونے کے لیے نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا لازمی شرائط ہیں۔ ان دونوں چیزوں کے مابین کوئی فرق نہیں کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جو کوئی زکوٰۃ ادا نہ کرے اس کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی۔ تمھیں نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔''

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

﴿فَإِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾ (التوبة: ١١)

''پس اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو دین میں تمھارے بھائی ہیں۔''

اس آیت میں اہل قبلہ کے خون کو حرام قرار دیا گیا ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب وہ نماز کے قیام یا زکوٰۃ کی ادائیگی میں خلل ڈالیں تو ان سے جنگ کرنا حلال ہو جائے گا، حتیٰ کہ وہ مکمل طور پر زکوٰۃ ادا کرنے لگ جائیں۔ اسی سبب نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مانعین زکوٰۃ سے جنگ پر ابھارا۔

ابن کثیر رحمہ اللہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین سے جنگ کرنے کے لیے اس آیت پر اعتماد کیا تھا اور اس جیسے دوسری آیات پر بھی۔ کیونکہ ان آیات میں ان لوگوں سے جنگ کرنا ان افعال کے ساتھ ہے کہ وہ اسلام کے واجبات ادا کرتے ہوئے مسلمان ہو جائیں اور اس تنبیہ میں اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف ترتیب اختیار کی گئی ہے۔ اس لیے کہ شہادتین کے اقرار کے بعد اسلام کا اعلیٰ واشرف ترین رکن نماز کا قیام ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اور اس کے بعد زکوٰۃ کی ادائیگی ہے، جس کا فائدہ فقراء اور ضرورت مندوں کو پہنچتا ہے، مخلوقات کے تعلق سے یہ سب سے بہترین فعل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اکثر طور پر نماز کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کو بھی بیان کیا ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن زید کہتے ہیں: نماز اور زکوٰۃ اکٹھے فرض ہوئی ہیں ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوا اور پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

﴿فَإِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ (التوبة: ١١)

''پس اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو دین میں تمھارے بھائی ہیں، اور ہم ان لوگوں کے لیے آیات کھول کر بیان کرتے ہیں جو جانتے ہیں۔''

اور آپ ﷺ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ زکوۃ دیے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی۔ اور یہ بھی فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکر پر رحم فرمائیں، آپ بہت بڑے فقیہ تھے۔''

☆...... جہاں تک سنت کا تعلق ہے تو بخاری اور مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أمِرت أن أقاتِل الناس حتى يقولوا: ألا إله إلا الله وأنِي رسول اللهِ، ويقِيموا الصلاة ويؤتوا الزكاة، فإذا فعلوا ذلكِ عصموا مِنِي دِمائهم وأموالهم إلا بِحقِها))

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں یہاں تک کہ وہ کہہ دیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور بیشک میں اللہ کا رسول ہوں۔ اور نماز قائم کریں اور زکواۃ ادا کریں۔ جب وہ ایسا کرلیں تو مجھ سے اپنے خون اور اموال محفوظ کرلیں گے مگر اسلام کے حق کیساتھ۔'' [بخاری ٢٥؛ مسلم ٢١]

یہ حدیث صحیح ہے اور اس سے کھل کر واضح ہوتا ہے کہ جان و مال کی عصمت ثبوت ایمان کے بغیر نہیں ہوسکتی اور حقیقی ایمان نماز قائم کرنے اور زکوۃ ادا کرنے کے بغیر ممکن نہیں ہوسکتا۔ جب لوگ زکوۃ روک لیں تو اب اس کی وجہ سے جنگ و قتال واجب ہوجاتے ہیں تا کہ ان لوگوں سے زکوۃ لے کر مستحقین کو دی جائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہی کام کیا تھا۔

☆......ظاہر میں لگتا ہے کہ یہ تنقید نگار یہ بات نہیں جانتا کہ شیعہ اور اہل سنت کی کتابوں میں یہ بات ثابت ہے کہ زکوۃ مکمل طور پر نماز کی طرح ہے اور یہ مسلمہ بات ہے جسے کتاب وسنت کے دلائل کی تائید حاصل ہے کہ تارک نماز کو قتل کیا جائے گا۔ تو آپ نے زکوۃ پر بھی نماز والا حکم لگایا، کیونکہ ان دونوں کے احکام یکجا بیان ہوئے ہیں اپنے وقت کا محقق و محدث ایک مشہور شیعہ عالم محمد الحر العاملی اپنی کتاب وسائل الشیعه میں کہتا ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں نماز کو زکوۃ کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا ہے: نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو۔'' جو کوئی نماز تو پڑھتا ہو مگر زکوۃ نہ دے، تو گویا کہ اس نے نماز بھی نہیں پڑھی۔''[1]

یہ شیعہ کے رئیس المحدثین ہیں، جو کہ اپنی کتاب ''من لا يحضره الفقيه'' میں روایت کرتے ہیں، یہ کتب مشہور اور معتمد کتب اربعہ میں سے ایک ہے، جو کہ فروع اور اصول میں امامیہ مذہب کا مرجع سمجھی جاتی ہے، اس میں وہ کہتا ہے ابوعبداللہ علیہ السلام نے فرمایا: جس نے زکاۃ کا ایک قیراط بھی روکا تو وہ نہ ہی مومن ہے اور نہ ہی مسلم۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مقصد ہے:

﴿حَتّٰى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ o لَعَلِّيْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ﴾
(المومنون: ٩٩-١٠٠)

---

[1] وسائل الشيعة: (٦/ ٤)

"یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آتی ہے تو کہتا ہے اے میرے رب! مجھے واپس بھیجو۔ تا کہ میں جو کچھ چھوڑ آیا ہوں اس میں کوئی نیک عمل کرلوں۔"

اور ایک دوسری روایت میں ہے ایسے آدمی کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

ابوجعفر سے روایت ہے کہ فرمایا: رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ اچانک فرمایا: اے فلان بن فلان تم کھڑے ہو جاؤ، اے فلان بن فلان تم کھڑے ہو جاؤ۔ حتیٰ کہ آپ نے پانچ افراد کو وہاں سے نکال دیا اور فرمایا: ہماری مساجد سے نکل جاؤ یہاں پر نماز نہ پڑھنا اس لیے کہ تم زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔

اور ابوبصیر نے ابوعبداللہ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے فرمایا:

"جو کوئی ایک قیراط بھی زکوٰۃ روکے تو اسے چاہیے کہ وہ یہودی مرے یا عیسائی۔"

یہ دلائل اس مسئلہ میں صرف کفایت ہی نہیں کرتے بلکہ صراحت کے ساتھ اس کے قتل کو جائز بھی کہتے ہیں۔

انہوں نے اپنے آباء سے صراحت کے ساتھ روایات نقل کی ہیں، ابان بن تغلب کہتا ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا: اسلام میں دو قتل اللہ تعالیٰ کی طرف سے حلال ہیں۔ ان میں کوئی اس وقت تک فیصلہ نہیں کر سکتا جب تک اہل بیت میں قائم کا ظہور نہ ہو جائے۔ جب اللہ تعالیٰ اہل بیت میں قائم کو مبعوث فرمائیں گے۔ تو وہ ان کے مابین اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ شادی شدہ زانی کو سنگسار کریگا اور زکوٰۃ روکنے والے کی گردن مار دے گا۔"[1]

تو پھر یہ تنقید نگار مانعین زکوٰۃ سے قتال کے مسئلہ پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر کیسے اعتراض کر سکتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جنگ ویسے ہی نہیں تھی بلکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے تھی۔

☆...... اعتراض: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا شروع میں اس معاملہ میں اشکال کی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتے تھے اور پوچھتے تھے آپ ان لوگوں کو کیسے قتل کریں گے، جب کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

(( أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله؛ فإذا قالوا عصموا مني دمائهم و أموالهم إلا بحقها وحسابهم على الله . )) قال أبوبكر رضي الله عنه: ألم يقل بحقها؟ فإن الزكواة من حقها۔ والله ! لو منعوني عقالاً كانوا يؤدونها إلى رسول الله ﷺ لقاتلتهم على منعها ))۔ قال عمر رضي الله عنه فوالله ما هو إلا أن رأيت الله قد شرح صدر أبي بكر رضي الله عنه: فعرفت أنه الحق . )) . [متفق عليه]۔

"میں حکم دیا گیا ہوں کہ لوگوں سے جہاد کروں یہاں تک کہ وہ لا إلہ إلا اللہ کہیں؛ جب وہ یہ کلمہ کہہ دیں تو

[1] من لا يحضره الفقيه: (۲/ ۱۲)

مجھ سے اپنا جان و مال بچالیں گے مگر اس کے حق کے عوض اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کیا آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا: ''مگر اس کلمہ کے حق کے ساتھ۔'' بیشک زکواۃ بھی اس کلمہ کا حق ہے۔ واللہ اگر انہوں نے ایک رسی بھی روکی جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دیتے تھے تو اس کے نہ دینے پر میں ان سے جنگ کروں گا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے دیکھا کہ اللہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ حق کے لیے کھول دیا تھا۔ تو میں نے جان لیا کہ یہی حق ہے۔''

آپ ظاہر کلام سے عموم پر استدلال کر رہے تھے اور اس حدیث کے آخری جملہ کی طرف آپ نے نہیں دیکھا جس میں ہے: مگر اس کے حق کے ساتھ۔ جب یہ کلام حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر واضح ہوا تو آپ سمجھ گئے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے درست ہے۔ اسی لیے ان جنگوں میں آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے۔

## مالک بن نویرہ کے قتل پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے متعلق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے موقف پر شبہ۔

☆......ان میں سے ایک تنقید نگار کہتا ہے:

''خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مالک بن نویرہ کو اسیری کی حالت میں قتل کیا اور اسی رات اس کی بیوی کے ساتھ شب باشی کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: اے اللہ کے دشمن! تم نے ایک مسلمان کو قتل کیا، اور پھر اس کی بیوی کے ساتھ رات گزاری، اللہ کی قسم! ہم تمہیں ضرور رجم کر دیں گے۔''

لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کا دفاع کیا اور فرمایا: اے عمر رضی اللہ عنہ اسے چھوڑ دو۔ اس نے تاویل کی اور غلطی کھائی اب اس سے اپنی زبان کو روک لو۔''

یہ ایک دوسری رسوائی ہے، جسے تاریخ نے اکابر صحابہ میں سے ایک صحابی کے متعلق رقم کیا ہے۔ جب ہم اس کا ذکر کرتے ہیں تو پورے احترام اور تقدیس کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ بلکہ اسے ''سیف اللہ المسلول'' اللہ تعالیٰ کی ننگی تلوار کا لقب دیتے ہیں۔ اب میرے لیے کیا باقی رہ گیا ہے کہ میں اس صحابی کے متعلق کیا کہوں جس کا کردار ایسا ہے۔ مالک بن نویرہ جیسے جلیل القدر صحابی کو قتل کیا، جو کہ بنی تمیم اور یربوع قبائل کے سردار تھے اور جوانمردی، کرم گستری اور شجاعت میں ان کی ضرب المثل بیان کی جاتی تھی۔ اور مورخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ خالد رضی اللہ عنہ نے مالک بن نویرہ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ غدر کیا تھا۔ جب انہوں نے ہتھیار ڈال دیے اور باجماعت نماز ادا کی تو انہیں رسیوں سے باندھ دیا۔ ان میں مالک کی بیوی لیلیٰ بنت منہال بھی تھیں جو کہ عرب کی مشہور ترین خوبصورت عورت تھیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے خوبصورت عورت نہیں دیکھی گئی۔ خالد اس کے حسن و جمال کے فتنہ میں پڑ گئے۔

مالک نے اس سے کہا: ہمیں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دو۔ آپ ہمارے درمیان فیصلہ کریں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے بھی مداخلت کی اور بھرپور زور لگایا کہ انہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

کے پاس بھیجا جائے۔ مگر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا اور یہ کہا اگر میں اسے قتل نہ کروں تو اللہ تعالیٰ مجھے کوئی مہلت نہ دے۔ تو مالک نے اپنی بیوی لیلیٰ کی طرف مڑ کر دیکھا اور خالد سے کہا: یہ وہ عورت ہے جس نے مجھے قتل کر دیا۔ پھر خالد نے حکم دیا کہ اس کی گردن ماردی جائے اور اس کی بیوی لیلیٰ کو اپنے قبضہ میں لے لیا اور اس کے ساتھ پہلی رات شب باشی کی۔

**رد:** ...... اس تنقید نگار نے جھوٹی روایات کے علاوہ کسی چیز کا ذکر نہیں کیا اور ان روایات کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا ہے جو معتمد تاریخ شمار ہوتی ہیں۔ ان روایات میں سے ایک روایت یہ بھی ہے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ بطاح تشریف لائے اور ادھر ادھر سرایا مبعوث کیے۔ اور انہیں حکم دیا کہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں اور جو اس دعوت کو قبول نہ کرے اسے گرفتار کر کے یہاں لایا جائے۔ اور جو کوئی نہ مانے اسے قتل کر دیا جائے۔ اس لیے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ نصیحت کی تھی کہ جب کسی جگہ پڑاؤ ڈالیں تو اذان دیں۔ اگر وہ لوگ اذان کو قبول کر لیں تو ان سے ہاتھ روک لیں اور اگر وہ اذان پر لبیک نہ کہیں تو انہیں قتل کیا جائے۔ اور اموال قبضہ کر لیے جائیں اور اگر وہ اسلام کی دعوت قبول کر لیں تو ان سے زکوٰۃ کے بارے میں پوچھو، اگر وہ اس کا اقرار کریں، تو ان کی بات مان لو، اگر انکار کریں تو ان سے جنگ کرو۔ ان کے گھڑ سوار مالک بن نویرہ؛ سردارِ بنی ثعلبہ بن یربوع کو گرفتار کر لائے۔

ان کے بارے میں سریہ میں اختلاف ہو گیا تھا۔ ان میں حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ بھی تھے، جنہوں نے گواہی دی تھی کہ انہوں نے اذان پر لبیک کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی۔ جب اختلاف ہوا تو انہیں باندھنے کا حکم دے دیا۔ یہ بہت ہی ٹھنڈی رات تھی، اور ان کے پاس کچھ بھی سردی سے بچاؤ کے لیے نہیں تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اعلان کروایا: دَفِّئُوا أُسْرَاكُمْ اپنے قیدیوں کے حرارت یعنی گرمی پہنچانے کا اہتمام کرو۔

مگر لفظ "دفئوا" کا معنی بنو کنانہ کی لغت میں قتل کرنا تھا۔ لوگوں نے یہ سمجھا کہ آپ کی مراد ان کو قتل کرنا ہے۔ وہ گرمی پہنچانے کی مراد نہیں سمجھ سکے انہوں نے قیدیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا، ضرار بن اوزور نے مالک کو قتل کیا، جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے شور شرابہ سنا اور باہر نکلے۔ تو اس وقت تک کام ہو چکا تھا۔ تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو وہ ہو کر رہتا ہے۔"

اور دوسری روایت میں ہے: حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے مالک بن نویرہ کو بلایا اور سجاح کی اتباع اور زکوٰۃ روکنے پر اسے ڈانٹا اور کہا کیا تم نہیں جانتے کہ نماز اور زکوٰۃ دونوں کا یکساں حکم ہے۔

تو مالک نے کہا: تمہارے ساتھی کا یہ خیال ہے۔ (یہ اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تھا) تو آپ نے کہا: کیا وہ ہمارے ساتھی ہیں، تمہارے ساتھی نہیں؟ اے ضرار اٹھو اور اس کی گردن ماردو۔ پس اس کی گردن ماردی گئی۔

☆ ...... تنقید نگار کا یہ دعویٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے کہا: اے اللہ کے دشمن ایک مسلمان کو تم نے قتل کیا

اور اس کی بیوی کے ساتھ شب باشی کی۔ اللہ کی قسم! ہم تمہیں پتھر مار کر رجم کریں گے۔ اور پھر اس کلام کو تاریخ الطبری کی کی طرف منسوب کرنا، یا پھر تاریخ ابی الفداء یا تاریخ یعقوبی کی طرف منسوب کرنا یہ ایک واضح کمزوری ہے۔ اس لیے کہ ایسے جملے کے تاریخ یعقوبی یا الاصابہ میں صرف موجود ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جب کہ تاریخ الطبری میں یہ واقعہ ضعیف روایات کے ضمن میں ذکر کیا گیا ہے۔ جو کہ حجت نہیں ہو سکتیں، اس کا مدار ابن حمید اور محمد بن اسحق پر ہے۔ محمد بن اسحق کی روایت صحیح ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابن حمید سے مراد محمد بن حمید الرازی ہے، جو کہ ضعیف راوی ہے۔ اس کے بارے میں یعقوب السدوسی نے کہا ہے: اس کے ہاں منکر روایات کی کثرت ہے۔ بخاری کہتے ہیں: محل نظر ہے۔ امام نسائی کہتے ہیں نا قابل اعتماد ہے۔ جوزجانی کہتے ہیں: ردی المذہب اور نا قابل اعتماد آدمی ہے، ابن حجر نے "التقریب" میں اسے ضعیف کہا ہے۔ [1]

اس روایت کی سند ضعیف ہے، اس لیے اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ اگر بطور مناظرہ یہ فرض کر لیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے قتل کا مشورہ بھی دیا تھا، تو اس کی آخری حد یہ ہے کہ یہ اجتہادی مسئلہ تھا اور اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو قتل نہ کیا جائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے ان کو قتل کرنے کی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اہل سنت اور شیعہ کے نزدیک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بڑے عالم ہرگز نہ تھے۔

☆ ...... تنقید نگار کا یہ کہنا کہ یہ ایک دوسری رسوائی ہے، جسے تاریخ نے اکابر صحابہ میں سے ایک ایسے صحابی کے متعلق رقم کیا ہے کہ جن کا جب ہم نام لیتے ہیں تو بصد تقدیس و احترام نہیں یاد کرتے ہیں اور ان کو سیف اللہ المسلول کا لقب دیتے ہیں۔

☆ ...... میں کہتا ہوں: جہاں سیف اللہ المسلول لقب کا تعلق ہے تو یہ لقب ایسی شخصیت نے عطا فرمایا ہے جو تمام خلق کی امام اور سردار ہستی ہے، یعنی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت ثابت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید، جعفر اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کی خبر اس وقت صحابہ کو دے دی تھی جب ابھی ان کے متعلق کوئی خبر نہیں آئی تھی۔ آپ فرماتے جا رہے تھے کہ:

"اب زید رضی اللہ عنہ جھنڈا اٹھائے ہوئے ہیں اب وہ شہید کر دیے گئے۔ اب جعفر رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اٹھا لیا وہ بھی شہید کر دیے گئے۔ اب ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اٹھا لیا؛ وہ بھی شہید کر دیے گئے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے؛ آخر اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اللہ نے ان کے ہاتھ پر فتح عنایت فرمائی۔ [2]

☆ ...... تنقید نگار کا یہ دعویٰ کہ مالک بن نویرہ جلیل القدر صحابی تھے واقعات اور تاریخ اس بات کو ثابت نہیں کرتے۔ مورخین

[1] تهذيب الكمال: (٢٥/ ٩٧) تهذيب التهذيب: (٩/ ١١٢) تقريب التهذيب: (٥٨٣٤)
[2] البخاري: (١٢٤٦)

نے یہ ثابت کیا ہے کہ مالک بن نویرہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہو گیا تھا اور وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تھا اس نے اموال صدقات اپنی قوم میں تقسیم کر دیئے تھے۔ جب اسے لایا گیا تو وہ حضرت خالد سے اس بارے میں جھگڑا کرنے لگا۔ اس نے کہا: تمہارے ساتھی کا یہ خیال تھا۔ اس جملہ میں دو باتیں اہم ہیں:۔

اول: وہ زکوٰۃ کی فرضیت کا منکر تھا۔

دوم: اس نے صاحبکم کہہ کر نبی کریم ﷺ کی طرف اشارہ کیا۔ اور ایسا کرنا مشرکین کا وطیرہ تھا جو کہ محمد ﷺ کی نبوت کا اقرار نہیں کرتے تھے۔ اس کا صرف زکوٰۃ کا انکار کرنا اکیلا ہی اس کے قتل کے لیے کافی تھا۔ یہ روایت تمام مورخین نے ذکر کی ہے، جیسا کہ اصفہانی نے الامانی میں، اور ابن خلکان نے تاریخ میں؛ بخلاف یعقوبی کے؛ وہ جھوٹ بولنے میں مشہور تھا۔ تو اس کے بعد یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ مالک بن نویرہ ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ بلکہ مورخین نے مالک کے مرتد مرنے پر ایک اور دلیل بھی ذکر کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی ملاقات متمم بن نویرہ برادر حقیقی، مالک بن نویرہ سے ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے وہ شعر پڑھنے کو کہا جو اس نے اپنے بھائی کے مرثیہ میں لکھے تھے۔ متمم نے وہ اشعار پڑھے۔ جو اس نے اپنے بھائی کے مرثیہ میں لکھے تھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار سنے تو فرمایا: میری بھی چاہت تھی کہ اگر مجھے سلیقہ سے شعر کہنے آتے تو میں اپنے بھائی زید پر بھی ایسا ہی مرثیہ کہتا جیسے تم نے اپنے بھائی پر کہا ہے۔

تو متمم بولا: اگر میرا بھائی اس چیز پر مرتا جس پر آپ کا بھائی مرا ہے؛ تو میں کبھی اس کا مرثیہ نہ کہتا۔

تو حضرت عمر بن خطاب اس بات پر بہت خوش ہوئے اور فرمایا: ''جیسے میرے بھائی پر تعزیت متمم نے کی ہے ایسے کسی اور نہ مجھ سے تعزیت نہیں کی۔'' [1]

ایک دوسری روایت میں صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ متمم نے کہا: آپ کا بھائی مومن مرا ہے اور میرا بھائی مرتد مرا ہے۔ تو اس پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھ سے میرے بھائی پر کسی نے ایسی تعزیت نہیں کی جیسی تعزیت تم نے اس بارے میں کی ہے۔'' [2]

تو کیا مالک کے مرتد ہونے پر اس سے بڑی دلیل کوئی اور ہو سکتی ہے؟

جہاں تک مالک کی بیوی سے شادی اور اسی رات اس کے ساتھ شب باشی کا تعلق ہے تو یہ حق کے خلاف ہے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ خالد رضی اللہ عنہ نے مالک کی بیوی کو اپنے لیے چن لیا تھا اور جب اس کی عدت پوری ہو گئی تو تب اس کے پاس چلے گئے۔'' [3]

---

[1] الكامل لابن الاثير: (٢/ ٢١٨)
[2] الامانی لابی عبدالله: (٢٥)
[3] البداية و النهاية: (٦/ ٣٢٢)

اور طبری نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی اس شادی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے: حضرت خالد نے ام تمیم بنت منہال سے شادی کی اور اسے پاک ہونے کے لیے چھوڑ دیا۔" ❶

اور الکامل میں ہے: "حضرت خالد نے ام تمیم سے شادی کی جو کہ مالک کی بیوی تھی۔" ❷

اور ابن خلکان جس کا کلام تنقید نگار نے بطور دلیل کے پیش کیا ہے وہ کہتا ہے: "اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس کی بیوی کو اپنے قبضہ میں لے لیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: "اسے مال غنیمت میں سے خرید لیا تھا تا کہ اس کے ساتھ شادی کر سکیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب اس کی عدت تین ماہ پوری ہو گئی تو آپ نے اسے شادی کا پیغام بھیجا، جو اس نے قبول کر لیا۔" ❸

## حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے تکرار:

**شبهة:** حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہنا کہ ہمارے نانا کے منبر سے اتر جایئے۔

کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر چڑھے۔ تو دونوں نواسوں نے ان سے کہا: "ہمارے نانا کے منبر سے اتر جایئے" تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ میں امامت کی لیاقت و اہلیت نہیں تھی۔

اگر اس بات کو درست تسلیم کر بھی لیا جائے، تو بھی اس وقت یہ دونوں صاحب زادے چھوٹے تھے۔ کیونکہ حضرت حسن کی پیدائش سنہ تین ہجری ماہ رمضان میں ہوئی ہے۔ اور حضرت حسین کی پیدائش سنہ چار ہجری ماہ شعبان میں ہوئی ہے۔ اور خلافت کا معاملہ سنہ گیارہ ہجری کے شروع کا ہے۔ اگر ان کے افعال پر احکام مرتب ہوتے ہوں اور ان افعال کو معتبر سمجھا جاتا ہو تو اس سے تقیہ ترک کرنا لازم آتا ہے جو کہ واجب کا مقام رکھتا ہے۔ وگرنہ اس میں کوئی نقص اور عیب والی بات نہیں۔ بچوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب وہ کسی کو اپنی محبوب شخصیت کے مقام پر دیکھتے ہیں تو اس کے ساتھ جھگڑا کرتے ہیں۔ بھلے اس کا وہاں پر وجود اس شخصیت کی رضامندی سے ہو۔ اور اس سے کہتے ہیں کہ اس جگہ سے اٹھ جاؤ۔ مگر عقلمند لوگ ایسی باتوں پر توجہ نہیں دیتے۔ اور اگر چہ یہ حضرات دوسرے بچوں سے علیحدہ اور جداگانہ مقام رکھتے ہیں، لیکن بچوں کے احکام بھی تو جدا ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اقتدا کے لیے کمال عقل کی حد تک بلوغت شرط ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو چالیس سال کی عمر کے بعد مبعوث کیا جاتا تھا۔ سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے، یہ نادر مثال ہے اور نادر معدوم کی طرح ہوتا ہے جس کا کوئی حکم ہی نہیں ہوتا۔

## حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ذمہ داری نہ ملنا:

**شبهة:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کبھی کوئی ایسی ذمہ داری نہیں سونپی جس کا تعلق دین سے ہو۔" پس اس سے ظاہر ہوا کہ آپ امامت کے اہل نہ تھے۔

❶ الطبری: (۲/ ۲۷۳) ❷ الکامل: (۲/ ۳۵۸)
❸ وفیات الاعیان: (٦/ ١٤)

یہ ایک ایسا کھلا ہوا جھوٹ اور بہتان ہے کہ احوال میرت اور تاریخی واقعات سب اس کے جھوٹ ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔

۱۔ غزوہ احد کے بعد ابوسفیان سے جنگ کے لیے آپ کو امیر بنایا جانا ثابت ہے۔

۲۔ غزوہ بنوفزارہ میں بھی آپ امیر تھے۔ جیسا کہ امام حاکم نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۳۔ اور پھر سنہ ۹ ہجری میں آپ کو امیر حج بنا کر روانہ فرمایا گیا تا کہ لوگوں کو حلال وحرام کے احکام سکھائیں۔

۴۔ اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے قبل نمازیں پڑھانے کے لیے امام مقرر فرمایا۔ آپ کی یہ امارت تو رسول اللہ ﷺ کی حیات میں اور موجودگی میں تھی اور آپ ﷺ اس وقت ان لوگوں کے ساتھ موجود تھے۔ آپ کی یہی منقبت کافی ہے اس کے علاوہ دیگر واقعات بھی ہیں جن کا شمار کرنا طوالت اختیار کر جائے گا۔

اور اگر اس دعویٰ کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر بھی آپ کو امیر نہ بنانے سے لیاقت کا نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ بلکہ آپ کے وزیر ومشیر ہونے کی وجہ سے ایسا ہوا ہوگا جیسا کہ عام عادت کے طور پر ہوتا ہے۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہ بن یمان رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، فرمایا: میں نے سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے: ''میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کو دین کی تعلیم دینے کے لیے دور دور تک بھیجوں جیسا کہ حضرت بن مریم نے اپنے حواریوں کو بھیجا تھا، تو حاضرین میں سے کسی نے کہا: یا رسول اللہ! ان موجود لوگوں کی طرح کے افراد؟ حاضرین میں حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' میں ان دونوں حضرات سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ دین میں ان کو ایسے ہی اہمیت حاصل ہے جیسے سماعت اور بصارت کی اہمیت۔''

ایک دوسری روایت میں ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے چار وزیر عطا کیے ہیں۔ دو آسمان والوں میں سے اور دو زمین والوں میں سے۔ اہل آسمان میں سے میرے وزیر جبرائیل اور میکائیل ہیں۔ جبکہ زمین والوں میں سے میرے دو وزیر ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ ❷

## رسول اللہ ﷺ کا اپنے عہد میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ولایت تفویض نہ کرنے کا شبہ:

کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے اپنی ساری زندگی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کوئی ولایت تفویض نہیں کی، بلکہ آپ پر کبھی تو حضرت عمرو بن العاص کو امیر بنایا اور کبھی حضرت اسامہ کو۔ اور جب آپ سورہ براءت لے کر چلے تو تین دن کے بعد وحی الٰہی کی روشنی میں آپ کو واپس بلا لیا۔ تو پھر کوئی عاقل یہ بات کیسے مان لیتا ہے کہ وہ ایسے آدمی کی ولایت پر کوئی راضی ہو جس کے ذریعہ سے دس آیات پہنچانے پر بھی رسول اللہ ﷺ راضی نہیں ہوئے تھے؟

❶ مستدرك حاكم: (٧٨) ح: (٤٤٤٨)
❷ الترمذي: (٣٦٨٠) حاكم: (٢/ ٢٩٠)، ح: (٣٩٤٧)

یہ ایک کھلا ہوا جھوٹ ہے، مفسرین، اہل مغازی، سیرت نگاروں، محدثین اور فقہاء کے ہاں اس کا جھوٹ ہونا تواتر کے ساتھ معلوم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سن نو ہجری میں امیر حج بنایا تھا۔ مدینہ رسول اللہ ﷺ سے ادا کیا جانے والا یہ پہلا حج تھا۔ اس سے پہلا حج سنہ آٹھ ہجری میں ہوا تھا، جس میں امیر حج حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ گورنر مکہ تھے۔ مکہ جب آٹھ ہجری میں فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے عتاب بن اسید بن ابی العاص کو مکہ کا گورنر بنایا۔ پھر سنہ نو ہجری کے حج میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنایا۔ یہ غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد کا واقعہ ہے۔ اس موقعہ پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ حج کے ایام میں یہ اعلان کر دیں کہ آج کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ کا حج نہ کرے گا اور نہ ہی کوئی برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے گا۔ [سبق تخریجہ.]

رسول اللہ ﷺ نے ایسی ولایت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی دوسرے کو تفویض نہیں فرمائی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ امارت آپ کے خصائص میں سے شمار ہوتی ہے۔ بے شک رسول اللہ ﷺ نے حج پر کسی کو ایسے امیر نہیں بنایا جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا تھا اور جیسے اپنے بعد نمازوں کی امامت کے لیے کسی کو ایسی امیر نہیں بنایا، جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا تھا۔ اس حج میں حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کی رعایا میں سے تھے۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو آپ نے پوچھا: امیر بن کر آئے ہو یا مامور بن کر؟

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نہیں بلکہ مامور بن کر آیا ہوں۔'' [1]

اس ولایت کے دوران دیگر تمام مسلمانوں کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھتے رہے اور آپ کے حکم کی ایسے ہی بجا آوری کرتے تھے، جیسے آپ کے ساتھ موجود دیگر لوگ کرتے تھے اور اس حج میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیگر لوگوں کے ساتھ مل کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم سے حج میں منادی کی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ولایت کے علاوہ دیگر ولایات میں دوسرے لوگ باہم شریک ہیں، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات کی ولایات۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کوئی ایسی ولایت تفویض نہیں ہوئی جس کی مثل ولایت دوسرے صحابہ کو نہ ملی ہو، بخلاف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے۔ ان کی ولایت ان کی خصوصیات میں سے ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر نہ ہی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا تھا اور نہ ہی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو۔ جہاں تک حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی آپ پر امارت کا تعلق ہے تو یہ بالاتفاق ایک کھلا ہوا جھوٹ ہے اور جہاں تک حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے قصہ کا تعلق ہے تو وہ یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ایک سریہ پر امیر بنا کر بھیجا تھا، یہ غزوہ ذات السلاسل کا واقعہ ہے، جو کہ بنی عذرہ کی طرف بھیجا گیا تھا۔

یہ لوگ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ننہال تھے۔ تو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو امیر اس لیے بنایا تا کہ ان لوگوں کے اسلام لانے کا سبب بن جائیں کیونکہ ان کے مابین قرابت داری کی وجہ سے ایسا ہونے کے امکانات تھے۔ پھر ان کی مدد

---

[1] سیرة ابن اسحق: (٤/ ١٩٠)

کے لیے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو مبعوث فرمایا، ان کے ساتھ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ دیگر مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ ان لوگوں کو حکم یہ ملا تھا کہ ایک دوسرے کی اطاعت کریں اختلاف نہ کریں۔ جب یہ لوگ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے تو انہوں نے کہا: میں اپنے ساتھیوں کی امامت کرواؤں گا اور تم اپنے ساتھیوں کی امامت کرواؤ۔ تو انہوں نے کہا: نہیں بلکہ تم سب کی امات میں کرواؤں گا۔ تم میری مدد کے لیے آئے ہو تو حضرت ابوعبیدہ نے کہا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ میں آپ کی اطاعت کروں اگر آپ میری نافرمانی بھی کریں گے تو میں آپ کی اطاعت گزاری کروں گا۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں ان کے ساتھ تنازع پیدا کرنا چاہتے تھے، مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ ایسا نہ کیا جائے۔"❶

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے اس معاملہ میں سب سے بہتر تھی۔ پس یہ تمام حضرات عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے۔ حالانکہ یہ بات ہر ایک جانتا تھا کہ حضرت ابوبکر وعمر اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔ یہ سب کچھ ان کی فضیلت اور اصلاح کی وجہ سے تھا۔ اس لیے کہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کی امارت پہلے منعقد ہو چکی تھی۔ جب انہیں اس قوم کی تالیف قلب کے لیے امیر بنایا گیا تھا، کیونکہ وہ لوگ آپ کے قرابت دار تھے۔ پس کسی راجح مصلحت کی وجہ سے مفضول کو ولایت تفویض کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اس لیے امیر بنایا گیا تاکہ آپ اپنے والد محترم حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا انتقام لے سکیں، حضرت زید رضی اللہ عنہ غزوہ موتہ میں شہید ہو گئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کسی بھی چیز میں کسی کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر امیر مقرر نہیں کیا۔

تنقید نگار کا یہ کہنا کہ جب آپ سورت براءت لے کر نکلے تو آپ کو تین دن کے بعد واپس بلا لیا۔ اس کا جھوٹ ہونا کھلا اور واضح ہے اس لیے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر فرمایا تو آپ ایسے ہی چلے گئے۔ جیسے آپ کو امیر مقرر فرمایا تھا اور اس سال کا حج آپ کی امارت میں ہوا۔ یہ سنہ نو ہجری کی بات ہے۔ آپ حج پورا کرنے سے پہلے مدینہ واپس تشریف نہیں لائے اور آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام نافذ کیے۔ اس سے قبل مشرکین بیت اللہ کا حج کرتے تھے اور ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا جاتا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے مابین مطلق عہد نامے تھے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور یہ منادی کروانے کا حکم دیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ ہی کوئی ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے۔ پس حضرت ابوبکر نے جن لوگوں کو حکم دیا، انہوں نے یہ منادی کر دی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اس سال ایام حج میں یہ منادی کی۔

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مدینہ سے قافلہ حج لے کر روانہ ہوئے تو ان کے پیچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو روانہ فرمایا، تاکہ مشرکین کے عہد ان کو واپس کر سکیں۔ اہل عرب کی عادت تھی کہ عہد و پیمان باندھنا یا اسے ختم کرنا قبیلہ کے سردار یا اس کے گھر کے فرد کے ساتھ ہوتا تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خصوصی طور مشرکین کے ساتھ

❶ تاریخ الطبری: (۲/ ۱۴۷) تاریخ دمشق: (۲/ ۴۲)

کیے گئے عہد و پیمان کو ختم کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ اس کا کوئی دوسرا مقصد نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے اور حج میں جہاں وہ جاتے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی دیگر لوگوں کی طرح پورے ایام حج میں ساتھ ساتھ رہے۔

## حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ متعین کرنا:

**شبهة**: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرنا: جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا تھا۔ اس مسئلہ میں آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کی مخالفت کی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کا اشارہ دے دیا تھا۔ اس معاملے میں اشارہ بھی واضح کلام کی طرح ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں عرب مسلمانوں کی کثرت ہو گئی تھی۔ ان لوگوں کا اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ نیا نیا واسطہ تھا۔ انہیں رموز و اشارات کی معرفت نہیں تھی۔ پس اس لیے واضح نص اور عبارت کا ہونا ضروری ہو گیا تھا تا کہ تنازعہ اور اختلاف نہ پیدا ہو۔ ہر زمانہ کے مناسب لوگ ہوتے ہیں اور ہر جگہ کے لیے اس کے مناسب کلام ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کو واضح الفاظ میں خلیفہ متعین نہ کرنا بذریعہ وحی علم حاصل ہونے کی وجہ سے تھا کہ آپ کے بعد خلیفہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ یہ صحیح مسلم کی روایت میں ثابت ہے۔ جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف وحی نہیں آتی تھی تو آپ کا عمل اور اجتہاد امت کی مصلحت میں زیادہ بہتر اور خیر پر مبنی تھی اور آپ نے بہت ہی اچھا کام کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ملکوں کے ملک فتح کیے؛ اہل خرد و دانش کو رفعتوں سے نوازا، کفار کو تباہ کیا اور نیک و کاروں کی مدد کی۔

## شیطان کی آمد:

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول ''میرے پاس شیطان آتا ہے۔''

ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے کہا تھا بے شک میرے پاس شیطان آتا ہے اگر میں راہ راست پر چلوں تو میری مدد کرو، اور اگر میں ادھر ادھر ہو جاؤں تو میری اصلاح کرو۔ جس آدمی کی یہ حالت ہو، وہ امامت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

**جواب**: ...... یہ جملہ ثابت ہی نہیں؛ بلکہ آپ سے ثابت یہ ہے کہ آپ نے وفات سے قبل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: اللہ کی قسم! میں سویا ہوا نہیں کہ خواب دیکھوں اور نہ ہی کسی شک و شبہ کی وجہ سے وہم میں مبتلا ہوا ہوں۔ اور میں راہ مستقیم پر قائم ہوں کج روی نہیں اختیار کی اور نہ ہی مجھے کام نے تھکایا ہے۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اپنانے کی وصیت کرتا ہوں۔''[1]

---

[1] تاریخ دمشق: (۳۰/ ٤٧٠)

**آپ نے جو پہلا خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ وہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسند میں نقل کیا ہے۔ فرمایا:**

"اے اصحاب رسول اللہ! میں خلیفہ رسول ہوں۔ مجھ سے دو باتوں کا مطالبہ نہ کرو جو کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص تھیں ایک وحی اور دوسری گناہ سے معصوم ہونا۔"

اس خطبہ کے آخر میں ہے: "بلا شک میں معصوم نہیں ہوں، تم پر میری اطاعت ان چیزوں میں فرض ہے جو کتاب وسنت کے موافق اور اللہ تعالیٰ کی شریعت اور امور دین کے مطابق ہوں۔ اگر میں تمہیں اس کے خلاف کسی چیز کا حکم دوں تو میری بات نہ مانو اور مجھے اس پر خبردار کرو۔ یہ عین انصاف کی بات ہے۔"

جب لوگوں کی عادت یہ بن چکی تھی کہ وہ اپنی مشکلات کے حل کے لیے وحی الٰہی اور اطاعت نبی کی طرف رجوع کرتے تھے تو خلیفہ پر لازم تھا کہ لوگوں کو ان چیزوں سے آگاہ اور خبردار کرے جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص تھیں۔

**کلینی نے جعفر الصادق رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے۔ فرمایا:**

"اور بے شک ہر مومن کے ساتھ شیطان ہوتا ہے جو اسے گمراہ کرنا چاہتا ہے۔"

ایک مشہور حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جس میں ہے: "تم میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک جن موکل ساتھی ہوتا ہے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا آپ کے ساتھ بھی ہے؟

تو فرمایا: "ہاں! لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر غلبہ دیا ہے تا کہ محفوظ و مامون رہوں۔"

تو جو کچھ ان لوگوں نے بیان کیا ہے اس میں طعنہ یا عیب والی بات کون سی ہے؟ مومن کو وسوسے تو آتے رہتے ہیں، مگر وہ ان پر بیدار مغزی کا مظاہرہ کرتا ہ، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ﴾ (الاعراف ۲۰۱)

"یقیناً متقی لوگوں کو جب شیطان کی طرف سے کوئی (برا) خیال چھوتا ہے وہ ہوشیار ہو جاتے ہیں، پھر اچانک وہ بصیرت والے ہوتے ہیں۔"

**گھاٹے کی بات شیطان کی اتباع میں ہے، جس سے آپ بچے گئے تھے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:**

"یہ حدیث حضرت ابوبکر صدیق کے بڑے فضائل اور اس بات کے واضح دلائل میں سے ہے کہ آپ زمین میں سرکشی اور فساد نہیں چاہتے تھے اور نہ ہی آپ حکومت کے طلب گار تھے اور نہ ہی آپ ظالم تھے۔ بلکہ بلا شک وشبہ آپ لوگوں کو اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول کی دعوت دیتے تھے۔"

جو شیطان آپ کے مدمقابل آتا تھا، وہ تمام بنی آدم کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ اور صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت صفیہ کے ساتھ رات کے وقت میں گفتگو فرما

رہے تھے اور آپ کے پاس سے بعض انصار کا گزر ہوا تو آپ نے فرمایا: آپ آرام سے چلو یہ صفیہ بنت حیی ہے، پھر ارشاد فرمایا: مجھے یہ اندیشہ محسوس ہوا کہ شیطان تمہارے دلوں میں کوئی بدگمانی ڈال دے، بے شک وہ بنی آدم میں ایسے چلتا ہے جیسے خون کے دوران گردش ہوتی ہے۔'' ❶

اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اس کلام سے مراد یہ تھی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح معصوم نہیں ہوں اور یہ تو حق ہے۔

## محتاج استعانت کی امامت:

تنقید نگار کا یہ کہنا کہ اس کی امامت کیسے جائز ہو سکتی ہے جو اپنی اصلاح کے لیے رعایا کی مدد کا محتاج ہو؟

جواب: یہ امامت کی حقیقت سے جاہل انسان کا کلام ہے۔ اس لیے کہ امام رعیت کا رب نہیں ہوتا کہ ان سے مستغنی ہو جائے اور نہ ہی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ہوتا ہے کہ خالق اور مخلوق کے مابین واسطہ ہو۔ بلکہ رعایا اور امام باہمی تعاون میں ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہیں جو کہ دین اور دنیا کی مصلحتوں پر باہم تعاون کرتے ہیں۔ اور ایسا ہونا انتہائی ضروری ہے کہ رعایا حاکم کی اور حاکم رعایا کی مدد کرے۔ اس کی مثال امیر کارواں کی طرح ہے۔ اگر وہ راہ راست پر چلتا رہے تو اس کی اتباع کی جاتی ہے اور اگر راہ بھول جائے تو اس کی راہنمائی کی جاتی ہے اور اسے آگاہ کیا جاتا ہے۔ اور اگر ان پر ڈاکو وغیرہ ٹوٹ پڑیں تو سارے مل کر باہمی تعاون سے ان کا مقابلہ کرتے ہیں۔ لیکن جب وہ امام علمی قدر و منزلت میں کامل ہو، صاحب قدرت اور رحیم و مہربان ہو تو یہ ان کے لیے زیادہ فائدہ مند ہے۔ یہی حال نماز کے امام کا بھی ہے، اگر وہ صحیح صحیح نماز پڑھتا رہے تو لوگ اس کے ساتھ نماز پڑھتے رہتے ہیں اور اگر وہ بھول جائے تو سبحان اللہ کہہ کر یا لقمہ سے اس کی اصلاح کرتے ہیں اور توجہ دلاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگ دین کسی امام سے نہیں لیا کرتے تھے، بلکہ سبھی لوگ دین کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا کرتے تھے اس میں ائمہ اور عام امت برابر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اختلاف کے وقت اللہ تعالیٰ نے ائمہ کی طرف رجوع کرنے کا حکم نہیں دیا، بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا، ارشاد فرمایا:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ (النساء: ٥٩)

''پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔''

اختلاف اور تنازعہ کے وقت اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے، ائمہ یا ولاۃ الامور کی طرف نہیں اور بے شک ولاۃ الامور کی طرف نہیں اور بے شک ولاۃ الامور کی اطاعت کا حکم اللہ اور اس کے رسول کے اطاعت میں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اطاعت گزاری نیکی کے کاموں میں ہے۔'' ❷

---

❶ البخاری: (٢٠٣٥) مسلم: (٢١٧٥) ❷ البخاری، (٤٣٤٠)، مسلم: (١٨٤٠)

اور ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہوسکتی۔''❶

اور فرمایا: ''جو کوئی تمہیں اللہ کی نافرمانی کا حکم دے تو اس کی بات نہ مانو۔''❷

## شبہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ!

''میں تم سے بہتر نہیں ہوں تم میں علی رضی اللہ عنہ موجود ہیں۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے کہا تھا، میں تم میں سے بہتر نہیں ہوں، اور تم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود ہیں، اگر آپ کی یہ بات سچی تو آپ کسی بھی صورت پر ہرگز امامت کے لائق نہیں تھے۔ اور اس لیے کہ فاصل کی موجودگی میں مفضول، امام نہیں بن سکتا۔ اور اگر آپ جھوٹے تھے، تو پھر بھی کاذب اور فاسق امامت کا مستحق کریاد امامت کا اہل ہر گز نہیں ہوسکتا۔

جواب: مان لیا جائے کہ آپ نے ایسا کچھ فرمایا ہے، تو یہ امام سجاد ہیں، جو کہتے ہیں:

''میں وہ ہوں جس نے اپنی عمر گناہوں میں تباہ کر دی...... الخ''

اگر آپ سچے ہیں، تو اس کلام کی رو سے آپ امامت کے مستحق نہیں اس لیے کہ گناہوں کا مرتکب امام نہیں بن سکتا، یہ عصمت کے منافی ہے، اگر آپ جھوٹے ہیں جیسا کہ اوپر گزرا ہے، تو جو جواب تمہارا ہوگا، وہی جواب ہمارا ہوگا۔''

## شبہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول: مجھے خلافت سے معاف رکھو!

بعض کہتے ہیں کہ:

''آپ نے کہا تھا، مجھے خلافت سے معاف رکھو اور آپ نے امامت سے تنازل چاہا تھا، تو آپ امامت کے اہل نہ تھے۔''

جواب: اگر اس کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس کا وہی جواب دیا جائے گا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جنہوں نے شہادت عثمان کے بعد خلافت قبول نہ کی۔ مگر اس وقت جب مہاجرین وانصار کی اکثریت نے آپ کو مجبور کیا۔ جیسا کہ نہج البلاغۃ میں ہے۔ پس اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ بات صحیح ثابت ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ حکومت وریاست کے طلب گار نہ تھے۔ ان کا یہ دعویٰ صاف جھوٹ ہے، کتب احادیث میں کوئی اپنی چیز نہیں اور نہ ہی اس کی سند معلوم ہے، اور آپ نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ تم میں علی موجود ہیں، بلکہ ثابت شدہ چیز نہ ہے کہ آپ نے ثقیفہ کے دن فرمایا تھا، ان دو یعنی عمر بن الخطاب اور ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہما میں سے کسی ایک کی بیعت کرلو۔''

❶ رواہ احمد: (۱۰۹۵)

❷ ابن ماجہ: (۲۸۶۳)

اس کے جواب میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! اگر میں آگے بڑھوں اور آپ میری گردن کاٹ ڈالیں اس سے بہتر ہے کہ میں اس قوم کا سردار بنوں جس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود ہوں۔''[1]

اگر آپ یہ بھی فرماتے کہ: ''تم میں علی رضی اللہ عنہ موجود ہیں تو پھر اپنے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جگہ آپ کو خلیفہ بناتے۔ اس لیے کہ آپ کی بات مانی جانے والی تھی۔

## شبہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بعض شرعی مسائل سے لاعلم تھے۔:

ایک شبہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بعض شرعی مسائل کا علم نہ تھا۔ آپ نے چور کا بائیاں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اور حکم دیا کہ لوطی کو جلا دیا جائے۔ اور آپ کو دادی اور کلالہ کی وراثت کا علم نہیں تھا۔ پس آپ امامت کے اہل نہیں تھے، شرعی احکام کا علم ہونا فریقین کے ہاں امامت کی شروط میں سے ہے۔ اس پر اجماع ہے۔

الجواب: تیسری بار میں چور کا بائیاں ہاتھ کاٹنا حکم شرعی کے موافق ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کسی کو بھی زندہ حالت میں آگ سے نہیں جلایا۔ بلکہ صحیح روایت میں حضرت سوید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ کے پاس ایک لوطی کو لایا گیا، آپ نے حکم دیا کہ اس کی گردن مار دی جائے۔ اور پھر اس کو جلانے کا حکم دیا۔ لوگوں کی عبرت کے لیے میت کو جلانا جائز ہے، جیسا کہ سولی پر لٹکانا جائز ہے۔ اس لیے کہ میت کو ایسے امور سے تکلیف نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس میں زندگی نہیں پائی جاتی۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ آپ نے بعض زندیقوں کو جلایا۔ شیخ المرتضی الملقب بعلم الھدی نے اپنی کتاب ''تنزیہ الا نبیاء والا ئمہ'' میں نقل کیا ہے کہ:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے آدمی کو جلا دیا تھا، جس نے اپنے غلام سے لونڈے بازی کی تھی۔''[2]

تیسرے عتراض کا جواب یہ ہے کہ اس سے اہل سنت پر الزام نہیں آتا۔ اس لیے کہ فعلی طور پر تمام احکام شریعت کا علم ہونا ان کے ہاں بھی امامت کی شرط نہیں ہے، اس لیے کہ عہد میں نصوص کی تدوین نہیں ہوئی تھی۔ اور نہ ہی آپ کے عہد آحادیث کی روایات مشہور تھیں، آپ اپنی خلافت کے آیام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشہورہ کیا کرتے تھے۔ عبداللہ بن بشر نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مشورہ کیا کرتے تھے۔ عبداللہ بن بشر نے، روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا، مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ ایسے ہی آپ کو مذی کے حکم کا علم نہیں تھا، تو آپ نے حضرت مقداد سے کہا کہ! وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حکم دریافت فرمائیں۔

---

[1] یہ الفاظ متفق علیہ ہیں، صحیح بخاری۔ کتاب الحدود۔ باب رجم الحبلی فی الزنا، (حدیث: ٦٨٣٠) مطولاً۔ اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا تھا: ''اے لوگو! مجھے معاف رکھو؛ مجھے معاف رکھو۔'' جب کہ مسلمانوں نے آپ کو ہی اختیار کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جانتے تھے کہ آپ ان سب میں سے افضل و بہتر ہیں۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سقیفہ بنی ساعدہ کے موقع پر مہاجرین و انصار کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا: '' آپ ہمارے سردار ہیں اور ہم سب سے بہتر ہیں اور ہم سب سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہیں۔

[2] تنزیہ الانبیاء: (٢١١)

## شبہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بیعت میں تأخیر:

شبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد تک تاخیر کرنا۔

الجواب: یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دوسری بار کی بیعت ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت دو بار کی تھی۔

پہلی بار: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد۔

دوسری بار: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد:

یہاں سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی ہے، اس بارے میں علامہ، ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جب یہ دوسری بار بیعت وقوع ہوئی، تو اس سے بعض راویوں کو یہ شبہ ہوا کے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے پہلے بیعت نہیں کی تھی پس اس کی نفی کی گئی ہے، اور مثبت منفی پہ مقدم ہوتا ہے، واللہ اعلم۔'' [البدایۃ والنہایہ، ۵/۲۸۶.]

جہاں تک پہلی بیعت کا تعلق ہے، تو امام حاکم اور امام بیہقی رحمہما اللہ نے، ان الفاظ میں روایت نقل کی ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا:

''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، انصار کے خطباء کھڑے ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا:

''اے گروہ مہاجرین! بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تم میں سے کسی ایک کو عامل بناتے تو ہم انصار میں سے ایک آدمی کو اس کے ساتھ ملا دیتے۔ ہمارا یہ خیال ہے کہ یہ ولایت دو آدمیوں کو تفویض کی جائے، ایک تم میں سے ہو، اور ایک ہم میں سے۔''

فرماتے ہیں: اس کے بعد انصاری کے خطباء بات کرتے چلے گئے تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، اور فرمانے لگے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین میں سے تھے، لہٰذا امام بھی مہاجرین میں سے ہوگا۔ اور ہم اس کے انصار ہوں گے۔ جیسے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار تھے۔''

پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے: ''اے گروہ انصار! اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین بدلہ دیں۔ آپ کے خطیب نے بہت اچھی بات کہی۔ پھر فرمایا! اگر تم اس کے علاوہ کچھ کہتے تو ہماری صلح نہ ہو سکتی تھی۔

پھر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ساتھ پکڑ لیا، اور فرمایا:

''یہی تمہارے محترم ساتھی ہیں۔ ان کی بیعت کرو۔'' پھر وہ چلے گئے۔

پس جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھے تو لوگوں کے چہروں پر نگاہ دوڑائی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نظر نہ آئے۔ آپ نے ان کے متعلق دریافت کیا۔ انصار کے کچھ لوگ اٹھے اور آپ کو بلا لائے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اے ابن عم رسول اللہ ﷺ اور آپ کے داماد! کیا آپ مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنا چاہتے ہیں؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے خلیفہ رسول اللہ ﷺ! کوئی مواخذہ والی بات نہیں اور آپ نے بیعت کر دی۔

پھر آپ نے دیکھا، تو حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نظر نہ آئے۔ جب آپ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ کو بھی لا کر پیش کر دیا گیا۔

آپ سے پوچھا: اے رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد! اور آپ کے حواری! کیا آپ مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنا چاہتے ہیں؟

تو آپ نے بھی یہی کہا، اے خلیفہ رسول! مواخذہ کی کوئی بات نہیں۔ پھر آپ نے بھی بیعت کر دی۔ [1]

امام حاکم رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث شیخین کی شرطوں کے مطابق صحیح ہے، مگر وہ اپنی کتابوں میں نہیں لائے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ کہتے ہیں! حافظ ابوعلی رحمہ اللہ نے کہا ہے، میں نے محمد بن اسحٰق بن خزیمۃ رحمہ اللہ سے سنا، وہ کہہ رہے تھے، کہ میرے پاس مسلم بن حجاج رحمہ اللہ آئے، اور اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا۔ میں نے اس کے لیے یہ حدیث ایک رقعہ میں لکھ لی، اور پھر آپ کو پڑھ کر سنائی، تو کہنے لگے: ''یہ حدیث ایک بدنہ [اونٹ] کے برابر ہے۔''

میں نے کہا: ''نہیں بلکہ ایک بدرہ کے برابر ہے۔'' [2]

ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے، اس حدیث کی اسناد صحیح ہیں۔ [3]

اس کا جواب یہ بھی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد محترم ﷺ کے فراق پر بہت ہی زیادہ حزن وملال اور رنج والم محسوس کیا تھا۔ آپ کی حالت یہ ہوگئی تھی کہ روز بروز کمزور ہوتی جاتیں۔ حتی کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے صرف چھ ماہ بعد آپ بھی آپنے رب سے جاملیں۔ ابن کثیر رحمہ اللہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا دکھ درد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''کہا جاتا ہے کہ اپنے والد محترم کے بعد جتنا عرصہ زندہ رہیں کبھی آپ ہنسی نہیں تھیں۔ اور آپ اپنے والد محترم کے حزن وملال اور ان سے ملاقات کے شوق میں روز بروز ایسے کمزور ہوئی جارہی تھیں گویا کہ پگھل رہی ہوں۔'' [4]

یہ وجہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کثرت کے ساتھ آپ کی خدمت ومدارت میں رہتے، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں کمی آگئی۔ اس کو بنیاد بنا کر منافقین نے یہ مشہور کر دیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کو ناپسند کرتے ہیں۔ یہ بات حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات حسرت آیات کے بعد دوبارہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کا سبب بن گئی۔

---

[1] مستدرك حاكم (٣/ ٤٤٥٧٢٨٠) بيهقى بمبر (١٦٣١٥)

[2] البيهقى: (١٦٣١٦)

[3] البداية والنهاية: (٥/ ٢٤٩)

[4] البداية والنهاية: (٦/ ٣٣٤)

**شبہ:**

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول: ''کاش! میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی تلاشی نہ لی ہوتی۔''

انہوں نے معجم الکبیر از امام الطبرانی رحمہ اللہ سے یہ روایت دلیل پیش کی ہے، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی عیادت کے لیے حاضر ہوا، یہ اس بیماری کی بات ہے: جس میں آپ فوت ہوئے۔ میں نے آپ کو سلام کیا، اور حال احوال دریافت کیے۔ تو آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے...... اور پھر فرمایا:

''مجھے کسی چیز پر کوئی افسوس نہیں ہے مگر تین کام میں نے ایسے کئے ہیں جن پر مجھے افسوس ہے، مجھے یہ بات پسند تھی کہ اگر میں نے یہ کام نہ کئے ہوتے......''

پھر آپ نے وہ کام شمار کئے۔ ان میں سے ایک کام یہ بھی تھا کہ کاش کہ میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی تلاشی نہ لی ہوتی، اور اسے یوں ہی چھوڑ دیا ہوتا، اور اپنے آپ پر جنگ کا دروازہ بند کر دیا ہوتا...... الخ۔

الجواب: یہ اثر امام الطبرانی نے المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے، یہ ضعیف ہے، اسی سے ضیاء المقدسی نے ''المختارہ'' میں اور ابن زنجویہ نے کتاب الاموال میں نقل کیا ہے، اور عقیلی اسے ''الضعفاء'' میں لایا ہے۔ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں، اور الطبری نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔''

اول: اس کی تمام اسناد کا مدار ان بن داؤد الجبلی پر ہے، یہ ضعیف راوی ہے، تمام ائمہ کا اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔ امام بخاری اس کے بارے میں کہتے ہیں، منکر حدیث ہے۔ ابن یونس نے بھی یہی کہا ہے، کئی ائمہ نے اس کا یہ اثر ذکر کر کے کہا ہے! یہ اس کے منکرات میں سے ہے۔ ان ائمہ میں سے حافظ ذہبی رحمہ اللہ المیزان میں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لسان المیزان میں اور العقیلی نے الضعفاء میں اس کا ذکر کیا ہے۔ [2]

عقیلی نے الضعفاء میں کہا ہے: اس کی حدیث کی کوئی متابع روایت نہیں، اور نہ ہی اس کے علاوہ کسی روایت کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا۔ علامہ ہیثمی نے ''المجمع'' میں کہا ہے! یہ روایت امام طبرانی سے روایت کی ہے، اس میں علوان بن داؤد ہے، جو کہ ضعیف ہے۔ اور اس اثر کا علماء نے ان کار کیا ہے۔'' [3]

اور اگر یہ کہا جائے! یہ ایک دوسری سند سے بھی مروی ہے جس میں علوان بن داؤد نہیں ہے جیسا کہ ابن ...... نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے۔

---

[1] المعجم الكبير (١/ ٦٢) الاحاديث الختاره: (١/ ٩٠) كتاب الاموال ص (١٧٥) تاريخ دمشق (٣٠ الضعفاء: (٣/ ٤٢٠)

[2] لسان الميزان: (٤/ ١٨٨)

[3] مجمع الزوائد: (٥/ ٣٦٧)

ہم کہتے ہیں: یہ اسناد بھی محفوظ نہیں ہیں۔ کیونکہ ابوالہیثم خالد بن القاسم متروک راوی ہے۔ ائمہ حدیث اور محدثین اس کی روایات قبول نہیں کیا کرتے تھے۔ انہوں نے اس کے جھوٹا ہونے کی وجہ سے اس سے روایت کو ترک کر دیا تھا۔ کیونکہ یہ انسان اسانید میں کمی بیشی کیا کرتا تھا۔ خصوصاً امام لیث رحمہ اللہ کی اسناد میں۔ امام کے وہ شاگرد جو اس کے طبقہ کے لوگ شمار ہوئے ہیں، اور انہوں نے امام لیث رحمہ اللہ سے احادیث روایت بھی کی ہیں، وہ اس سند پر ہے: عن لیث بن سعد عن علوان بن داؤد عن صالح بن کیسان بہ۔

ان میں ایک راوی یحییٰ بن عبداللہ ابن بکیر ہیں، وہ لیث سے روایت کرنے میں ثقہ ہیں۔ اور ان میں عثمان بن صالح اعصری بھی ہے، وہ صدوق ہے اور ان راویوں میں امام لیث کا کاتب ابوصالح ہے، اس سب میں کوئی شک وشبہ والی بات نہیں کہ لیث سے روایت کرنے والی جماعت کو فرد واحد پر ترجیح دی جائے گی۔ اور اس کی تاکید وتائید اس سے ہوتی ہے کہ سعید بن عقیر نے لیث بن سعد کی متابعت کی ہے۔ جو کہ طبرانی میں موجود ہے۔ اس نے علوان بن داؤد بجلی سے، اس نے اسی سند سے حمید سے روایت کیا ہے۔ یہ سعید بن عفیر غبر ثقہ ہے۔ اس بنیاد پر صحیح بات پر یہ ہے کہ یہ اثر جیسا کہ آئمہ سے پہلے گزر چکا ہے، علوان بن داؤد کے مفردات اور منکر ان میں سے ہے۔ اس روایت کا کسی اور کی سند سے علم تک نہیں ہو سکا۔ یہی وجہ ہے کہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں کہا ہے، حالانکہ اسی نے اس روایت کی تخریج بھی کی ہے، وہ کہتا ہے، اسے خالد بن القاسم المدائنی نے نقل کیا ہے، اور اس کی سند سے علوان بن داؤد کو ساقط کیا ہے، حدیث لیث سے عالی سند والی روایت بھی مجھے ملی ہے، اس میں علوان کا ذکر ہے۔ پھر اس کی تائید میں وہ عالی اسناد بھی ذکر کی ہیں، جو کہ محمد بن رمح نے لیث سے اور اس نے علوان سے روایت کی ہے۔ [1]

میں کہتا ہوں! یہ محمد بن رمح رحمہ اللہ ثقہ اور ثبت ہے۔ یہ چار ثقہ راوی اس مدائنی کی مخالفت کرتے ہیں، کیونکہ وہ کذاب ہے۔ پس اب اس باب میں کوئی شک باقی نہیں رہا کہ علوان کی روایت کردہ حدیث ضعیف ہے، اور علوان جھوٹا اور منکر الحدیث ہے۔

عن حميد بن عبدالرحمن بن حميد عن صالح بن كيسان ، عن حميد بن عبدالرحمن بن عوف عن ابيه۔

اور کبھی دو راوی ساقط کر دیتا ہے، یعنی براہ راست صالح بن کیسان سے روایت کرتا ہے۔ اس کے اضطراب میں کوئی غرابت نہیں ہے۔

جیسا کہ ہم نے پہلے بتایا ہے کہ وہ ضعیف اور منکر الحدیث ہے۔ ان سابقہ وجوہات کی بنا پر محدثین کی ایک جماعت کا اس اثر کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے، ان میں سے ایک امام حافظ عقیلی نے الضعفاء میں، امام ذہبی نے المیزان میں، اور حافظ ابن حجر نے اللسان میں بیان کیا ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

[1] مجمع الزوائد: (٥/ ٣٦٧)

## حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور جمعرات کا دن:

اس پر کلام گزر چکا ہے۔

۱۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا گھر نذر آتش کرنا۔

کہتے ہیں: ''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: کاش کہ میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا گھر نہ جلایا ہوتا۔''

جواب: اس پر رد کرتے ہوئے بتایا تھا کہ اس کی سند میں علوان بن داؤد البجلی ہے۔ امام بخاری ابوسعید بن یونس، اور ابن حجر اور ذہبی نے اسے منکر الحدیث کہا ہے۔ ❶

ابن ابی شیبہ نے ایک دوسری روایت بھی لائی ہے، جو کہ محمد بن بشر کی سند سے ہے، وہ عبیداللہ بن عمر سے روایت کرتا ہے، وہ زید بن اسلم سے، وہ اپنے والد اسلم سے، کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت ہوئی تو حضرت علی اور حضرت زبیر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہو گئے تھے۔ وہ اپنے معاملہ میں مشورہ اور گفت وشنید کر رہے تھے یہ اس کی اطلاع حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو وہ باہر نکلے حتی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہوئے، اور فرمایا: اے دختر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ کی قسم! آپ کے والد کے بعد تم سے بڑھ کر کوئی دوسرا ہمیں محبوب نہیں ہے۔ اور اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے تو کوئی چیز مجھے اس گھر کو جلانے سے نہیں روک سکے گی۔ جب آپ باہر نکل گئے تو یہ حضرات تشریف لائے۔ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کیا تمہیں علم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے تھے، اور انہوں نے قسم اٹھائی ہے کہ اگر تم نے دوبارہ ایسی حرکت کی، تو وہ اس گھر کو جلا دے گا۔ ہاں اللہ کی قسم! اللہ کی قسم، وہ اپنی قسم پوری کر کے رہیں گے۔ پس تمہاری کامیابی اسی میں ہے کہ تم واپس پلٹ جاؤ۔ اور اپنی رائے لے کر یہاں سے چلتے بنو، اور دوبارہ میرے پاس نہ آنا۔ پس وہ لوگ وہاں سے پلٹ گئے۔ اور اس وقت تک واپس نہیں لوٹے جب تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کر لی۔'' ❷

الرد! یہ روایت منقطع ہے۔ اس لیے کہ اسلم نامی راوی ارسال کے مرض کا شکار ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کی احادیث منقطع ہیں۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تصریح کی ہے۔ ❸

علامہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی یہی بات کہی ہے۔'' ❹

دوسری بات یہ ہے کہ اس میں ان کے قول کا ابطال ہے، جو کہتے ہیں کہ گھر جلا دیا تھا۔ حالانکہ اس روایت کے بقول انہوں نے صرف گھر جلانے کی دھمکی دی تھی۔ اور اس عقیدہ وقول پر بھی رد ہے جس میں کہتے ہیں کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی۔ کیونکہ روایت کہتی ہے کہ وہ اس وقت تک واپس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس نہیں گئے جب تک انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کر لی۔

❶ الضعفاء للعقیلی: (۳/ ٤٢٠) لسان المیزان: (٤/ ٢١٨) میزان الاعتدال: (۳/ ١٠٨)
❷ المصنف: (۷/ ٤٣٢) (٣٧٠٤٥) ❸ التقریب: (٢١١٧)
❹ ازالة الدهش: (٣٧٦) معجم اسامی الرواة الذین ترجم لهم الالبانی: (٢/ ٧٢)

ایک دوسر روایت میں ہے، ہم سے جریر نے حدیث بیان کی ، وہ مغیرہ سے اور وہ زیاد بن کلیت سے روایت کرتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر گئے، وہاں پر طلحہ و زبیر اور دیگر کچھ مہاجرین موجود تھے۔ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں تم پر اس گھر کو آگ لگا دوں گا، یا تم نکل کر بیعت کرلو۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ننگی تلوار لیے ہوئے نکلے۔ مگر انہیں پکڑ لیا گیا، تلوار ان کے ہاتھ سے گر گئی۔ اور انہوں نے چھلانگیں لگا کر انہیں گرفتار کر لیا۔'' ❶

رد! اس روایات میں کئی ایک آفات اور علتیں ہیں، ان میں سے جریر بن حازم صدوق ہے، مگر اوہام کا شکار رہتا ہے، اور اس کے حافظہ میں اختلاط ہو گیا تھا، جیسا کہ امام ابو داؤد اور امام بخاری نے التاریخ الکبیر ۲/۲۲۳۴ میں صراحت کے ساتھ کہا ہے۔ مغیرہ! اس کا نام مغیرہ ابن المقسم ہے، ثقہ راوی ہے، مگر اپنی روایات میں ارسال کرتا ہے، خصوصاً وہ روایات جو ابراہیم سے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے مدلسین کے تیسرے طبقہ میں شمار کیا ہے، یہ وہ طبقہ ہے جن کی روایات قبول نہیں کی جائیں۔ اس کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ سماع کی صراحت کریں تو پھر۔

اور ایک تیسری روایت بلاذری سے ہے (متوفی ۲۷۹ھ)۔ وہ سلیمان التیمی سے، وہ ابن عون سے روایت کرتا ہے، کہ

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف آدمی بھیجا، وہ آپ سے بیعت لینا چاہتے تھے۔ آپ نے بیعت نہیں کی تھی۔ حضرت عمر آئے اور ان کے ساتھ آگ کا ایک فتیلہ (مشعل) تھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو دروازہ پر روک لیا، اور کہا۔ اے ابن خطاب کیا تم مجھ پر میرا دروزاہ جلانا چاہتے ہو؟

انہوں نے کہا! ہاں یہ تیرے باپ کے لائے ہوئے پیغام میں اس سے بھی بہت سخت فیصلہ ہے؟ ❷

جواب: یہ اسناد بہ دو اعتبار سے منقطع ہے۔ اس لیے کہ سلیمان التیمی تابعی ہے۔ اور بلاذری اس سے بہت زیادہ متاخر ہے، پھر اس سے روایت کیسے کی جاسکتی ہے، جبکہ درمیان میں کسی واسطے کا ذکر تک نہیں کیا گیا؟ اور ابن عون بھی ایک متاخر تابعی ہیں، انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا ہی نہیں۔ ان کے مابین انقطاع ہے۔

اور اس میں دو علتیں (دیگر اسناد کے اعتبار سے) مزید ہیں۔ ان مسلم بن محارب کی مجہولیت (جہالت)۔ ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل (۸/ ۲۶۶) میں اس کا ذکر کیا ہے، مگر کوئی جرح یا تعدیل نہیں کی۔ اور ہمیں کسی ایسے عالم کا پتہ نہیں چل سکا جس نے اسے ثقہ کہا ہو، یا اس کی مذمت کی ہو۔

۱۔ ابن عون یعنی عبداللہ بن عون (متوفی ۱۵۲ ہجری) کا انقطاع۔ اس نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث کی سماعت نہیں کی، تو حضرت ابو بکر سے بالأولی اس کا سماع ثابت نہیں ہوتا۔ اور پھر خصوصاً اس حادثہ کے متعلق خبر دینا؟ یہ یاد رہنا چاہیے کہ یہ واقعات سن ۱۱ ہجری کے ہیں۔ ایسے ہی سلیمان التیمی نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا اس کی تاریخ وفات ۱۴۳ ہجری ہے۔

❶ تاریخ الطبری (۲/ ۲۳۳)
❷ انساب الاشراف: (۱/ ۵۸۶)

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آگ:

ابن خذابہ کا اپنی کتاب ''الغدر'' میں یہ کہنا کہ زید بن اسلم سے روایت ہے وہ کہتا ہے کہ: میں ان کے ساتھ تھا جنہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ آگ اٹھائی ہوئی تھی۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دروازہ تک پہنچے تھے، یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں نے بیعت سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے کہا تھا کہ، تمہارے گھر میں جو بھی لوگ ہیں، ان سب کو نکال دو ورنہ میں، ان سب کو جلا دوں گا۔

راوی کہتا ہے! اس وقت گھر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ وحسین رضی اللہ عنہ اور اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جماعت موجود تھی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کیا تم میرے سامنے میرے بچوں کو جلا دو گے؟ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا! ہاں! اللہ کی قسم! یا یہ سارے لوگ ضرور نکلیں گے اور بیعت کریں گے۔

الرد: یہ مولف نام کے اعتبار سے مختلف فیہ ہے۔ بعض نے کہا ہے اس کا نام! ابن خنزابہ ہے۔ اور بعض نے اسے ابن خذابہ اور بعض نے ابن جیرانہ اور بعض نے خرداذبہ، اور ابن خیزانہ، اور محقق البحار نے ابن خنزابۃ کہہ کر اسے ترجیح دی ہے۔ زرکلی نے اعلام (۱۲۶/۲) میں اسے ابن خنزابہ جعفر بن فضل بن جعفر لکھا ہے۔ جب کہ اس کی کتاب کا نام کتاب الغرر ہے الغدر نہیں۔ اور بعض نے اس کا نام کتاب العقد بتایا ہے۔ ابن عبدربہ نے العقد الفرید (۲/ ۳۰۵) پر کہا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے پیچھے رہ جانے والوں میں، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، عباس رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں بیٹھ گئے تھے۔ حتی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو انہیں بلانے کے لیے بھیجا، تاکہ انہیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے باہر نکالا جائے۔ اور آپ کو یہ کہا کہ! اگر وہ انکار کریں تو ان سے قتال کرنا۔ آپ آگ کا انگارہ لے کر گئے تاکہ ان کے گھر کو جلا دیں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات ہوئی۔ اس نے کہا! اے ابن خطاب! کیا تم اس لیے آئے ہو کہ ہمارے گھر کو جلا دو؟ کہا: ہاں۔ یا میرے اس امر میں داخل ہو جائیں جس میں ساری امت داخل ہوئی ہے۔

رد: اولاً: ابن عبدربہ، معتزلہ کے سرغنوں میں سے ہے۔ [1]

ثانیاً: ایسی باتیں کہنا اہل سنت والجماعت کے نزدیک ناصبیت ہے۔

ثالثاً: اس کی کتاب ادب کی کتاب ہے۔ (تاریخ کی نہیں)۔

تاریخ الطبری (۲۰۳/۳) میں محمد بن جریر الطبری کی روایت، اس میں ہے، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے آگ منگوائی اور کہا: یا تم لوگ نکل کر بیعت کرو گے، یا میں سب لوگوں کو گھر میں جلا دوں گا۔ لوگوں نے کہا: گھر میں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ہے، تو کہا: بھلے وہ بھی ہو۔"

---

[1] الطرائف لابن طاووس الحسنی: (۲۳۹)

الرد: اس روایت کے الفاظ کا تاریخ الطبری میں وجود تک نہیں۔ یہ روایت السیاسیة والا مامة میں ہے، جو کہ ابن قتیبہ کی طرف منسوب ہے، اور ابن قتیبہ کی تصانیف میں یہ کتاب ثابت نہیں ہوتی۔ اس کے کئی اسباب ہیں۔

۱۔ جن لوگوں نے ابن ابی لیلی سے یوں نقل کیا ہے، جس سے محسوس ہوتا ہے کہ ان کی آپس میں ملاقات ہوئی ہے، جبکہ ابن ابی لیلی، اس کا نام محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلی الفقیه الکوفی قاضی کوفہ ہے۔ اس کی تاریخ وفات ۱۴۸ ہجری ہے۔ جب کہ مشہور روایت کے مطابق ابن قتیبہ کی تاریخ پیدائش ۲۱۳ ہجری ہے۔ یعنی ابن ابی لیلی کی وفات کے پینسٹھ سال کے بعد۔ کتاب سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ابن قتیبہ نے دمشق اور مغرب میں قیام کیا ہوا تھا؛ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ وہ بغداد اور دینور کے علاوہ کہیں گیا ہی نہیں۔

ابن ابی حدید کی روایت شرح نہج البلاغہ ۲/ ۵۶ پر ۱۰۶ اس نے ابوبکر الجوہری سے روایت کیا ہے، کہتا ہے، ابوبکر نے کہا، اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ سعد بن ابی وقاص بھی ان کے ساتھ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں موجود تھے اور مقداد بن اسود بھی یہ لوگ اس لیے جمع ہوئے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کریں مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آ گئے کہ وہ اس گھر کو ہی جلا دیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا روتی ہوئی اور چیخ و پکار کرتی ہوئی نکلیں...... الخ، اور ایک دوسرے مقام پر کہا ہے۔

(راوی) ابوبکر نے کہا ہے: ہم سے عمر بن شبہ نے اپنی سند سے شعبی سے حدیث بیان کی، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا، زبیر کہاں ہے؟

آپ کو بتایا گیا: وہ اپنی تلوار سونتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ہیں۔

آپ نے کہا! اے عمر! اٹھو، اے خالد بن ولید تم بھی اٹھو، تم دونوں جاؤ، اور انہیں لا کر میرے پاس حاضر کر دو۔

یہ دونوں چلے گئے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہوئے، اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ باہر دروزاے پر کھڑے رہے عمر نے زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا: یہ تلوار کیسی ہے؟

اس نے جواب دیا: ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ تلوار چھین لی اور پتھر پر مار کر توڑ دی۔ پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ہاتھ سے پکڑ کر کھڑا کیا اور دھکا دیا۔ اور کہا خالد! اس کو پکڑو۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: اٹھو اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرو۔

انہوں نے اٹھنے سے انکار کر دیا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو اٹھا کر ایسے ہی دھکا دیا جیسے زبیر کو دھکا دیا تھا۔ اور باہر نکال دیا جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں کے ساتھ یہ سلوک دیکھا، تو آپ اپنے حجرہ کے دروازے پر کھڑی ہو گئیں، اور کہنے لگیں: اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! تم نے کتنا ہی جلدی اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر دھاوا بول دیا:...... الخ

## حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زبردستی بیعت:

ابن ابی الحدید نے کہا ہے! جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیعت نہ کرنے کا تعلق ہے، حتی کہ آپ کو گھر سے نکالنے کا ذکر کیا ہے، ہم نے اس باب میں جوہری کا کا کلام ذکر کر دیا ہے۔ اس کا شمار محدثین اور ثقہ اور مامون راویوں میں سے

ہوتا ہے۔اس کے علاوہ یہ واقعہ اسی طرح اتنے زیادہ لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ ان کی تعداد شمار سے باہر ہے۔

جواب: ابن ابی الحدید کا کلام اپنے ہمنواؤں پر حجت ہوسکتا ہے، ہم پر نہیں۔ایک شیعہ عالم الخوانساری نے اس کا تعارف کرواتے ہوکہا ہے: اس کا نام عزالدین، عبدالحمید، بن ابی الحسن بن ابی الحدید المدائنی ہے، جس کی مشہور کتاب شرح نہج البلاغۃ ہے، اس کا شمار اکابر فضلاء متبعین میں ہوتا ہے، وہ ان بڑے متبحر نبلاء میں سے تھا جو کہ اہل بیت کی عصمت وطہارت کے موالین میں سے ہیں......

اس کی دینی منزلت اور امیر المؤمنین کی محبت میں غلو کیلئے اتنی ہی دلیل کافی ہے کہ اس نے شریف الجامع کی ایک نفیس اور نادر شرح لکھی ہے، جوکہ دوسری کتب پر حاوی ہے، اس کی پیدائش یکم ذوالحجہ (۵۸۶) ہجری میں ہوئی۔شرح نہج البلاغۃ کا شمار اس کی تصانیف میں ہوتا ہے، جوکہ کئی جلدوں میں ہے۔جیسے اس نے وزیر مؤیدالدین محمد بن علقمی کے کتب خانہ کے لیے تحریر کیا تھا۔جب اس کتاب سے فراغت ہوئی تو اپنے بھائی موفق الدین ابو المعالی کے ہاتھ وزیر کو بھیجی۔تو اس نے جواب میں ایک لاکھ دینار ایک خوبصورت خلعت اور ایک گھوڑا تحفہ میں بھیجے۔" [1]

مسلم بن قتیبہ بن عمرو الباہلی المتوفی ۲۷۶ ہجری کی روایت۔یہ اپنی کتاب الامامۃ والسیاسۃ، میں کہتا ہے:

"بے شک ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چندان لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پایا جو آپ کی بیعت سے پیچھے رہ گئے تھے۔آپ نے ان کی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔آپ وہاں گئے، اوران کو آواز دی۔وہ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے باہر آنے سے انکار کر دیا، تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جلتی ہوئی لکڑیاں منگائیں۔اورکہا:

"اس ذات کی قسم جن کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے! تم ضرور بالضرور نکلو گے، ورنہ میں اس گھر کو اندر موجود آدمیوں سمیت آگ لگا دوں گا۔آپ سے کہا گیا: اے ابوحفص: گھر میں تو فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی موجود ہے، انہوں نے کہا: بھلے وہ بھی موجود ہو۔"

رد: یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ کتاب"الامامۃ والسیاسۃ"قتیبہ بن مسلم کی تالیف نہیں، صرف ان کی طرف منسوب کی گئی ہے۔

## خود ساختہ شبہ: حمل کا اسقاط:

افتراء پرداز کہتے ہیں: مؤرخ مسعودی (المتوفی ۳۴۶ ہجری) جوکہ مروج الذہب کا مصنف ہے، اور ایک مشہور مؤرخ ہے، جس سے بعد میں آنے والا ہر مؤرخ نقل کرتا ہے، اس نے اپنی کتاب اثبات الوصیۃ: قضیہ سقیفہ میں خلافت کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

"انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا، اوران کے گھر کا دروازہ جلا دیا۔اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو زبردستی پکڑ لائے، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دروازہ کے ساتھ اتنا دبایا کہ محسن کا حمل ساقط ہوگیا۔"

---

[1] روضات الجنات: (۵/ ۲۰) الکنی والالقاب للقیمی: (۱/ ۱۸۵) الذریعہ آغا بزرگ طبرانی: (۴۱/ ۱۵۸)

الرد: بلاشک مسعودی مشہور مؤرخ ہے، لیکن وہ اہل سنت میں سے نہیں۔ وہ اپنی شہرت کی وجہ سے ہم پر حجت نہیں ہوسکتا۔

- ابوالفتح شہرستانی نے اپنی کتاب "الملل والنحل" ۱/۵۷ پر نقل کیا ہے، نظام نے کہا ہے: بیعت کے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پیٹ پر مارا جس کی وجہ سے اس کا حمل ساقط ہوگیا۔ عمر چیخ رہا تھا کہ اس گھر کو اور اس میں موجود لوگوں کو آگ لگادو۔" اور گھر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، اور حسن و حسین رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ انتہی کلام شہرستانی۔
- صفدی نے، الوافی بالوفیات ۶/۷ پر کہا ہے۔ حرف الف میں ابراہیم بن سیر المعروف بالنظام کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے، بے شک حضرت عمر نے بیعت کے دن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پیٹ پر مارا، جس سے محسن کا حمل ساقط ہوگیا۔

الرد: شہرستانی یہاں پر نظام معتزلی کے گمراہ کن اور رسوا کن عقائد شمار کررہا ہے۔ اور اس نظام کی آفات میں سے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اس کا خیال ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مارا، یہاں تک کہ اس کا حمل ساقط ہوگیا۔ شہرستانی کہتا ہے۔ پھر وہ اپنے ان گمراہ کن عقائد میں مزید آگے بڑھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر عیب جوئی کرتے ہوئے کہتا ہے۔ اور میں ان دونوں کے بارے میں اپنی رائے سے یہ بات کہتا ہوں۔"[1]

صفدی نے بھی معتزلہ کے گمراہ کن عقائد شمار کرتے ہوئے ایسے ہی کہا ہے۔

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نسب کا شبہ:

یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا حقیقی نسب ہے، نا کہ جیسے یہ جھوٹے لوگ اپنی طرف سے بہتان گھڑلاتے ہیں۔

۱۔ آپ کا نام اور نسب عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزی بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوئی القریشی العدوی، ابوحفص، (کعب پر آپ کا شجرہ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرہ نسب سے مل جاتا ہے)۔

۲۔ آپ کی والدہ کا نام اور نسب حنتمة بنت ہشام بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم، اور یہ بھی کہا گیا ہے، حنتمة بنت ہاشم ابن مغیرہ۔ پہلے نسب کے مطابق وہ ابوجہل کی بہن لگتی ہے، اور دوسرے کے مطابق اس کی چچازاد۔ ابوعمر نے کہا ہے جس کسی نے اسے بنت ہشام بتایا ہے، اس نے غلطی کی ہے۔ اگر ایسے ہوتا تو وہ ابوجہل کی اور حارث بن ہشام کی بہن لگتی۔ جبکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہ ان دونوں کی چچازاد ہے۔ اس لیے کہ ہاشم اور ہشام دونوں آپس میں بھائی ہیں۔ ہاشم حنتمہ کا والد ہے جبکہ ہشام حارث اور ابوجہل کا والد ہے۔ اور اس طرح یہ ابوجہل کی چچازاد بھی تھی۔ جیسا کہ پہلے ابوعمرو کا قول گزر چکا ہے کہ ہاشم کی اولاد سے سلسلہ نسب نہیں چلا۔[2]

حنتمہ کی ماں کا نام: شفا بنت عبد قیس بن عدی بن سعد بن سہم بن عمرو بن ہصیص ہے۔ ہاشم بن مغیرہ کے بیٹے تو تھے مگر ان سے نسل نہیں چلی۔"

---

[1] الملل والنحل: (۱/ ۵۲)
[2] اسد الغابة: (٤/ ۱۳۷)
[3] نسب القریش: (۳۰۱)۔

ثالثاً: خطاب کا نام اور نسب خطاب بن نفیل بن عبد العزی بن ریاح بن عبداللہ......اس کی والدہ کا نام: حیہ بنت جابر بن ابو جیب فہمی ہے۔نفیل کے دو بیٹے تھے خطاب اور عبدنہم۔ اس دوسرے کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اسے حرب فجار میں قتل کر دیا گیا تھا۔ان کی ماں کا نام حیۃ بن جابر بن ابی حبیب ہے ان کا ماں جایا بھائی زید بن عمر بن نفیل ہے۔'' ❶

یہ امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا صحیح نسب نامہ ہے؛ مخالفین کی بکواس اور واہیات کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں شبہ:

کہتے ہیں: بے شک ہم کثرت کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت کے بارے میں سنتے چلے آئے ہیں، حتی کہ اب اس کی ضرب الامثال بیان کی جاتی ہیں۔ اور کہا گیا ہے! تم نے عدل وانصاف کیا، اور عدل کی برکت سے زمین بھر دی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کھڑا دفن کیا گیا ہے، تاکہ اس کے مرنے کے ساتھ ہی ساتھ عدل بھی مر نہ جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عدل کے بارے میں کہنے کو جتنا کچھ کہا جائے، اس میں کوئی حرج والی بات نہیں۔ لیکن صحیح تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ جب سن ۲۰ ہجری میں لوگوں کے وظائف مقرر کئے تو سنت نبوی کی اتباع کا اہتمام تو کیا خیال تک بھی نہیں کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں کو برابر عطیات دیا کرتے تھے۔ کسی ایک کو دوسرے پہ فضیلت نہ دیا کرتے تھے۔ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی مدت خلافت بھی اس کا اہتمام کیا۔ لیکن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک نیا طریقہ ایجاد کیا، وہ سابقین کو دوسرے صحابہ پر اور مہاجرین قریش کو دوسرے مہاجرین پر، اور تمام مہاجرین کو تمام انصار پر اور تمام عرب کو عجم پر، آزاد کرنے والے کو آزاد کردہ پر، اور مضر کو ربیعہ پر ترجیح دیتے تھے۔ آپ نے مضر کے لیے تین سو وظیفہ مقرر کیا، اور ربیعہ کے لیے دوسو۔ اور اوس کو خزرج پر ترجیح دیتے۔ عقل مندوں سے سوال ہے کہ یہ تفاضل کہاں سے لائے تھے؟

جواب: لاریب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عطیات دینے میں فضیلت کے قائل تھے۔ اس میں کوئی عیب ولی بات نہیں۔ اس لیے کہ عطیات میں مساوات کے واجب ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، آپ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن مال غنیمت تقسیم کیا، گھوڑے سوار کو دو حصے، اور پیدل کو ایک حصہ دیا۔''

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:'' نافع رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے کہا ہے کہ جب کسی آدمی کے ساتھ گھوڑا بھی ہوتا تو اس کو تین حصے ملتے اور اگر اس کے ساتھ گھوڑا نہ ہوتا تو اسے ایک حصہ ملتا۔'' ❷

## اس فضیلت کو جائز کہنے والے کہتے ہیں:

'' اصل چیز مساوات ہے، اور کبھی کبھار آپ فضیلت بھی دیا کرتے تھے، جو کہ فضیلت کے جواز کی دلیل ہے۔

❶ نسب قریش (۳٤۷) ❷ البخاری، ح: (٤۲۲۸)

یہ قول صحیح ترین قول ہے، اصل مساوات ہے، لیکن کسی راجح مصلحت کی وجہ سے فضیلت دینا جائز ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی ذاتی محبت یا خواہش نفس کی وجہ سے فضیلت نہیں دعا کرتے تھے۔ بلکہ آپ کے ہاں اموال کی تقسیم دینی فضائل کی بنیاد پر ہوا کرتی تھی۔ آپ مہاجرین انصار میں سے سابقین اولین کو ترجیح دیتے تھے۔ پھر ان کے بعد والے صحابہ کے ساتھ بھی ایسا ہی کرنے تھے۔ آپ اپنے اہل خانہ کو اور اپنی ذات کو اپنے جیسے دوسرے لوگوں کی نسبت بہت کم حصہ دیا کرتے تھے۔ آپ نے اپنی بیٹی اور بیٹے کو ان ہی کے امثال دوسے لوگوں کی نسبت حصہ کم دیا تھا تفضیل کا طعنہ اس پر مؤثر ہوسکتا ہے جو خواہش نفس کی وجہ سے ایسے کرتا ہو۔ اور جس انسان کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا حصول اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت گزاری ہو۔ اس پر یہ طعنہ زنی مناسب نہیں۔ جو کوئی ان لوگوں کو فضیلت دیتا ہو جنہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے فضیلت دی ہے، اور ان کی تعظیم کرتا ہو جن کی تعظیم اللہ اور اس کے رسول نے کی ہے؛ تو ایسا انسان مذمت کے بجائے مدح وثناء کا مستحق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو اتنا کچھ دیا کرتے تھے، جو کہ ان کے امثال کو نہیں ملتا تھا۔ یہ سلوک نبی کریم ﷺ کے تمام قرابت داروں کے ساتھ تھا۔ اگر آپ مساوات کرتے تو پھر اتنا کچھ صرف چند ایک ہی لوگوں کو مل سکتا تھا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عطیات میں لوگوں کے طبقات بنا رکھے تھے۔ پہلا طبقہ بدری مہاجرین دوسرا طبقہ بدری انصار، تیسرا طبقہ وہ مہاجرین جو بدر میں شرکت نہ کر سکے۔ چوتھا طبقہ وہ انصار جو بدر میں شریک نہ تھے پھر وہ لوگ جو حدیبیہ اور فتح مکہ میں شریک ہوئے، پھر وہ لوگ جو قادسیہ اور یرموک میں شریک ہوئے۔ پھر کچھ لوگوں کے خاص وظائف مقرر تھے، ان میں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ لیکن آپ عربی اور اس کے غلام میں مساوات برتتے تھے۔ بخلاف اس طعنہ گر کے۔ آپ اہل بدر عرب اور غلاموں کو برابر دیا کرتے تھے۔ اور آپ نے لشکروں کے امراء کو بھی یہ تحریر بھیجی تھی کہ جن غلاموں کو تم نے آزاد کر دیا ہے، اور وہ مسلمان ہوگئے ہیں، انہیں ان کے سابقہ آقاؤں کے ساتھ ملاؤ۔ ان کا بھی وہی حق ہے جو ان کے آقاؤں کا ہے۔ اور ان پر وہی فرض ہے جو ان پر ہے۔ اور اگر وہ چاہیں کہ وہ علیحدہ سے ایک قبیلہ بن جائیں۔ تو انہیں اپنی عطاء اور حسن سلوک میں اسوۃ اور نمونہ بناؤ۔''

## شبہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی احکام شریعت سے جہالت:

ایک دشنام طراز کہتا ہے: ہم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اس علم کثیر کے بارے میں سنتے آئے ہیں جس کی کوئی حد ہی نہیں۔ حتی کہا گیا ہے کہ آپ تمام صحابہ سے بڑے عالم تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت ساری آیات میں آپ کی موافقت کی ہے۔ اور آپ کی آراء کی تائید میں قرآن کی کئی آیات نازل فرمائی ہیں جن میں نبی کریم ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ لیکن صحیح تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن نازل ہونے کے بعد بھی اس کی موافقت نہیں کی۔ جب ایک صحابی نے آپ کی خلافت کے ایام میں آپ سے سوال کیا کہ: اے

امیر المؤمنین! مجھے جنابت لاحق ہوگئی، مگر پانی نہیں مل رہا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: پھر نماز ہی نہ پڑھو۔ پھر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے مجبور ہو کر آپ کو تیمم یاد دلایا مگر عمر رضی اللہ عنہ اس پر قانع نہیں ہوئے۔ اور عمار سے کہا:

''ہم اس چیز کا بوجھ تم پر ہی ڈالتے ہیں، جو تم اٹھائے ہوئے ہو۔''

تو عمر رضی اللہ عنہ کا آیت تیمم سے متعلق علم کہاں گیا؟ یہ آیت کتاب اللہ میں موجود ہے، اور سنت نبوی کا علم کہاں گیا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تیمم ایسے ہی سکھایا تھا، جیسے وضو کی تعلیم دی تھی۔

الرد: یہ اثر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں روایت نہیں کیا، بلکہ وہاں یہ روایت ہے کہ سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم اجمعین کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے غسل کی ضرورت ہوگئی اور پانی نہ مل سکا، تو عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا آپ کو یاد نہیں کہ ہم اور آپ سفر میں جنبی ہوگئے تھے، تو آپ نے تو نماز نہیں پڑھی اور میں [مٹی میں] چمٹ گیا اور نماز پڑھ لی، پھر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو بیان کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے صرف یہ کافی تھا [یہ کہہ کر] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں کو زمین پر مارا اور ان میں پھونک دیا، پھر ان سے اپنے منہ اور ہاتھوں پر مسح فرمالیا۔''❶

یہ بات معلوم شدہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنابت کے لیے تیمم کو جائز نہ سمجھتے تھے بلکہ آپ اس آیت مبارکہ کے ظاہر پر عمل کرتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ (المائدة: ٦)

''اور اگر جنبی ہو تو غسل کرلو۔''

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا﴾ (النساء: ٤٣)

''اور نہ اس حال میں کہ جنبی ہو، مگر راستہ عبور کرنے والے، یہاں تک کہ غسل کرلو۔''

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی پر باقی تھے، حتیٰ کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے آپ کو وہ واقعہ یاد دلانے کی کوشش کی، جو ان کے ساتھ پیش آیا تھا، مگر آپ کو یاد نہ آیا، اسی لیے آپ نے حضرت عمار سے کہا: اتق الله يا عمار، ''اے عمار! اللہ سے ڈرو'' (مسلم) امام نووی کہتے ہیں:

عمر رضی اللہ عنہ کے یہ کہنے: اے عمار! اللہ سے ڈرو'' کا مطلب یہ ہے کہ جو تم روایت کرتے ہو، اور جو چیز تم ثابت کرنا چاہتے ہو۔'' یعنی شاید کہ آپ بھول گئے ہوں، یا آپ پر معاملہ مشتبہ ہوگیا ہو، بے شک میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ مگر مجھے کوئی ایسی چیز یاد نہیں آرہی۔''❷

---

❶ البخاري: (٣٣٨) مسلم: (٣٦٨)

❷ النووي: (٤/ ٦٢)

اور جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر آپ چاہیں تو میں یہ واقعہ بیان کروں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا:

''ہم آپ کو اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف تم پھرے ہو، اور ہم اس کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے جو کچھ تم بیان کرتے ہو۔''

اس کا معنی یہ ہے کہ: میرے یاد نہ کر سکنے کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ معاملہ نفس امر میں حق نہ ہو۔ میں تمہیں اس کے بیان کرنے سے منع نہیں کرتا۔ (لیکن اس کی ذمہ داری بھی نہیں اٹھایا)۔ اس سارے معاملہ میں بات اتنی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ واقعہ یاد نہیں رہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ معصوم نہیں ہیں کہ اس چیز کو عیب سمجھا جائے۔

معترض کا یہ کہنا کہ آپ کا اس آیت تیمم سے متعلق علم کتاب اللہ کہاں گیا، اور سنت نبی کا علم کہاں گیا جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو تیمم کی تعلیم ایسے دیتے تھے، جیسے وضو کی تعلیم۔''

تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کو آیت قرآنی کا بھی علم تھا، اور سنت نبوی کا بھی۔ مگر مشکل یہ تھی کہ کیا اس آیت قرآنی کا حکم جنبی کو بھی شامل ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْجَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ (النساء: ٤٣)

''اور اگر تم بیمار ہو، یا سفر پر، یا تم میں کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو، یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو، پھر کوئی پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو۔''

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ جنبی اس آیت میں داخل نہیں۔ آپ آیت میں مذکور ملامسہ کو صرف لمس (یعنی ہاتھ سے چھونے) پر محمول کرتے تھے، جماع پر نہیں۔ اسی وجہ سے آپ کی رائے یہ بھی کہ جو کوئی عورت کو ہاتھ لگائے اس کے لیے وضو کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

## شبہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا متعہ کو حرام کرنا:

کہتے ہیں: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ صریح نصوص کتاب اور سنن نبویہ کے مقابلہ میں اجتہاد اور تاویل کرتے تھے۔ بلکہ قرآن حکیم کی صریح نصوص کے مقابلہ میں اپنی رائے سے فیصلہ کرتے تھے۔ جیسا کہ آپ کا یہ قول:

''دو متعہ عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تھے، میں ان سے منع کرتا ہوں، اور ایسا کرنے والے کو سزا دوں گا۔''

الجواب: جہاں تک متعہ حج (حج تمتع) کا تعلق ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے منع حرام کے طور پر نہیں کیا تھا، بلکہ آپ کی مراد لوگوں کی اس سے افضل چیز کی طرف رہنمائی کرنا تھی۔ یہاں پر نہی اولویت یعنی اولیت کی نفی ہے۔ جس میں عمرہ کو حج کیساتھ ملا کر تمتع کے بجائے حج قرآن کی ترغیب ہے۔ تا کہ بیت اللہ الحرام سال کے باقی دنوں میں عمرہ کرنے والوں سے خالی نہ رہے۔ اس لیے کہ تمتع میں سہولت تھی۔ اور اس طرح سے اشھر الحج کے علاوہ دیگر مہینوں میں عمرہ ترک کر دیا جاتا۔ پس اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ارادہ کیا کہ بیت اللہ عمرہ کرنے والوں سے

خالی نہ رہے، تو آپ نے علی سبیل الاختیار حج تمتع سے منع فرمایا، تحریم کے طور پر نہیں۔ وگرنہ آپ سے حج تمتع کی اباحت ثابت ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا میں تمہیں حج تمتع سے منع کرتا ہوں؛ حالانکہ یہ کتاب اللہ میں موجود ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کیا ہے؛ یعنی حج اور عمرہ ایک ساتھ۔'' [النسائی ۲۷۳۶]

اور صبیی بن معبد سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا:

''میں نے حج اور عمرہ کا احرام باندھا ہے۔''

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف ہدایت پالی۔'' ❶

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حج کے علاوہ دوسرے مہینوں میں عمرہ کرنا تمتع کے عمرہ سے اُفضل ہے۔ اس پر بہت سارے فقہاء کا اتفاق ہے۔ اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ آپ مطلقاً حج تمتع کو حرام کہتے تھے۔ صحیح مسلم میں ابراہیم کی اپنے والد سے روایت ہے، وہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، آپ فرمایا کرتے تھے:

''حج تمتع کا حکم صرف اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا۔'' ❷

اور جہاں تک متعہ نساء کا تعلق ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اپنی طرف سے حرام نہیں کیا تھا، بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حرام ٹھہرایا تھا۔ صحیح مسلم میں حضرت ربیع بن سبرہ الجہنی رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جس کے پاس مقررہ مدت نکاح والی عورتیں ہوں جن سے وہ فائدہ اٹھاتا ہے تو چاہیے کہ وہ انہیں آزاد کردے؛ اور جو کچھ ان خواتین کو دیدیا ہے؛ اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لیں۔''

بخاری اور مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو عورتوں کے متعہ میں نرمی کرتے ہوئے سنا تو فرمایا: ''ٹھہر جا اے ابن عباس رضی اللہ عنہ! کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے غزوہ خیبر کے دن منع فرمایا اور پالتو گدھوں کے گوشت سے بھی۔'' ❸

نکاح متعہ فتح مکہ والے سال حرام ہوا ہے۔ اس دوسری روایت میں کوئی اشکال نہیں ہے، جس میں ہے کہ نکاح متعہ خیبر کے موقع پر حرام ہوا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اس کی حرمت خیبر والے سال نہیں ہوئی۔ بلکہ خیبر کے موقع گھریلو گدھے کا گوشت حرام ہوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ متعہ اور گدھے کا گوشت، دونوں کو مباح سمجھتے تھے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس پر انکار اور رد کیا۔ اور فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح متعہ حرام ٹھہرایا ہے۔ اور خیبر کے موقعہ پر گھریلو گدھے کا گوشت بھی حرام ٹھہرایا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں چیزوں کو اس لیے ملا کر بیان فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ان دونوں کو مباح سمجھتے تھے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آپ کو حرمت کا حکم معلوم ہوا تو آپ نے سابقہ فتوی سے رجوع کرلیا۔ اسی لیے حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

❶ ابو داؤد: (۱۷۹۸) نسائی: (۲۷۲۱) ❷ مسلم: (۱۲۲٤) ❸ البخاری: (٥١١٥) مسلم: (١٤٠٧)

یہ کہنا کہ ''خیبر کے دن'' اس کا تعلق گدھے کے گوشت کے حکم سے ہے نہ کہ متعہ سے۔''❶

ابوعوانہ نے ''الصحیح'' میں کہا ہے: میں نے اہل علم سے سنا ہے، وہ کہہ رہے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن گھریلو گدھے کے گوشت سے منع کیا ہے، جب کہ متعہ پر سکوت اختیار کیا ہے۔ اس کی حرمت فتح مکہ کے موقع پر ہوئی ہے۔''❷

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: خیبر کے موقع پر متعہ حرام ہوا، پھر مباح ہوا پھر دوسری بار (فتح مکہ کے موقع پر) حرام ہوا۔ بہر حال فتح مکہ والے سال اس کے حرام کیے جانے پر اتفاق ہے، کہ اس کی حرمت زبان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہوئی ہے۔ اور پھر یہی حکم باقی رہا حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے۔ امامیہ علماء نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ اور انہوں نے وضاحت کی ہے کہ متعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے حرام ہوا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے حرام نہیں کیا۔ جب بہت سارے لوگوں کو اس کے حرام ہونے کا علم نہیں تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس طرف توجہ دلائی اور لوگوں میں اس کا اعلان کیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:❸

''جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ نے لوگوں میں خطبہ دیا۔ آپ نے فرمایا: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تین دن تک متعہ کی اجازت دی تھی، پھر اسے حرام کر دیا۔ اللہ کی قسم! اگر مجھے کسی آدمی کے بارے میں علم ہوا کہ اس نے متعہ کیا ہے، (اور وہ کنوارہ ہوا تو اسے کوڑے لگاؤں گا) اگر شادی شدہ ہوا تو اسے سنگسار کروں گا، یا پھر وہ چار گواہ لائے، جو گواہی دیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حرام کرنے کے بعد دوبارہ حلال کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سعید ابن مسیّب فرمایا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائیں، اگر آپ متعہ سے منع نہ کرتے تو دن دیہاڑے اعلانیہ زنا ہوتا۔''

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول اگر علی نہ ہوتا تو عمر ہلاک ہو جاتا:

الرد: اگر ہم فرضی طور پر اس جملہ کو صحیح بھی تسلیم کر لیں، تو پھر بھی یہ بات کہنے کے کچھ اسباب ہیں۔ وہ یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو رجم کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو بتایا کہ یہ لڑکی پاگل ہے۔ آپ نے اس پر حد لگانا ترک کر دیا، اور یہ جملہ ارشاد فرمایا۔

---

❶ فتح الباری (۹/ ۴۳) ❷ المصدر السابق: (۹/ ۷٤)

❸ مسلم ١٤٠٦ یہ پوری حدیث اس طرح ہے: حضرت ربیع بن سبرہ الجہنی رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نکاح متعہ کی اجازت دے دی؛ تو میں اور ایک آدمی بنی عامر کی ایک عورت کی طرف چلے جو نوجوان اور لمبی گردن والی تھی۔ ہم نے اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کیا۔ تو اس نے کہا تم مجھے کیا عطا کرو گے؟ میں نے کہا اپنی چادر اور میرے ساتھی کی چادر میری چادر سے زیادہ عمدہ تھی۔ اور میں اس سے زیادہ نوجوان تھا پس اس عورت نے جب میری طرف دیکھا تو مجھے پسند کیا۔ پھر اس نے کہا تو اور تیری چادر مجھے کافی ہے۔ پس میں اس کے ساتھ تین دن تک ٹھہرا رہا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جس کے پاس مقررہ مدت نکاح والی عورتیں ہوں جن سے وہ فائدہ اٹھاتا ہے تو چاہیے کہ وہ انہیں آزاد کر دے۔''

ایک دوسری روایت میں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک حاملہ عورت کو حد لگانا چاہتے تھے؛ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس طرف آپ کو توجہ دلائی۔ تو آپ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا۔ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے الاستیعاب میں اس طرف اشارہ کیا ہے، اور علامہ محب الطبری رحمہ اللہ نے الریاض النضرۃ میں یہ بتایا ہے۔ بالاضافہ ابن مطہر الحلی (رافضی) نے بھی یہ دونوں روایات اسی سیاق کے ساتھ نقل کی ہیں۔

پہلی روایت امام احمد نے "الفضائل" میں ابن ظبیان الجنبی سے نقل کی ہے؛[روایت اس طرح ہے]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک ایسی عورت کے پاس پہنچے جس نے زنا کیا تھا۔ تو آپ نے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا۔ لوگ اسے رجم کرنے کے لیے لے گئے۔ راستہ میں انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ ملے، انہوں نے پوچھا: اس عورت کا کیا ماجرا ہے؟ کہنے لگے: اس نے زنا کیا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھوں سے وہ عورت چھین لی؛ اور انہیں واپس کر دیا۔ جب وہ واپس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے انہوں نے پوچھا، کیوں واپس آگئے ہو؟ کہنے لگے: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمیں واپس کر دیا ہے۔ تو فرمایا: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کام ضرور کسی ایسی وجہ سے کیا ہوگا۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا لیا، جب آپ تشریف لائے تو غصہ میں لگ رہے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: "آپ نے ان لوگوں کو کیوں واپس کیا ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا آپ نے نہیں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "حکم اٹھا لیا گیا ہے، سوئے ہوئے سے، حتی کہ وہ بیدار ہو جائے؛ اور چھوٹے بچے سے حتی کہ وہ بالغ ہو جائے، اور پاگل سے حتی کہ وہ ہوش میں آ جائے۔"

آپ نے فرمایا: کیوں نہیں، ضرور سنا ہے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ فلاں قبیلہ کی مجنون عورت ہے، شاید اس کے ساتھ کوئی اس حالت میں یہ کام کر گیا جب اس کو ہوش ہی نہ ہو۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "مجھے اس بات کا علم نہیں۔"

تو فرمایا: "اگر علم نہیں تو اس کو رجم مت کرو۔"[1]

یہ قصہ جہاں کہیں بھی ذکر کیا گیا ہے، اس کو ہم نے تلاش کیا، مگر یہ الفاظ کہیں بھی نہیں ملے: "لو لا علیٌّ لھلك عمر" یہ الفاظ خود پکار کر کہہ رہے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے نہیں نکلے۔

اس کی حقیقت یہ ہے کہ آپ کو اس عورت کے پاگل پن کا علم نہیں تھا۔

اسی لیے آپ نے فرمایا: "میں نہیں جانتا" اس میں کوئی شک نہیں کہ دریں صورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ معذور تھے۔ اس لیے کہ ایک عورت کا معاملہ آپ پر مخفی رہا، اس میں آپ کا کوئی گناہ نہیں ہے۔ تو پھر آپ کیونکہ کہہ سکتے تھے کہ "لو لا علیٌّ لھلك عمر" اور عمر رضی اللہ عنہ کیونکہ ہلاک ہوتا؟ بالفرض اگر آپ نے بطور تواضع ایسا کہہ بھی دیا ہو، تو اس سے آپ پہ کوئی مذمت لازم نہیں آتی۔

---

[1] فضائل الصحابة: (۲/ ۷۰۷۔ ۱۲۰۹)

جہاں تک دوسری روایت کا تعلق ہے کہ آپ ایک حامل عورت کو رجم کرنا چاہتے تھے۔ یہ روایت ہم نے تلاش کی تو یہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ملی ہے۔ ابن ابی شیبہ نے ابوسفیان سے، اور اس نے اپنے مشائخ سے روایت کی ہے، کہ ایک عورت کا شوہر اس سے غائب ہوگیا۔ وہ کچھ دنوں کے بعد واپس آیا تو وہ حمل سے تھی۔ اس نے معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پیش کیا، تو آپ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا۔ تو حضرت معاذ نے کہا: اگر تمہیں اس کو رجم کرنے کی اجازت ہے، مگر اس کے پیٹ میں موجود بچے کو قتل کرنے کی اجازت نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسے بچے کی پیدائش تک کے لیے قید کر دو۔ پھر اس عورت نے دو دانت والے بچے کو جنم دیا، جب اس آدمی نے لڑکا دیکھا تو پکار اٹھا کہ یہ تو میرا ہی بیٹا ہے۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا:

''مائیں اب معاذ جیسے آدمی کو جنم دینے سے عاجز آ گئی ہیں۔ اگر معاذ نہ ہوتا نہ ہوتا تو عمر ہلاک ہو جاتا۔''❶

پھر اس کے بعد ابن ابی شیبہ نے کہا ہے، ہم سے خالد الاحمر نے حدیث بیان کی؛ وہ حجاج سے، وہ قاسم سے وہ اپنے والد، اور اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایسی ہی روایت نقل کی ہے۔ (المصدر السابق)۔

اس کی سند میں حجاج بن أرطاۃ ضعیف ہے، کثرت کے ساتھ تدلیس کرتا ہے۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''حجاج بن ارطاہ سے احتجاج نہیں کیا جاسکتا۔''

پس یہ روایت ضعیف ہے۔ اس میں کوئی حجت نہیں ہے۔ اور وہ روایت جس کا ذکر محب الطبری نے کیا ہے کہ: بے شک حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ایسی عورت کو رجم کرنے کا ارادہ کیا، جس نے چھ ماہ میں بچے کو جنم دیا تھا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ (الاحقاف: ۱۵)

''دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَّ فِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ﴾ (لقمان: ۱٤)

''دودھ چھڑانا دوسال میں ہے۔''

پس حمل کی مدت چھ ماہ ٹھہری اور دوسال پورے دودھ پلانا ہے۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو رجم کرنے کا ارادہ ترک کر دیا، اور فرمایا! ''لو لا عليٌّ لهلك عمر۔''

یہ روایت عقیلی نے تخریج کی ہے، اور ابن سمان ابوحزم بن ابو اسود سے روایت کی ہے۔''❷

میں کہتا ہوں: ان کا اس راوی کا نام ابوحزم بتانا خطا ہے۔ درست یہ ہے کہ اس کا نام ابوالحرب ابن ابی الاسود ہے۔

اس روایت کی سند میں عثمان بن مطر الشیبانی ہے۔

❶ مصنف ابن ابی شیبة: (٦/ ٥٥٨) ❷ الرياض النضره: (٢/ ١٦١)

یحییٰ بن معین اس کے متعلق کہتے ہیں: ''یہ اتنا ضعیف ہے کہ اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔ یہ کسی قابل ہی نہیں۔''
علی بن المدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''عثمان بن مطر بہت سخت ضعیف ہے۔''
ابوزرعہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''حدیث میں بہت کمزور ہے؛ منکر الحدیث ہے۔''
ابوحاتم رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''ضعیف الحدیث ہے۔ منکر الحدیث ہے۔
علامہ صالح البغدادی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اس سے حدیث نہ لکھی جائے۔''
امام ابوداؤد رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''ضعیف ہے۔''
امام نسائی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''ثقہ نہیں ہے۔''[1]
امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''منکر الحدیث ہے۔''
ابن حبان رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ عثمان بن مطران راویوں میں سے تھا جو ثقہ راویوں کے نام پر احادیث گھڑتے ہیں۔''[2]
اگر فرض کریں کہ یہ تمام روایات صحیح ہیں، تو پھر بھی، ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور آپ کی علمیت پر قدح وارد نہیں ہوسکتی۔ اس لیے کہ آپ خطاء یا لغزش کے وقوع سے معصوم نہیں ہیں کہ اس معاملہ کو آپ کی شان میں تنقیص کا ذریعہ بنا لیا جائے۔ اور نہ ہی آپ کے علم پر اس سے آنچ آتی ہے۔ اور نہ اس پر کہ اللہ تعالیٰ نے حق کو آپ کی زبان پر جاری کر دیا تھا۔ اس لیے کہ کئی ایک واقعات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی موافقت میں قرآن اتارا ہے۔ جب آپ پر لاکھوں میں سے ایک معاملہ مخفی رہ جائے، اور پھر آپ کو اس کی معرفت حاصل بھی ہو جائے۔ یا کوئی چیز آپ کو بھول جائے اور یاد دلانے پر یاد آجائے۔ تو اس میں عیب والی کونسی بات ہے۔ آپ کے علم وفقہ کی دلیل آپ کا حق کی طرف رجوع کرنا، اور اپنی رائے سے دست برداری کرنا ہے۔ تو کیا یہ مذمت یا عیب جوئی کی بات ہے؟

**شبہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان: تمام لوگ عمر سے بڑھ کر فقیہ ہیں......''**

الجواب: اگر اس روایت کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو تب بھی یہ ان الفاظ میں مروی نہیں کہ آپ نے یہ فرمایا ہو کہ: ''ہر ایک عمر سے بڑا فقیہ ہے۔''
اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بات کہنے کا بھی کوئی سبب ہے۔ مگر یہ طعنہ باز اس سبب کو چھپا کر یہ وہم دلانا چاہتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ایسے ہی کہا ہے۔ یہ پوری روایت سعید بن منصور نے سنن میں شعبی سے روایت کی ہے، کہتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے؛ لوگوں میں خطبہ دیا؛ حمد وثناء کے بعد کہا:
''لوگو! عورتوں کے مہر میں حد سے نہ بڑھو۔ اور اگر مجھے یہ اطلاع ملی کہ کسی نے اس سے زیادہ مہر دیا یا لیا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور بیٹیوں کے مہر سے زیادہ ہو؛ تو میں اسے بیت المال میں ڈال دوں گا۔ پھر آپ منبر سے نیچے اترے؛ تو قریش کی ایک عورت آپ کے سامنے آئی؛ اور اس نے کہا: ''آپ ہم سے وہ چیز کیوں روکتے ہیں جو

[1] تهذيب الكمال (١٩/ ٤٩٤)
[2] ميزان الاعتدال: (٣/ ٥٣)

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ہمارے لیے حلال کی ہے؟

آپ نے فرمایا: ''کتاب اللہ میں کہاں ہے؟

وہ کہنے لگی: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ﴾۔[النساء ۲۰]

''اور تم ان میں سے کسی کو ایک خزانہ دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔''

تو اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہر ایک عمر سے بڑا فقیہ ہے۔'' یہ جملہ آپ نے دو یا تین بار فرمایا۔

پھر منبر پر واپس گئے؛ اور فرمایا: ''میں نے تمہیں عورتوں کو زیادہ مہر دینے سے منع کیا تھا؛ پس جس کو جی چاہے اپنے مال میں ویسے ہی کرے۔'' [1]

یہ روایت سند اور متن دونوں اعتبار سے باطل ہے۔

سند کے لحاظ سے اس میں دو علتیں ہیں، پہلی علت: انقطاع امام بیہقی رحمہ اللہ نے یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: یہ روایت منقطع ہے، اس لیے کہ شعبی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔ [2]

ابن ابی رازی نے کتاب ''المراسیل'' میں کہا ہے، میں نے اپنے والد سے اور ابو زرعہ سے سنا، وہ کہہ رہے تھے امام شعبی رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت کیا ہے۔

دوسری علت: اس کی سند میں مجالد ہے، اس کے باپ کا نام سعید ہے۔ اس کے متعلق امام بخاری نے کہا ہے: ابن مہدی اور یحییٰ القطان رحمہ اللہ شعبی رحمہ اللہ سے اس کی روایات قبول نہیں کرتے تھے۔

امام نسائی رحمہ اللہ نے کہا ہے: اہل کوفہ میں سے ہے۔ ضعیف ہے۔

جوزجانی نے کہا ہے: مجالد بن سعید ضعیف احادیث روایت کرتا ہے۔''

ابن عدی رحمہ اللہ نے کہا ہے: ''میں نے احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے مجالد کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: ناقابل ذکر انسان ہے، ان منکر روایات کو بھی مرفوع بتاتا ہے جنہیں لوگ مرفوع نہیں کہتے۔ اسی وجہ سے لوگ اس سے کتراتے ہیں۔

اور ابن عدی رحمہ اللہ نے یہ بھی کہا ہے: اس کی اکثر روایات محفوظ نہیں ہوتیں۔

اور ابن معین رحمہ اللہ نے کہا ہے: یہ قوی راوی نہیں ہے اس کا حافظ آخری عمر میں بدلہ گیا تھا۔ [3]

---

[1] اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس عورت نے آپ سے یہاں تک کہا: ''کیا ہم آپ کی بات سنیں یا قرآن کی بات سنیں۔ تو آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ کتاب اللہ کی بات سنو۔ تو اس نے یہ آیت پڑھ کر سنائی؛ اس پر آپ نے فرمایا تھا: ''مرد نے غلطی کھائی اور عورت کی بات صحیح نکلی۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک عادل حکمران تھے۔ آپ کی رائے یہ تھی کہ عورت کے مہر کی شریعت میں مقدار مقرر ہونی چاہیے آپ کا نکتہ نظر یہ تھا کہ زیادہ مہر شرعی کا بھی یہی حکم ہونا چاہیے۔ (سعید بن منصور، رقم: ٥٩٥ ـ ٥٦٩)

[2] الضعفاء الصغیر: (٣٦٨)

[3] تقریب التهذیب: (٢/ ١٥٩) تهذیب لکمال: (٢٧/ ٢٢٢)

اور ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے: یہ ضعیف راوی ہے۔ اس کا حافظ آخری عمر میں بدلہ گیا تھا۔

جب کہ متن کے لحاظ سے اس میں نکارت پائی جاتی ہے، اس کے بذیل اسباب ہیں:

۱۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے صراحت کے ساتھ مہر میں غلو سے نہی صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے۔ ابو داؤد رحمہ اللہ نے ابو العجفاء اسلمی سے روایت کیا ہے: ''بہترین نکاح وہ ہے جس میں آسانی ہو۔'' ❶

اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مہر میں بہت زیادہ غلو سے منع کرتے تھے اس سے دوسری روایت کا بطلان ثابت ہو گیا۔

۲۔ اس روایت میں دوسری صحیح اور صریح نصوص کی مخالفت پائی جاتی ہے، جن مہر میں غلو سے اجتناب کی ترغیب، اور اس معاملہ میں نرمی برتنے کا حکم ہے، ان میں سے ایک روایت جو کہ سنن ابی داؤد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرمایا: '' بہترین نکاح وہ ہے جس میں آسانی ہو۔'' ❷

اور امام حاکم اور ابن حبان رحمہما اللہ نے موارد الظمان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، آپ فرماتی ہیں:

''رسول اللہ نے مجھ سے فرمایا: ''کون ہے جو عورت پر احسان کر کے اس کا معاملہ آسان کرے، اور مہر کم دے۔'' ❸

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا؛ اس نے عرض کیا کہ:

''میں نے ایک انصاری عورت سے شادی کی ہے۔''

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: ''کیا تو نے اسے دیکھا ہے کیونکہ انصاری عورتوں کی آنکھوں میں کچھ ہوتا ہے۔''

اس نے کہا: ''میں نے اسے دیکھا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تو نے اس سے کتنے مہر پر شادی کی''؟

اس نے کہا: ''چار اوقیہ پر۔''

تو اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''چار اوقیہ پر؛ گویا کہ تم اس پہاڑ سے چاندی کھود لاتے ہو؛ جو ہمارے پاس نہیں ہے۔ البتہ عنقریب ہم تمہیں ایک قافلہ میں بھیجیں گے تا کہ تجھے اس سے کچھ مل جائے۔'' ❹

اس کے علاوہ بھی دیگر احادیث ہیں جن میں مہر کم رکھنے کی ترغیب ہے۔

۳۔ یہ آیت جس سے اس عورت نے استدلال کیا، اور وہ اس کے مفہوم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی توجیہ کے منافی نہیں۔ اس کی آخری انتہا یہ ہو سکتی ہے کہ اس آیت میں وارد قنطار میں قادر انسان کے لیے زیادہ مہر دینے کا جواز ہے۔ جس

---

❶ سنن ابی داؤد (۲۱۰۶) ❷ سنن ابی داؤد: (۲۱۱۷)
❸ ابن حبان (٤٠٩٥) مستدرك الحاكم: (۲/ ۱۹۷، ۲۷۳۹)، موارد الظمان: (١٢٥٦) ❹ مسلم: (١٤٢٤)

کا مکلف عاجز اور غیر قادر اور غیر مستطیع کو نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا اس آدمی پر انکار ہے جس نے چار اوقیہ کے بدلہ ایک انصاری عورت سے شادی کر لی تھی۔ کیونکہ اتنا مہر ان کی حالت کے مناسب نہیں تھا۔ یہ تو اس وقت ہوگا جب آیت مہر میں غلو پر دلالت کرتی ہو۔ یہ معلوم ہونا چاہیے کہ آیت کریمہ مہر میں غلو کے مباح ہونے دلالت نہیں کرتی بلکہ یہ مبالغہ اور کثرت کے اعتبار سے ایک تمثیل ہے۔

## شبہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور مسئلہ کلالہ سے لاعلمی:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مسئلہ کلالہ پوچھا گیا، مگر آپ کو علم نہیں تھا۔

جواب: صحیح مسلم میں معدان بن ابی طلحہ سے معدان بن ابی طلحہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن اپنے خطبہ میں اللہ کے نبی ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا؛...... پھر فرمایا:

''......اور میں اپنے بعد کسی چیز کو اتنا اہم نہیں سمجھتا جتنا اہم میرے نزدیک کلالہ ہے اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے کسی چیز کے بارے میں اتنا نہیں پوچھا جتنا کہ کلالہ کے بارے میں پوچھا۔ اور آپ ﷺ نے کسی چیز میں اتنی سختی نہیں فرمائی جتنی کہ اس مسئلہ میں۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اپنی انگلی مبارک میرے سینے میں ماری پھر فرمایا:

''اے عمر کیا تجھے وہ آیت کافی نہیں جو گرمیوں کے موسم میں سورت النساء کے آخر میں نازل ہوئی:

﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ﴾۔[النساء ۱۷۶]

''آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں کہہ دو اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں حکم دیتا ہے۔''

''اور اگر میں زندہ رہا تو کلالہ کے بارے میں ایسا فیصلہ کروں گا جس کے متعلق ہر آدمی جس نے قرآن پڑھا ہو یا نہ پڑھا ہو اس کے بارے میں فیصلہ کرے گا......۔''[1]

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ کلالہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عدم معرفت سوئے فہم یا قصور علم کی وجہ سے نہ تھی۔ بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی کریم ﷺ یہ چاہتے تھے کہ آپ کو اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو نصوص سے استنباط کا عادی اور ماہر بنایا جائے۔ پس آپ پر اس مسئلہ کی نص صریح مخفی تھی تو آپ نے اس آیت کی طرف رہنمائی کرنے میں کفایت سمجھا، کیونکہ اسے معنی کلالہ تک پہنچنے میں کافی ہو جائے گی۔ جیسا کہ اس قول میں ہے: اے عمر! کیا آپ کے لیے آیت صیف کافی نہیں ہے جو کہ سورت نساء کے آخر میں ہے۔''

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شاید کہ نبی کریم ﷺ نے اس لیے سختی برتی ہو کہ آپ کو اندیشہ محسوس ہوا ہو کہ کہیں عمر اور دوسرے صحابہ صرف نص صریح پر ہی توکل کر لیں، اور نصوص سے استنباط کرنا چھوڑ دیں، فرمان الٰہی ہے:

﴿وَلَوْ رَدُّوْهُ إِلَى الرَّسُوْلِ وَإِلٰى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ﴾ (النساء: ۸۳)

[1] مسلم: (۱۶۱۷)

''اور اگر وہ اسے رسول کی طرف اور اپنے حکم دینے والوں کی طرف لوٹاتے۔''

استنباط کا اہتمام کرنا مطلوب واجبات میں سے تاکیدی امر ہے۔ کیونکہ صریح نصوص صرف تھوڑے سے پیش آمدہ مسائل کے لیے کفایت کرسکتی ہیں۔ اور اگر استنباط میں اہمال برتا جائے تو اکثر یا بعض احکام نوازل میں فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔'' ❶

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے پر گامزن تھے۔ ان کی رائے میں کلالہ وہ ہے جس کے نہ ہی والدین باقی ہوں اور نہ ہی اولاد ہو۔'' اس پر ان کے بعد جمہور علماء کا اتفاق ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی یہی رائے رکھتے تھے۔

## شبہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غزوہ حنین سے فرار:

معترض کہتا ہے: ''عمر رضی اللہ عنہ معرکہ حنین میں شکست کھا کر بھاگ گئے تھے۔''

رد: امام ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں جو لوگ حنین کے دن ثابت قدم رہے، ان میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔

امام طبری رحمہ اللہ نے کہا ہے: جس بھاگنے کی ممانعت ہے، وہ ایسا بھاگنا ہے جس میں واپس آنے کی نیت شامل نہ ہو۔ رہ گیا کثرت کے مقابلہ کے لیے چال بدلتے ہوئے پیچھے ہٹنا، تو یہ جماعت کے ساتھ ملنے والوں کی طرح ہے۔

عبدالرحمٰن بن جابر اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مہاجرین وانصار اور اہل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین کا ایک جتھا باقی رہ گیا تھا۔ اور مہاجرین میں ثابت قدم رہنے والوں میں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اور اہل بیت میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب اور حضرت عباس بن عبدالمطلب، ان کا بیٹا فضل، ابو سفیان ابن الحارث؛ ربیعہ بن حارث، ایمن بن عبید۔ ایمن بن ام ایمن۔ اور اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم اجمعین شامل تھے۔'' ❷

## شبہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بعض اہل شوریٰ کو قتل کرنے کا حکم:

معترض کہتا ہے: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جب اہل شوریٰ میں اختلاف ہو جائے، تو جو لوگ کم ہوں، ان کو قتل کردو۔ یعنی جب چار کا اتحاد تین کے خلاف ہو جائے تو تین کو قتل کردو۔ اور جب پانچ دو کے خلاف جمع ہو جائیں تو دو کو قتل کردو۔ اور اگر چھ ایک کے خلاف جمع ہو جائیں تو ایک کو قتل کردو۔ انہوں نے پوچھا اے امیر المؤمنین! میں انہیں قتل کردوں؟ فرمایا: ہاں قتل کردو، میں مسلمانوں کے مابین، اختلاف نہیں دیکھنا چاہتا۔''

جواب: یہ روایت سند اور متن ہر لحاظ سے باطل ہے۔ اور اصحاب شوریٰ کی جو صحیح حقیقت ثابت ہے، اس کے مخالف ہے۔''

حقیقت میں معاملہ ایسے ہے کہ اس جزوی مسئلہ، قصہ شوریٰ کے متعلق صحیح روایت امام ابوبکر الخلال نے صحیح اسانید سے روایت کیا ہے جو کہ عمرو بن میمون کی سند سے ہے۔

---

❶ شرح لنووی: (۱۱/ ۵۷)

❷ تاریخ الرسل والملوك: (۲/ ۱٦۸)

وہ کہتا ہے کہ: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موت کا وقت قریب آیا، تو آپ نے فرمایا: حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، وزبیر رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد رضی اللہ عنہما کو میرے پاس بلالاؤ۔ ان میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان کے علاوہ کوئی نہ آیا۔ آپ نے فرمایا:

''اے علی! یقیناً یہ لوگ آپ کی قرابت داری کو بھی جانتے ہیں، اور جو کچھ اللہ تعالیٰ آپ کو دین کا علم اور فقہ عطا کیا ہے اسے بھی جانتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہو۔ اور اگر تمہیں زمام حکومت مل جائے تو بنی فلان کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط مت کر دینا۔

اور عثمان سے کہا: اے عثمان یہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے تیرے سرالی رشتہ کو اور آپ کی عمر اور شرف و منزلت کو جانتے ہیں۔ اگر آپ کو زمام حکومت مل گئی تو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہنا۔ اور بنی فلاں کو لوگوں کی گردنوں مسلط نہ کر دینا۔ پھر آپ نے فرمایا: صہیب کو میرے پاس بلالاؤ۔ ان سے کہا: تم تین دن تک لوگوں کو نماز پڑھاؤ۔ تاکہ یہ لوگ کسی ایک پر اتفاق کر لیں۔ اور اس گروہ کو خلوت نشین رہنا چاہیے۔ اور جب ان کا ایک پر اتفاق ہو جائے۔ تو مخالفت کرنے والے کے سر کو قلم کر دو۔'' [1]

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شوریٰ کی مخالفت کرنے والے کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا جو منتخب شدہ خلیفۃ المسلمین انکار کرے، اور اپنی خلافت کا دعویدار بنا پھرے۔ یہ صحیح حدیث پر عمل ہے۔ [2]

## شبہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے حد زنا کا اسقاط:

ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر زنا کی حد نہیں لگائی، حالانکہ چار آدمیوں نے گواہی پیش کی تھی۔ چوتھے نے ایسا کلمہ کہا جس سے حد کو ختم کر دیا۔ جب یہ چوتھا آدمی گواہی دینے کے لیے آیا تو آپ نے کہا: میں ایسے آدمی کا چہرہ دیکھ رہا ہوں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کو رسوا نہیں کریں گے۔

جواب: حد کا نفاذ اس کے ثبوت کے پر ہوتا ہے۔ یہاں تو زنا ثابت ہی نہیں ہو سکا۔ کیونکہ چوتھے گواہ نے اس طرح گواہی دی ہی نہیں جس طرح دینا چاہیے تھی۔ اور آپ کا شاہد کو تلقین کرنا ایک جھوٹا افسانہ ہے جو کہ دشمنان نے گھڑ لیا ہے۔

کیونکہ معتبر تاریخ جیسا کہ تاریخ بخاری، اور ابن اثیر اور دوسرے مصادر میں ہے کہ جب چوتھا گواہ زیاد بن ابیہ آیا تو اس سے پوچھا گیا، کیا تم بھی اپنے ساتھیوں کی طرح گواہی دیتے ہو؟ اس نے کہا: مجھے صرف اس قدر علم ہے کہ میں ایک جگہ پر کچھ نفوس دیکھے، جن کی سانسیں پھولی ہوئی تھیں اور وہاں کچھ حرکت ہو رہی تھی۔ اور اس کے پیٹ کے نیچے کچھ چھپا ہوا تھا، اور دو آدمی تھے جیسے گدھے کے کان۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا، کیا تم نے ایسے دیکھا ہے جیسے سرمہ کی سلائی سرمہ دانی میں۔ تو اس نے کہا نہیں۔ اس وقت مجلس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کئی دیگر صحابہ بھی موجود تھے۔ اور ایک روایت کے الفاظ ہیں: ''میں ایسے آدمی کا

[1] تاریخ دمشق: (۳۹/ ۱۹۱) [2] مسلم: (۱۸۵۲)

چہرہ دیکھ رہا ہوں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں سے ایک آدمی کو رسوا نہیں کریں گے۔ یہ جملہ حضرت مغیرہ نے اس وقت کہا تھا۔ جیسا کہ فریق مدعیٰ علیہ کا گواہوں کے ساتھ مؤقف ہوتا ہے۔

شبہ: خمس اہل بیت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ:

شبہ: حضرت عمر نے اہل بیت کو خمس سے ان حصہ نہیں دیا، جو کہ قرآن سے ثابت ہے۔

جواب: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فعل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے موافق ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ذوی القربیٰ کا حصہ خمس سے نکالا کرتے تھے، اور اسے فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتا تھا۔ حنفیہ کا فتویٰ بھی اسی پر ہے۔ اور امامیہ کے ہاں ایک بڑی جماعت اسی کی قائل ہے۔ جب کہ شافعیہ کا قول یہ ہے کہ خمس الخمس میں امیر و فقیر برابر کے شریک ہیں۔ اور یہ ان میں ایسے تقسیم ہوگا کہ ہر مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔ اور یہ صرف بنو ہاشم اور بن مطلب میں تقسیم ہوگا، دوسروں میں نہیں۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آسوہ پر گامزن رہے۔ امام طحاوی اور دار قطنی رحمہما اللہ نے محمد بن اسحق رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، آپ نے فرمایا: میں نے ابوجعفر محمد بن الحسن سے پوچھا: جب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو ذوالقربیٰ کے حصہ میں کیسے تصرف کرتے تھے۔ تو آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! وہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت پر گامزن رہے تھے۔" ❶

نماز تراویح کا شبہ:

ایک شبہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دین میں ایسی چیزیں ایجاد کیں جو کہ پہلے سے موجود نہیں تھیں۔ جیسا کہ باجماعت نماز تراویح کا قیام بھی ایک بدعت ہے۔ جیسا کہ خود انہوں نے اعتراف کیا ہے۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

جواب: اہل سنت والجماعت کے ہاں مشہور و متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تین دن تک باجماعت نماز تراویح پڑھی۔ یہ رمضان کی راتوں کا واقعہ ہے۔ پھر آپ چوتھے دن اس اندیشہ کے پیش نظر تشریف نہ لائے کہ ہیں امت پر یہ فرض نہ ہو جائے۔" ❷

جب علت محذور زائل ہوگئی، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس خوبصورت سنت کو پھر سے زندہ کیا۔ فریقین کے ہاں ایک مسلمہ اصول ہے کہ جب کوئی حکم کسی علت کے ساتھ مقید ہو، جس پر شارع کی طرف سے نص موجود ہو، تو علت کے زائل ہونے سے وہ حکم اٹھ جاتا ہے۔ رہ گیا یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس کے بدعت ہونے کا اعتراف کرنا، جیسا کہ آپ نے فرمایا "نعمت البدعة هي" یہ ایسی چیز ہے جو کہ عہد رسالت مآب میں نہیں تھی۔"

---

❶ شرح معاني الآثار: (۳/ ۳۴۳) سنن الكبرى بيهقي: (٦/ ٣٤٣)

❷ البخاري: (٩٢٤) مسلم: (٧٦١)

اگر اسے بدعت کا نام دیا بھی جائے تو یہ بدعت حسنہ ہے۔ اور سابقہ حدیث ان ایجادات کے ساتھ خاص ہے جن کی کوئی اصل شریعت میں موجود ہی نہ ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے تعریض اور تنبیہ کے طور ان لوگوں کے لیے کہا ہو، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق بدگمانی کا شکار ہوتے ہوں۔ آپ کی مراد یہ ہو کہ اگر یہ معاملہ بعض بدگمان لوگوں کے نزدیک بدعت ہے تو پھر یہ بہترین بدعت ہے۔ اس کا حقیقی معنی یہ ہوا کہ یہ کام بدعت نہیں ہے۔ اس کی مثال حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کا یہ شعر ہے۔

وان کـــان رفـــضـــاً حـــبُّ آل مـــحـــمـــدٍ
فـــلـــیـــشـــهـــد الـــثـــقـــلان بـــانـــي رافـــضـــي

''اگر آل محمد سے محبت رکھنا رافضیت ہے، تو جن وانس کو گواہ رہنا چاہیے کہ میں رافضی ہوں۔''

آپ کا مقصد یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ جو کوئی آل بیت سے محبت رکھتا ہو، وہ رافضی بھی ہو، یہی معنی یہاں پر مطلوب بھی ہے۔ اگر یہ کام بدعت ہوتا تو اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اس پر کبھی خاموش نہ رہتے اور نہ ہی کبھی بھی اس پر موافقت کا اظہار کرتے۔ پھر یہ بھی جان لینا چاہیے کہ امامیہ نے اپنی اسناد سے حضرت ابوجعفر سے روایت کیا ہے آپ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے آخری جمعہ میں لوگوں میں خطبہ دیا، اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی، پھر فرمایا: اے لوگو! تم پر ایسا مہینہ سایہ فگن ہے جس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے یہ رمضان کا مہینہ ہے۔ اس کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کیے ہیں۔ اور اس کی ایک رات میں نفل نماز کے لیے قیام دوسرے مہینوں کی ستر راتوں کے قیام کے برابر ہے۔''❶

حضرت ابوعبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''جب رمضان کا مہینہ آجاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ نمازیں پڑھا کرتے۔ میں بھی زیادہ پڑھتا ہوں میں تم بھی زیادہ پڑھا کرو۔''❷

رمضان میں زیادہ نماز پڑھنے کی بابت یہ صریح نص ہے۔ بلکہ امام جعفر خود یہ نماز زیادہ پڑھا کرتے، اور اس کی تربیت دیا کرتے۔ محمد بن یحییٰ سے روایت ہے کہا کہ: میں ابوعبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، آپ سے سوال کیا گیا: کیا رمضان کے مہینہ میں نفل نماز زیادہ پڑھی جاسکتی ہے؟

تو آپ نے فرمایا! ہاں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشاء کے بعد اپنے مصلّٰی پر نماز پڑھا کرتے اور بہت زیادہ پڑھا کرتے۔ اور لوگ آپ کے پیچھے جمع ہو جاتے تاکہ آپ کی نماز کی اقتدا میں نماز پڑھ سکیں۔ جب آپ کے پیچھے یہ تعداد بہت زیادہ ہوگئی، تو آپ نے ان کو چھوڑ دیا، اور اپنے گھر میں داخل ہوگئے۔ اور ایسا آپ نے کئی بار کیا تھا۔❸

---

❶ الكافي: (٤/ ٦٦) تهذيب الاحكام: (٣/ ٥٧)

❷ تهذيب الا حكام: (٣/ ٦٠) وسائل اشيعه: (٥/ ١٧٤)

❸ تهذيب الاحكام: (٣/ ٦١)

رسول اللہ ﷺ ماہ رمضان میں زیادہ نماز پڑھا کرتے تھے۔ یہ نماز عشاء کے بعد پڑھتے۔ لوگ بھی آپ کے پیچھے کھڑے ہو جاتے۔ کبھی کبھار آپ ان کو چھوڑ کر گھر میں داخل ہو جاتے۔ پھر آپ باہر تشریف لاتے اور صحابہ بھی آ کر آپ کے پیچھے کھڑے ہو جاتے۔ آپ پھر انہیں چھوڑ کر گھر میں داخل ہو جاتے۔ نیز آپ فرماتے ہیں۔ رمضان کے علاوہ کسی دوسرے مہینہ میں عشاء کے بعد کوئی نماز نہ پڑھا کرتے تھے۔ ❶

## شبہ: ایک مجلس کی تین طلاق کی بدعت:

الجواب: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بدعت ایجاد نہیں کی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہرگز بدعت ایجاد کرنے والے نہیں تھے۔ بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی ایک بھی بدعتی نہیں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ سیاست شریعت سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ تشریع سے۔ ان دنوں کے مابین فرق ہے۔

**تشریع**:...... ایسا معاملہ ایجاد کرنا جو کہ پہلے سے شریعت اسلام میں موجود نہ ہو۔ جبکہ شرعی سیاست: یہ کہ کسی شروع معاملہ میں لوگوں کو سنجیدگی اور پختہ عزم کے ساتھ ایک ہی راہ پر ڈال دینا ہے۔

اور یہ بات بھی شرعی سیاست سے تعلق رکھتی تھی کہ لوگوں میں تین طلاق کے فیصلہ کو نافذ کیا جائے، یعنی انہیں تین ہی تصور کیا جائے۔ یہ شریعت سازی نہیں۔ تشریع سازی تو تب ہوتی جب کوئی ان تین طلاقوں کے ساتھ ایک چوتھی طلاق بھی زیادہ کر دی جاتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی رائے کے قائل تھے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دور خلافت عمر رضی اللہ عنہ کے دو سال تک تین طلاق ایک ہی شمار کی جاتی تھیں سو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا اس حکم میں جو انہیں مہلت دی گئی تھی جلدی شروع کر دی ہے پس اگر ہم تین ہی نافذ کر دیں تو مناسب ہوگا چنانچہ انہوں نے تین طلاق ہی واقعہ ہو جانے کا حکم دے دیا۔" (رواہ مسلم)

اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی موافقت کی، صحابہ اس وقت کثرت کے ساتھ تھے۔

## شبہ: الصلاۃ خیر من النوم کا اذان میں اضافہ:

کہتے ہیں کہ پھر آپ لوگ اس کی بدعت کو کیوں قبول کرتے ہو، جو کہ اس نے جملہ "الصلاۃ خیر من النوم" اذان میں داخل کیا اسے کس نے یہ حق دیا کہ نصوص نبوی اور وحی الٰہی کے مقابلہ میں اضافہ کرے۔

جواب: یہ قول "الصلاۃ خیر من النوم" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مخترعات میں سے نہیں، بلکہ یہ (رسول اللہ ﷺ سے) ایک ثابت شدہ سنت ہے، حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ: "مجھے اذان کا طریقہ سکھا دیجئے۔"

❶ الاستبصار: (۱/ ۴۶۱)

آپ ﷺ نے میرے سر پر آگے کی جانب ہاتھ پھیرا اور فرمایا:

پہلے باآواز بلند اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر پھر آہستہ سے کہو: اشھد ان لا إله إلا الله ؛ اشھد ان لا إله إلا الله اور پھر کہو: اشھد ان محمدا رسول الله اشھد ان محمدا رسول الله؛ اور پھر بلند آواز سے دونوں کلمے دہراؤ کہو: اشھد ان لا إله إلا الله؛ اشھد ان لا إله إلا الله۔ اشھد ان محمدا رسول الله اشھد ان محمدا رسول الله اور پھر کہو: حی علی الصلوٰة حی علی الصلوٰة ؛ حی علی الفلاح حی علی الفلاح؛ اور اگر صبح کی اذان ہو تو یوں کہو: الصلواة خير مِن النوم ؛ الصلواة خير مِن النوم پھر الله اکبر الله اکبر ؛ لا إله إلا الله کہو۔"❶

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "میں نبی کریم ﷺ کے سامنے فجر کی پہلی اذان دیا کرتا تھا؛ حی علی الصلوٰة ؛ حی علی الفلاحِ؛ کے بعد کہتا: الصلواة خير مِن النوم ؛ الصلواة خير مِن النوم پھر الله اکبر الله اکبر ؛ لا إله إلا الله۔"❷

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ: "الصلاة خير من النوم" کا جملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایجاد کردہ بدعت نہیں ہے۔

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بددعا:

کہتے ہیں کہ: جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جاگیر فدک کے بارے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو وعظ کیا، تو انہوں نے اس بارے میں ایک تحریر لکھ کر دی؛ جس میں جاگیر فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو واپس کی گئی تھی۔ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا وہاں سے نکلیں تو ان کی ملاقات عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہوگئی، انہوں نے یہ تحریر لے کر جلادی۔ تو آپ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بددعا دی، جس کے نتیجہ میں ابولؤلؤ نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیا۔"

جواب: یہ ایسا جھوٹ ہے جس میں کسی عالم کو ذرا بھر بھی شک نہیں۔ یہ قصہ حدیث کا علم رکھنے والے کسی بھی عالم نے روایت نہیں کیا، اور نہ ہی اس کی کوئی معروف سند ہے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کبھی بھی جاگیر فدک ان کو لکھ کر نہیں دی۔ نہ ہی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نہ ہی کسی دوسرے کو اور نہ ہی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بددعا کی۔

اور جو کچھ ابولؤلؤ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا، یہ آپ کے حق میں کرامت تھا اور یہ اس سے کئی گنا بڑھ کر ہے جو ابن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا۔ اور جو کچھ قاتلین حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا، بلاشک ابولؤلؤ کافر تھا۔ اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایسے ہی قتل کیا جیسے کفار اہل ایمان کو قتل کرتے ہیں۔ یہ شہادت اس کی شہادت سے زیادہ بڑھ کر ہے جس میں مسلمان کسی مسلمان کو قتل کر دیں۔ کافروں کے ہاتھوں قتل ہونے والے کا مقام و مرتبہ، مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہونے والے سے بہت بڑا ہوتا ہے۔

❶ مسند احمد: (١٥٤١٦) سنن ابو داؤد (٥٠٠)

❷ سنن النسائی: (٦٣٣)

ابولؤلؤ کے ہاتھوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل ہونے کا واقعہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی موت کے بہت بعد کا ہے۔اس میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی مدت کا فاصلہ ہے سوائے چھ ماہ کے؛تو پھر یہ کیسے معلوم ہوا کہ اتنی مدت بعد آپ کا قتل ہونا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بددعا کی وجہ سے تھا۔نیز جب دعا کرنے والا کسی مسلمان کو یہ بددعا دے کہ:''تمہیں کافر قتل کریں۔''تو یہ اس کے حق میں دعا ہے بددعا نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض کے لیے کبھی کبھار ایسی دعا فرمایا کرتے تھے۔جب آپ کسی کے لیے کہتے:اللہ تعالیٰ فلاں کی مغفرت کر دے۔تو صحابہ کہتے:''کاش!اگر ان سے ہمیں مستفید ہونے دیا ہوتا۔''❶

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے لیے ان الفاظ میں دعا کیا کرتے تو وہ شہید ہو جاتا۔

اگر کہنے والا یہ کہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اہل صفین اور خوارج پر ظلم کیا تھا،حتی کہ انہوں نے آپ کو بددعا دی،جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن ملجم نے آپ کو قتل کر دیا،تو[پھر ان کے اصول میں]یہ بات بھی معقولیت سے کچھ زیادہ بعید نہیں۔

اور ایسے ہی دعوی کرنے والے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ:آل سفیان نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو بددعا دی تھی۔جس کے نتیجہ میں آپ قتل ہوئے۔(مگر یہ سب صرف دعوے ہیں جن کی کوئی دلیل یا حقیقت نہیں)۔

## شبہ:اُزواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المال سے ضرورت سے زیادہ دینا:

شبہ:آپ اُزواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المال سے ضرورت سے زیادہ دیا کرتے تھے۔

جواب:حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے اپنی بیٹی ہونے کی وجہ سے انہیں کم دیا کرتے تھے۔جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو کم حصہ دیا کرتے تھے۔یہ عدل میں آپ کے کمال احتیاط کی وجہ سے تھا۔آپ کو اللہ کے سامنے پیش ہونے کا خوف تھا۔آپ اپنے نفس کو خواہشات سے بہت زیادہ روکنے والے تھے۔آپ کی رائے میں فضائل کی بنیاد پر عطیات میں فضیلت دی جا سکتی تھی۔آپ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو دوسری خواتین کی نسبت بہت زیادہ دیا کرتے تھے۔

جیسا کہ آپ بنی ہاشم میں سے آل عباس اور آل اَبی طالب رضی اللہ عنہم کو دیگر تمام قبائل کی نسبت بہت زیادہ دیا کرتے تھے۔آپ کا کسی کو فضیلت دینا اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق،یا اس کی اسلام میں سبقت یا کسی دوسری فضیلت کی وجہ سے ہوا کرتا تھا۔آپ فرمایا کرتے تھے:

''اس مال کا کوئی ایک کسی دوسرے سے زیادہ حق دار نہیں،بے شک یہ انسان اور اس کی تونگری،انسان اور اس کی آزمائش،اور کسی کی مسابقت یا کسی آدمی کی ضرورت کے اعتبار سے ہے۔''

آپ ان لوگوں کو زیادہ نہیں دیا کرتے تھے جن کی وجہ سے آپ پر الزام آئے کہ آپ اپنی محبت،دوستی یا قرابت داری کی وجہ سے دیتے ہیں۔بلکہ آپ اپنے بیٹے اور بیٹی کو کم دیا کرتے تھے جب کہ ان کے نظراء وامثال کو زیادہ ملتا تھا۔آپ یہ فضیلت محض دینی اسباب کی بنیاد پر دیا کرتے تھے۔اور آپ اہل بیت نبوی کو باقی تمام لوگوں پر فضیلت اور تقدیم دیتے تھے۔

❶ البخاری (٤١٩٦) مسلم:(١٨٠٢)

# حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق شبہات

## شبہ: حضرت عثمان کے قتل پر صحابہ کا اجماع:

کہتے ہیں: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والے خود صحابہ ہیں، ان میں پیش پیش حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اُم المومنین ہیں، جو کہ آپ کو قتل کرنے اور آپ کا خون مباح ہونے کی منادی تمام لوگوں کے سامنے کرتی تھیں۔ اور صحابہ نے آپ کا جثہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں ہونے دیا۔ پھر آپ کو بغیر غسل اور کفن کے ایک ڈھیر میں دفن کر دیا گیا۔

جواب: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک تھے اور نہ ہی اس پر راضی تھے۔ بلکہ اس کے برعکس صحابہ آپ کے دفاع کے لیے آپ کے پہلو بہ پہلو کھڑے تھے۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو فتنہ پھیلنے کا خوف تھا۔ اس لیے آپ نے اپنے دفاع سے منع کر دیا۔ آپ کو علم تھا کہ آپ بحالت مظلومیت قتل کر دیے جائیں گے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو اس کی بشارت سنائی تھی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فتنہ کا ذکر کیا گیا، تو فرمایا: ''اور اس فتنہ میں یہ مظلوم قتل ہوگا۔'' یعنی حضرت عثمان۔

امام بخاری نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

''...... پھر ایک اور شخص نے اجازت مانگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھوڑی دیر خاموش رہے اور اس کے بعد فرمایا کہ: ''اس کو آنے کی اجازت دو اور اس کو جنت کی بشارت دو اس مصیبت پر جو اس کو پہنچے گی۔''

دیکھا تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔'' [1]

بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دفاع میں شریک تھے۔ اور انہوں نے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ پر اپنے غضب کا اعلان کیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود ہاتھ اٹھا کر قاتلین عثمان پر لعنت کیا کرتے تھے۔

عبدالرحمن بن لیلی کہتے ہیں: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا؛ آپ اپنے دامن اٹھائے ہوئے دعا کر رہے تھے:

''اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں خون عثمان سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔''

عمیرہ بن سعد کہتے ہیں: ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ فرات کے کنارے پر تھے۔ آپ نے فرمایا:

---

[1] البخاری: ٣٦٩٥ اس روایت کے پہلے حصہ کے الفاظ یہ ہیں: ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی باغ میں تشریف لے گئے اور مجھ کو دروازہ کی حفاظت کا حکم دیا۔ پھر ایک شخص نے اندر آنے کی اجازت طلب کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کو اجازت دے دو اور اس کو جنت کی بشارت بھی دے دو۔ دروازہ کھول کر میں نے دیکھا تو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ پھر ایک اور شخص نے اندر آنے کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اس کو بھی آنے کی اجازت دو اور اس کو بھی جنت کی بشارت دے دو۔'' دروازہ کھول کر دیکھا تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔

وہاں سے ایک کشتی کا گزر ہوا جس کے بادبان اٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ﴾ (الرحمن: ٢٤)

''اور اسی کے ہیں بادبان اٹھائے ہوئے جہاز سمندر میں، جو پہاڑوں کی طرح ہیں۔''

وہ ذات جس نے انہیں اپنے سمندروں میں سے ایک سمندر میں پیدا کیا، اس کی قسم ہے! میں نے نہ ہی عثمان کو قتل کیا، اور نہ آپ کے قاتلین پر خوش ہوا۔'' [1]

اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا: میرے ساتھ پانچ سو افراد ہیں۔ آپ اجازت دیں ہم ان لوگوں سے آپ کی حفاظت کریں۔ اس لیے کہ آپ ایسا کام کر رہے ہیں جس سے یہ لوگ آپ کو قتل کر دیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ میری وجہ سے خون بہایا جائے۔'' (تاریخ دمشق)

حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کی اولادیں بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دفاع میں شریک تھیں۔ محمد بن سیرین سے روایت ہے: حضرت حسن اور حضرت حسین اور حضرت عبداللہ ابن عمر؛ ابن زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین اور مروان یہ تمام لوگ اسلحہ اٹھائے ہوئے چلے، حتیٰ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ تم اپنے گھروں کو پلٹ جاؤ، اور اسلحہ رکھ دو، اور اپنے گھروں میں بیٹھے رہو۔'' [2]

کنانہ مولیٰ صفیہ کہتے ہیں: ''میں مقتل عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت موجود تھا میرے سامنے اس دار سے چار قریشی نوجوان خون آلود نکالے گئے جو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت کر رہے تھے یہ نوجوان حضرت حسن رضی اللہ عنہ بن علی، حضرت عبداللہ بن زبیر، اور محمد بن حاطب اور مروان بن حکم تھے۔ [3]

اور حضرت سلمہ بن عبدالرحمن کہتے ہیں: ''بے شک ابوقتادہ الانصاری اور ان کے ساتھ ایک دوسرا انصاری حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت محصور تھے۔ انہوں نے حج پر جانے کی اجازت چاہی۔ تو آپ نے اجازت دیدی۔ پھر انہوں نے پوچھا: اگر یہ لوگ غالب آگئے، تو ہم کس کا ساتھ دیں۔ فرمایا: تم پر جماعت کی اتباع لازم ہے۔ انہوں نے پھر کہا: اگر یہ لوگ آپ کو کوئی تکلیف پہنچائیں، اور جماعت ان میں ہو تو؟ آپ نے فرمایا:

''جماعت کا ساتھ دو، وہ جہاں کہیں بھی ہو۔''

کہتے ہیں: جب ہم ان کے پاس سے نکلے اور دروزہ تک پہنچے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، وہ اندر داخل ہو رہے تھے۔ ہم بھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پیچھے پیچھے واپس آئے تاکہ دیکھیں کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ اندر تشریف لے گئے تو آپ نے کہا: اے امیر المؤمنین! میں آپ کے زیردست ہوں، جس چیز کا چاہیں مجھے حکم دیں۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! واپس چلے جاؤ، اور اپنے گھر میں بیٹھے رہو، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی

[1] تاریخ المدینہ: (٢/ ٢٧٦) [2] تاریخ خلیفہ: (١٧٤) [3] الاستیعاب: (٣/ ١٠٦٤)

طرف سے فیصلہ آجائے۔ مجھے خون بہانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ❶

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: میں نے یوم الدار میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: باہر نکلیں اور ان سے قتال کیجئے۔ بے شک آپ کے ساتھ اتنے لوگ ہیں کہ ان سے کم لوگوں کے کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی مدد آتی تھی۔ اللہ کی قسم! ان کو قتل کرنا حلال ہے۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔'' ❷

اور حضرت ابن زبیر سے ہی ایک دوسری روایت میں ہے۔ انہوں نے کہا: اللہ نے آپ کے لیے، ان سے قتال کرنا حلال کیا ہے، تو حضرت عثمان نے کہا: ''نہیں، اللہ کی قسم! میں ان سے کبھی بھی نہیں لڑونگا۔'' ❸

حضرت ابن عمر نے ''یوم الدار'' میں دوبارہ اپنی درع پہنی، اسلحہ اٹھایا، تلوار لٹکائی۔ حتیٰ کہ حضرت عثمان نے آپ کو قسم دی کہ یہاں سے چلے جائیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے قتل ہو جائے کا خوف تھا۔ ❹

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: آج آپ کے دفاع میں لڑنا بہت اچھا رہے گا۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کو اللہ کا واسطہ دیا کہ یہاں سے چلے جائیں۔'' ❺

ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے، اور کہا: یہ انصار دروازہ پر کھڑے ہیں۔ اگر آپ چاہیں کہ وہ دوسری بار اللہ کے انصار بنیں تو......الخ؛ تو آپ نے فرمایا:

''جہاں تک جنگ کا تعلق ہے، تو میں یہ نہیں چاہتا۔'' ❻

ایک ثقہ راوی قیس بن حازم کہتے ہیں، میں نے سعید بن زید سے سنا، آپ کہہ رہے تھے؟

لیکن تم لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس کی وجہ سے اگر احد پہاڑ بھی اپنی جگہ سے سرک جائے تو اسے ایسا کرنا ہی چاہئے۔'' ❼

اور خالد بن ربیع العبسی کہتے ہیں: ہمیں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیماری کا علم ہوا۔ تو حضرت ابو مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ کچھ ساتھیوں کے ساتھ سوار ہو کر مدائین کی طرف ان کی عیادت کے لیے نکلے۔ میں بھی ان میں تھا۔ کہتے ہیں، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل ہونے کا تذکرہ ہوا۔ تو آپ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ جانتا ہے میں نہ تو وہاں موجود تھا، نہ ہی میں نے قتل کیا، اور نہ ہی اس قتل پر راضی ہوا۔'' ❽

❶ الفضائل لاحمد: (١/ ٤٦٤)، ح: (٧٥٣)
❷ مصنف ابن ابی شیبه: (١/ ٦٨١)
❸ الطبقات: (٣/ ٧٠)
❹ تاریخ دمشق: (٣٩/ ٣٩٣)
❺ تاریخ خلیفه خیاط: (٣٨)
❻ مصنف ابن ابی شیبه: (٣٧٠٨٢) السنة لخلال: (٢٣٧٧)
❼ البخاری: (٣٨٦٧)
❽ تاریخ دمشق (٣٩/ ٤٧٩)

صحابی رسول حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: آپ کی ملاقات حضرت حذیفہ سے ہوئی، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقتل کا تذکرہ چھیڑا، تو کہا: امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا تھا: آگاہ رہنا یہ لوگ انہیں قتل کریں گے۔ میں نے کہا حضرت عثمان! آپ کا ٹھکانہ کہاں ہے؟ فرمایا: جنت میں۔ میں نے پوچھا آپ کو قتل کرنے والے کہاں ہیں؟ تو فرمایا: جہنم میں۔'' ❶

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں آسمان سے منہ کے بل گر پڑوں یہ مجھے اس بات کی نسبت پسند ہے کہ میں حضرت عثمان کے قتل میں شریک بنوں۔'' ❷

حضرت ابو موسیٰ الأشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر قتلِ عثمان ہدایت پر ہوتا تو لوگ اس سے دودھ کی نہریں بہاتے۔ لیکن آپ کو قتل کیا جانا نری گمراہی تھا، یہی وجہ ہے کہ اب وہ خون دھو رہے ہیں۔'' ❸

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں! مجھے ہرگز اس بات کی خوشی نہ ہوتی کہ میں حضرت کی طرف ایک تیری ہی پھینکوں بھلے وہ نشانہ تک پہنچے یا ٹل جائے، اوراس کے بدلہ میں مجھے احد پہاڑ کے برابر سونا حل جائے۔ ❹

اور ریطہ مولی اسامہ بن زید سے روایت ہے، کہتی ہیں:

'' مجھے اسامہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا۔ آپ نے یہ کہلایا کہ: اگر آپ چاہیں تو ہم آپ کے گھر میں نقب لگا کر آپ کو نکال دیں، حتیٰ کہ آپ اپنے امن کے مقام تک پہنچ جائیں، تو آپ کے اطاعت گزار آپ کے نافرمانوں سے لڑیں۔'' ❺

حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے محصوری کی حالت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر آپ چاہیں تو ہم آپ کی حفاظت کی خاطر قتال کر سکتے ہیں۔'' ❻

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل نہ کرو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو کبھی بھی اکٹھے نماز نہیں پڑھ سکو گے۔'' ❼

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل ہونا دین اسلام میں نقب لگانا اور سوراخ کرنا تھا۔ اور یہ زخم روز قیامت تک مندمل نہیں ہوسکتا۔ اور خلافت اہل مدینہ میں تھی۔ انہوں نے خلافت کو وہاں سے باہر نکالا، دوبارہ کبھی بھی وہ واپس یہاں نہیں آئے گی۔'' ❽

❶ تاريخ دمشق: (٣٩/ ٣٨٢) ❷ البدايه ولنهاية: (٧/ ١٩٤)
❸ تاريخ المدينة: (٤/ ١٢٤٥)
❹ مصنف ابن ابی شيبه: (٣٢٠٥٨) معجم لكبير: (٩/ ١٦٩) تاريخ دمشق: (٣/ ٣٥٥)
❺ تاريخ المدينة: (٣/ ١٢١١)
❻ التاريخ الصغير: (١/ ٧٦) تاريخ دمشق: (٣٩/ ٣٩٧)
❼ فضائل الصحابة: (١/ ٤٧٤)
❽ تاريخ دمشق: (٣٩/ ٤٨٣)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میری ملاقات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہوئی آپ دس سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے حج پر ان کے نائب تھے، جس سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے۔ میں نے ان کے قتل ہونے کی اطلاع عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو دی۔ تو آپ پر یہ خبر بہت گراں گزری۔ اور کہنے لگے: اللہ کی قسم! آپ ان لوگوں میں سے تھے، جو عدل وانصاف کا حکم دیتے؛ میری خواہش تھی کہ آج کے دن میں قتل ہوگیا ہوتا۔'' ❶

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عظیم الشان مؤقف پیش کرنے کے بعد، ہم اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ یہ حضرات نہ ہی آپ کے قتل میں شریک تھے اور نہ ہی اس جلیل القدر صحابی کے قتل پر راضی تھے۔

امامیہ کی اسناد کے مطابق مشہور شیعہ مؤرخ اپنی کتاب مروج الذہب میں کہتا ہے:

''جب یہ خبر حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچی کہ باقی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ تو آپ نے اپنے دونوں بیٹوں کو ان کے موالین کے ہمراہ مسلح کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نصرت کے لیے ان کے دروازے پر بھیج دیا۔ اور انہیں حکم دیا کہ ان شر پسندوں سے آپ کی حفاظت کریں۔ حضرت زبیر نے اپنے بیٹے عبداللہ کو، اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے محمد کو، اور صحابہ نے اپنے بیٹوں کو ان حضرات کی اقتداء میں روانہ کیا، اور انہوں نے جا کر گھر کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔'' ❷

یہ دعوی کرنا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والوں میں پیش پیش تھیں، یہ کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔ اس روایت کا مدار نصر بن مزاحم پر ہے۔ عقیلی نے اس کی بابت کہا ہے۔ یہ آدمی شیعہ تھا۔ اور اس کی روایات میں اضطراب اور بہت زیادہ خطاء پائی جاتی ہے۔ ❸

علامہ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: بدترین رافضی تھا، اس وجہ سے متروک ہے۔ ❹

ابوخیثمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: بہت بڑا کذاب تھا۔ ❺

ابو حاتم رحمہ اللہ کہتے ہیں: انتہائی ضعیف الحدیث اور متروک تھا۔ (سابقہ مصدر)

دار قطنی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ضعیف راوی ہے۔ (سابقہ مصدر)

علامہ جوز جانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: نصر گمراہ اور حق سے ہٹا ہوا انسان تھا۔''

صالح بن محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں: نصر بن مزاحم ضعیف راویوں سے منکر احادیث روایت کیا کرتا تھا۔

حافظ ابوالفتح محمد بن حسین رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ نصر بن مزاحم اپنے مذہب میں غالی تھا۔ (سابقہ مصدر)

---

❶ تاریخ دمشق: (۳۹/ ۲۱۹)
❷ مروج الذهب: (۲/ ۳٤٤)
❸ الضعفاء: (٤/ ۳۰۰)
❹ میزان الا عتدال: (٤/ ۲۵۳)
❺ تاریخ بغداد (۱۳/ ۲۸۳)

ان اقوال کی روشنی میں اس روایت کو بنیاد نہیں بنایا جا سکتا، اور نہ ہی یہ روایت قابل التفات ہے۔ بالا ضافہ یہ ان صحیح روایات کے خلاف بھی ہے جو اس روایت کے متناقض ہیں۔ صحیح اور ثابت شدہ روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مقتل عثمان رضی اللہ عنہ سے بڑا دکھ اور تکلیف پہنچی۔ آپ نے قاتلین عثمان پر بددعا کی۔ حضرت مسروق رحمہ اللہ تابعی سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''تم لوگوں نے اس کو ایسے چھوڑ دیا جیسے میل سے صاف وشفاف کپڑا؛ پھر تم اس کے قریب ہوئے، اور ان کو ایسے ذبح کرنے لگے، جیسے مینڈھا ذبح کیا جاتا ہے۔''

مسروق کہتے ہیں: میں نے ان سے کہا: یہ تو تمہارا کارنامہ ہے تم نے لوگوں کو خطوط لکھ کر ان کو بغاوت پر بھارا۔

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مجھے اس ہستی کی قسم جس پر ایمان والے ایمان لائے۔ اور کافروں نے جس کا کفر کیا۔ میں نے کسی سفید ورق پر اس مجلس میں بیٹھنے تک ایک سیاہ حرف بھی تحریر نہیں کیا۔

امام اعمش کہتے ہیں: ''اوران کی رائے یہ تھی کہ آپ کی زبان پر خطوط تحریر کیا کرتے تھے۔'' ❶

امام احمد نے ''الفضائل'' میں یہ حدیث لائی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقتل کے بارے میں فرمایا کرتی تھیں اور کاش کہ: میں نسیاً منسیاً ہوگئی ہوتی۔ اور جو کچھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا، اللہ کی قسم! میں نے کبھی بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں کوئی ایسی بات نہیں سوچی۔ مجھے یہ بات اس سے بڑھ کر محبوب تھی کہ آپ کی جگہ اگر میں قتل ہوگئی ہوتی۔'' ❷

ابن شبہ نے طلق بن حشان سے روایت کیا ہے، کہتے ہیں: ''میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا: حضرت عثمان کیسے قتل ہوئے؟ آپ نے فرمایا: مظلوم قتل ہوئے، اللہ تعالیٰ آپ کے قاتلوں پر لعنت کرے۔'' [تاریخ المدینہ: ۲/ ۲۶۵.]

امام احمد رحمہ اللہ نے سالم بن جعد سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں: ہم ابن حنفیہ کے ساتھ ایک گھاٹی میں تھے، ہم نے ایک آدمی کو سنا وہ گستاخی کررہا تھا، اور وہاں پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔

اس نے کہا: اے ابن عباس! آپ نے یہ سنا ہے کہ ایک رات دوسرے لشکر کی طرف سے ایک شور کی آواز حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے سنی۔ آپ نے فلاں بن فلاں کو پتہ کرنے کیلئے بھیجا کہ جاؤ دیکھو یہ آواز کیسی ہے۔ وہ واپس آیا اور کہا: یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین پر لعنت کررہی ہیں، اور لوگ اس پر آمین کہہ رہے ہیں۔

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں بھی پہاڑوں اور وادیوں میں قاتلین عثمان پر لعنت کرتا ہوں۔ اے اللہ قاتلین عثمان پر لعنت کر اے اللہ پہاڑوں اور وادیوں میں قاتلین عثمان پر لعنت کر۔''

پھر ابن حنیفہ اس آدمی کی طرف اور ہماری طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا: کیا مجھ میں اور ابن عباس میں عادلانہ گواہی نہیں دیکھ رہے ہو؟ ہم نے کہا: کیوں نہیں، تو آپ نے فرمایا پھر معاملہ ایسے ہی تھا۔ ❸

❶ مصنف ابن ابی شیبۃ: (۳۲۰۵) الطبقات لکبری: (۳/ ۸۳) البرایہ والنھایہ: (۷/ ۱۹۵)
❷ فضائل الصحابہ: (۱/ ٤٦٢) ❸ فضائل الصحابہ: (۱/ ٤٥٥)

اور تمام مؤرخین جانتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ کرتے ہوئے نکلی تھیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ آپ یہ بھی اعلان کریں کہ بڈھے بجو کو قتل کر دو۔ کیونکہ یہ کافر ہو گیا ہے۔ جہاں تک محمد بن ابی بکر کا تعلق ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جب انتقال ہوا تو اس وقت اس کی عمر چار ماہ بھی پوری نہیں ہوئی تھی۔ تو کیا اس کا شمار بھی مشاہیر صحابہ میں ہوگا، جیسا کہ ان معترضین کا خیال ہے؟

جہاں تک حضرات طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کا تعلق ہے، تو صحیح اور ثابت شدہ روایات واضح کرتی ہیں کہ انہوں نے قتل عثمان پر انتہائی درجہ کا دکھ وکرب محسوس کیا، بلکہ ان حضرات نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دفاع کی کوشش کی تھی۔

حضرت ابوحبیبہ سے روایت ہے، فرمایا:

"حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے مجھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، اس وقت آپ محصور تھے۔ میں ایک سخت گرم دن میں آپ کے پاس پہنچا، آپ اپنی کرسی پر تشریف فرما تھے۔ اور ان کے پاس حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ ان کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ حضرت عبداللہ بن عمر، اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے۔

میں نے عرض کیا: مجھے زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے، وہ آپ کو سلام دے رہے ہیں، اور کہہ رہے ہیں، میں آپ کی اطاعت پر قائم ہوں، نہ ہی بدلا ہوں اور نہ ہی عہد توڑا ہے، اگر آپ چاہیں تو میں بھی آپ کے ساتھ اس دار میں داخل ہو جاؤں اور باقی قوم کا ایک فرد بن کر رہوں۔ اور اگر چاہیں تو آپ کی حفاظت کے لیے کھڑا ہو جاؤں۔ بے شک بنی عمرو بن عوف نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ میرے دروازہ پر رہیں گے۔ اور پھر وہ ایسے ہی کریں گے جیسے میں ان کو حکم دوں گا۔"

جب آپ نے یہ پیغام سنا تو فرمایا: اللہ اکبر، الحمدللہ کہ اللہ نے میرے بھائی کو محفوظ رکھا ہوا ہے۔ انہیں میرا سلام پہنچائیں۔ اور ان سے کہیں کہ: دار امارت میں داخل نہ ہوں۔ اور اگر ایسا کریں گے تو وہ بھی باقی قوم کی طرح ایک فرد ہوں گے۔ اور تمہارا موجودہ ٹھکانہ میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے، شاید کہ اللہ آپ کے ذریعہ مجھ سے یہ مصیبت دور کر دے۔"

جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ پیغام سنا تو کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: کیا میں آپ کو اس چیز کی خبر نہ دوں جو میرے ان دو کانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ کہنے لگے ضرور۔ تو آپ نے فرمایا:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرما رہے تھے:

"میرے بعد فتنے اور عجیب قسم کے امور ظہور پذیر ہوں گے۔"

ہم نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان سے نجات کہاں ملے گی؟

تو آپ نے فرمایا: "امین اور اس کی جماعت کے پاس" اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا۔

لوگ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: ہماری نظریں کچھ اور دیکھ رہی ہیں۔ آپ ہمیں جہاد کی اجازت مرحمت فرمائیں۔'' تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں ان لوگوں کو قسم دیتا ہوں جن پر میری اطاعت لازم ہے، کہ وہ قتال نہ کریں۔'' ❶

اور اس میں دو افراد کا اختلاف نہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خون کا سب سے پہلے مطالبہ کرنے والے حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما تھے۔ آپ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینا چاہتے تھے۔ اور اسی غرض سے نکلے تھے۔

اور یہ کہنا کہ صحابہ نے آپ کی لاش کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے سے روکا، اور آپ کو ایک ڈھیر پر دفن کیا گیا، وہ ایک یہودی عورت کی زمین تھی۔ اور آپ کو بغیر غسل اور کفن کے دفن کیا گیا۔

الجواب: یہ ڈھیری نما جگہ کسی یہودیہ کی ملکیت نہیں تھی۔ اور جیسے معاملہ بیان کرتے ہیں مطلق طور ایسے بھی نہیں ہوا۔ بلکہ یہاں پر ڈھیری یا ''حش'' سے مراد باغیچہ ہے۔ یہ باغیچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کوکب نامی انصاری سے خرید لیا تھا۔ اور جب آپ فوت ہوئے تو آپ کو آپ کے خرید کردہ بستان میں دفن کیا گیا، تو اس میں حرج والی بات کون سی ہے؟ یہود تو اس وقت مدینہ میں موجود ہی نہ تھے۔ یہود کو پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جلاوطن کر دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان باقی ماندہ یہود کو الجزیرہ کی طرف نکال دیا تھا۔ اور پھر یہ کہ اکثر صحابہ مدینہ میں نہیں تھے۔ اس لیے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو موسم حج میں قتل کیا گیا، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ میں تھے۔ اور کچھ یمن و شام اور کوفہ و بصرہ اور خراسان میں اسلامی لشکروں میں فتح کے پھریرے لیے چل رہے تھے۔ اہل مدینہ تو مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا حصہ تھے۔

## شبہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ظالموں کی ولایت:

یہ کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو والی اور امراء بنایا تھا جن سے ظلم و خیانت اور دیگر برے اعمال صادر ہوئے تھے، جیسے ولید بن عقبہ، جس نے شراب پی کر لوگوں کو نشہ کی حالت میں نماز پڑھائی۔ اور اس نے فجر کی چار رکعت نماز پڑھا کر پوچھا: کیا اور زیادہ پڑھائی جائے۔

اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کی ولایت تفویض کی، جو کہ حقیقت میں چار ممالک سے عبارت تھی۔ اس سے اس نے قوت پکڑی، حتیٰ کہ امیر المؤمنین سے جھگڑا کیا، اور ان کی خلافت کے ایام میں ان کے خلاف بغاوت کی۔ اور عبداللہ بن سعد کو مصر کا والی بنایا، جس نے اہل مصر پر بہت زیادہ ظلم کیا۔ حتیٰ کہ وہ لوگ مدینہ کی طرف ہجرت پر مجبور ہو گئے۔ اس کے خلاف بغاوت کر دی۔

❶ فضائل الصحابة: (۱/ ۵۱۱) تاريخ دمشق: (۳۹/ ۳۷۳)

اور مروان کو اپنا وزیر اور کاتب مقرر کیا، جس نے محمد بن ابوبکر کے خلاف مکارانہ چال چلی اور خط لکھا کہ اسے پکڑ کر قتل کر دو۔ اور ان امراء کے متعلق اطلاعات ملنے کے بوجود انہیں معزول نہیں کیا۔ حتیٰ کہ لوگ غصہ سے پھٹ پڑے اور انجام کار آپ کے قتل پر اختتام پذیر ہوا۔'' اور جس کی یہ حالت ہو، وہ امامت کا مستحق نہیں ہے۔''

الجواب: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بعض ان گورنروں کو معزول کیا تھا، جن کی بدحالی آپ پر واضح ہوگئی تھی جیسا کہ ولید۔ جبکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ کے عہد میں کوئی ایسی اطلاع نہیں ملی جس کی وجہ سے انہیں معزول کیا جاتا۔ بلکہ آپ نے بہت بڑی خدمات پیش کی تھیں۔ جیسے کہ اہل روم سے جہاد کرنا اور ان کے کئی شہر فتح کرنا۔ اور کئی وہ شکایات جو کہ عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے متعلق تھیں، وہ سب عبداللہ بن سبا کی من گھڑت جھوٹی کہانیاں تھیں۔

## حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ابو مروان حکم بن العاص کی مدینہ واپسی:

شبہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم بن العاص کو مدینہ میں داخل کیا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جلاوطن کیا تھا۔

الجواب: اگر اس قصہ کو بالفرض صحیح تسلیم کر لیا جائے تو تب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس لیے نکالا تھا کہ وہ منافقین سے محبت کرتا تھا اور فتنے بھڑکاتا تھا اور کفار کی مدد کرتا تھا۔ جب کفر و نفاق ختم ہو گئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسلام قوی ہوگیا تو اب اس کو واپس مدینہ لانے میں کوئی ممانعت باقی نہ رہی۔ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ فریقین کے ہاں مسلمہ اصول ہے کہ: جب حکم کسی علت پر مبنی ہو تو علت کے ختم ہونے سے حکم ختم ہو جاتا ہے۔

حضرات شیخین کے اس کو واپس نہ لانے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا خیال تھا کہ یہ ابھی تک ویسے ہی ہے جیسے عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا۔ یہ گمان بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ختم ہوگیا۔ اس لیے کہ حکم آپ کا بھتیجا تھا۔ حتیٰ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خود کہا تھا: اس وجہ سے اس پر اعتراض تھا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض موت میں آپ سے واپس مدینہ میں لانے کی اجازت لے لی تھی۔ یہ بات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دوسرا گواہ نہ ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کی۔ اور ایسا ہی معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا۔ اور جب میری باری آئی تو میں نے وہی کچھ کیا جس کا مجھے علم تھا۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ حکم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخری عہد میں نفاق سے توبہ کر لی تھی۔ اور جھوٹ بولنا اور دیگر جرائم ترک کر دے تھے۔

## شبہۃ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور اقرباء پروری:

ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل خانہ اور قرابت داروں کو بہت زیادہ مال دیا۔ اور بیت المال کے مال کو کثرت کے ساتھ نامناسب مقامات پر خرچ کرتے تھے۔ جو کہ آپ کے فضول خرچ ہونے کی دلیل ہے۔ آپ نے حکم کو ایک لاکھ درہم دیے اور افریقہ کا خمس مروان کو دیا۔ (یعنی خمس کا خمس نہ کہ کامل خمس)۔ اور خالد بن سعید جب یہ مال لے کر مدینہ آیا، تو اسے تین لاکھ درہم دے۔ اس کے علاوہ بھی، ان کی فضول خرچی، اور بے جا اسراف کے واقعات

بہت زیادہ ہیں۔ جس کی یہ حالت ہو تو وہ امامت کا مستحق کیسے ہو سکتا ہے؟

جواب: اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ واقعی اسی طرح خرچ کرتے تھے، تو یہ خرچ ان کے ذاتی مال سے تھا، بیت المال سے نہیں۔ آپ خلیفہ بننے سے قبل بھی بڑے مالدار لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ کتب سیرت کا مطالعہ کرنے والا انسان ضرور اس امر کا اعتراف کرے گا۔ آپ ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے تھے۔ اور مہاجرین وانصار کی ضیافت کرتے تھے۔ اور ہر روز انہیں کھانا کھلاتے۔

حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے منادی کرنے والے کو دیکھا، وہ اعلان کر رہا تھا، اے لوگو! کل اپنے عطیات لینے کے لیے پہنچ جانا۔ پھر اگلے دن لوگ پہنچ جاتے اور وافر مقدار میں حصہ لیتے۔ پھر منادی ہوتی۔ اے لوگو! کل اپنا رزق (غلہ) لینے کے لیے پہنچ جانا، تو لوگ اگلے دن پہنچ جاتے، اور اپنی ضرورت کا سارا سامان لے لیتے، حتیٰ کہ اللہ کی قسم میں نے اپنے، ان دونوں کانوں سے یہ منادی سنی! لوگو: کل اپنے کپڑے لینے کے لیے پہنچ جانا۔ لوگ جاتے اور کپڑے اور زیور حاصل کر لیتے۔'' [1]

اور تاریخ کی کتب کا مطالعہ کرنے والا انسان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ سے واقف ہے، اور کسی ایک سے بھی یہ نقل نہیں کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا موجب طعن ہے۔

اور جو بات عبداللہ بن ابی سرح کے بارے میں ثابت ہے، وہ یہ ہے کہ آپ نے خمس کا پانچواں حصہ اس کے جہاد فی سبیل اللہ کی قدر دانی میں اس کو دیا تھا۔ اور پھر وہ بھی اس نے واپس کر دیا۔

## شبہ: بیت المال کی اراضی کی اقارب میں تقسیم:

بیت المال کی اراضی کی اقارب میں تقسیم اور مسلمانوں کے حقوق کی تلفی:

جواب: آپ لوگوں کو بنجر زمین آباد کرنے کی اجازت دیتے تھے۔ اور جو کوئی ایسی زمین آباد کر لیتا، وہ اس کی ملکیت ہوتی۔ اس کی دلیل یہ حدیث نبوی ہے: ''بنجر زمین اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے۔ اور جو کوئی اس میں سے کچھ حصہ آباد کرے وہ اسی کی ہے۔'' [2]

آپ نے کسی ایک کو زندہ اور آباد زمین ہبہ نہیں کی جیسا کہ تاریخ کا علم رکھنے والوں کو اس کا پتہ ہے۔

## شبہ: عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پر ہرمزان کی قصاص کا عدم نفاذ:

ایک اعتراض...... ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شرعی حدود کی پرواہ نہیں کی جاتی تھی۔ چنانچہ اہواز کے بادشاہ ہرمزان کے قصاص میں عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو قتل نہیں کیا تھا؛ حالانکہ وہ [ہرمزان] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلام لا چکا تھا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے میں شریک ہونے کی تہمت تھی۔ حالانکہ آپ کا قاتل صرف ابولؤلؤ تھا۔ اور اس کی

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی: (۱/ ۸۷۔ ۱۳۱۲) الاستیعاب: (۳/ ۱۰۴۱)

[2] البیهقی: (۱۱۵٦٦)

بیٹی کو بھی قتل کیا گیا؛ اور ایسے ہی ایک اور عیسائی پر بھی یہی تہمت لگا کر قتل کیا گیا۔ تمام صحابہ اس پر یک زبان تھے کہ عبید اللہ سے قصاص لیا جائے؛ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی موافقت نہیں کی؛ بلکہ اپنی جیب سے ہرمزان کی دیت ادا کر دی۔''

پس ایسا انسان امام بننے کا اہل نہیں تھا۔

جواب: اس مذکورہ بالا صورت میں قصاص ثابت نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ ہرمزان کے وارث مدینہ میں نہیں تھے، بلکہ فارس میں تھے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف آدمی بھیجا تو وہ مدینہ میں نہیں آئے خوف کی وجہ سے۔ جیسا کہ مرتضی نے بعض کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ ❶

قصاص کے لیے مقتول کے تمام ورثاء کا حاضر ہونا شرط ہے، جیسا کہ حنفیہ کا مذہب بھی ہے، اب صرف دیت کی صرت میں باقی رہ گئی تھی۔ تو آپ نے دیت بیت المال سے ادا کی، قاتل کے مال سے نہیں۔ اور اس لیے بھی کہ ابولؤلؤ کی بیٹی مجوسی تھی۔ اور جفینہ نصرانی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''کسی مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جا سکتا۔'' ❷

## یہ ان (امامیہ) کے نزدیک بھی ثابت ہے:

اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عبید اللہ سے قصاص لیتے تو بہت بڑا فتنہ پیدا ہو جاتا۔ کیونکہ بنو عدی اور بنو تیم اس قتل کی راہ میں رکاوٹ تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر عثمان اس سے قصاص لیں گے تو ہم ان سے جنگ کریں گے۔ جیسا کہ عمرو ابن العاص بنی سہم کے سردار نے منادی کرائی تھی کہ: کیا کل امیر المؤمنین کو قتل کیا گیا ہے اور آج ان کے بیٹے کو قتل کر دیا جائے گا، اللہ کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ ان کے ہاں بھی ایسے ہی ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قاتلین عثمان سے صرف فتنہ بپا ہونے کے خوف سے قصاص نہ لے سکے تھے۔ ❸

---

❶ الطبری ٥/ ٤/ ٤٥ میں سیف بن عمر کی اپنے مشائخ سے روایت ہے کہ قماذ بن ہرمزان کو مدینہ بلا کر عبید اللہ کو اس کے حوالے کیا تھا، مگر اس نے کہا میں اللہ کی رضا کے لیے اس کو چھوڑتا ہوں، (العواصم من القواصم: (١٠٦)

❷ البخاری: (١١١)

❸ ⇦ ⇦ ⇦ دراوی جی کہتا ہے کہ: معترض کا مبلغ علم یہ ہے کہ وہ ہرمزان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا آزاد کردہ غلام بتاتے ہیں؛ حالانکہ وہ آپ کا غلام نہ تھا] بلکہ ہرمزان ان فارسیوں میں سے تھا جنہیں کسری نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ مسلمانوں نے اسے قید کیا تھا، اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے اسلام کا اظہار کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر احسان کر کے اسے آزاد کر دیا تھا۔ اگر اس پر کسی کی ولایت تھی تو وہ مسلمانوں کی تھی۔ اور اگر آزاد کرنے کی وجہ سے کسی کی ولایت اس پر تھی تو پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور اگر اس پر کسی کی کوئی ولایت نہیں تھی؛ بلکہ اس کا معاملہ ان قیدیوں کی طرح تھا جنہیں اگر احسان کر کے آزاد کر دیا جائے تو ان پر کوئی ولایت نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ علماء کرام کا اختلاف ہے کہ اگر قیدی اسلام قبول کر لے تو کیا وہ اپنے اسلام کے باوجود غلام بن جائے گا یا پھر آزاد ہی رہے گا۔ اس پر احسان کر کے آزاد کرنا اور اس کے بدلہ میں فدیہ لے کر آزاد کرنا دونوں امر جائز ہیں؛ جیسے اسلام سے پہلے تھا؟ حالانکہ اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ قیدی اسلام لانے کی وجہ سے معصوم الدم ہو گیا تھا۔ اس مسئلہ میں دو قول مشہور ہیں۔ اور امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب میں بھی دو قول ہیں۔ جبکہ اس کو غلام بنانے اور آزاد کرنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جہد وسعی کو کوئی دخل نہیں ہے۔

جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا تو آپ کو قتل کرنے والا شخص حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا مجوسی غلام ابولؤلؤ فیروز تھا۔ ابولؤلؤ اور

ہرمزان کے مابین مجانست پائی جاتی تھی۔ اور عبید اللہ بن عمر رحمہ اللہ کو بتایا گیا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا؛ اس وقت ابولؤلؤ کو ہرمزان کے ساتھ دیکھا گیا تھا۔ ہرمزان اس بات سے متہم تھا کہ اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قاتل کی امداد کی ہے۔

جب عبید اللہ نے ہرمزان کو قتل کر دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ نے عبید اللہ کو ہرمزان کے قصاص میں قتل کرنے کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا۔ متعدد صحابہ نے اس کو قتل نہ کرنے کا مشورہ دیا اور کہا ابھی کل اس کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور آج اسے قتل کر دیا جائے تو اس سے بڑا فساد رونما ہوگا۔ گویا ان کے نزدیک ہرمزان کا معصوم الدم ہونا مشتبہ تھا۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہرمزان کا شمار ان حملہ آور فسادیوں میں تھا جن سے دفاع کرنے کا استحقاق حاصل ہے۔ یا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک لوگوں میں سے تھا جن کا قتل جائز تھا؟

علماء وفقہاء کا قتل میں شریک لوگوں کے بارے میں؛ جب بعض قتل کریں اور بعض اس کے پیچھے کارفرما ہوں؛ تو اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ قصاص صرف براہ راست قتل کرنے والے سے لیا جائے گا۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ: جب سبب قوی ہو تو مباشر [براہ راست قتل کرنے والا] اور متسبب [اس کا سبب بننے والا] دونوں کو قصاص میں قتل کیا جائے گا؛ جیسے کہ مجبور کیا گیا اور مجبور کرنے والا۔ اس کی مثال زنا اور قصاص کے گواہوں کی ہے جب وہ اپنی گواہی سے رجوع کریں اور کہیں کہ ہم نے جان بوجھ کر یہ جھوٹی گواہی دی تھی۔ جمہور جیسے امام مالک' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔

پھر اگر ایک نے پکڑا ہو اور دوسرے نے قتل کیا ہو؛ تو امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پکڑنے والے اور قتل کرنے والے دونوں کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ امام احمد رحمہ اللہ سے بھی دو روایتوں میں سے ایک یہی ہے۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ قتل کرنے والے کو قتل کیا جائے گا اور پکڑنے والے کو تا حیات قید کیا جائے گا؛ یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا گیا ہے کہ قصاص صرف قتل کرنے والے پر ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ ہرمزان کا کوئی عصبی وارث نہیں تھا سوائے حاکم وقت کے ولی ہونے کے۔ جب کوئی ایسا آدمی قتل ہو جائے جس کا کوئی والی و وارث نہ ہو تو حاکم کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اس قاتل کو قتل کردے۔ اور اسے یہ بھی اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اسے قتل نہ کرے' بلکہ دیت لے لے؛ یہ دیت مسلمانوں کا حق ہوگی۔ اسے بیت المال کے مصارف میں خرچ کیا جائے گا۔ جب آپ نے آل عمر کا معاملہ دیت پر چھوڑ دیا تو اس دیت میں مسلمانوں کے حق کا کچھ حصہ بھی تھا۔

بہر کیف جو بھی ہو؛ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں معاف کر دیا تھا؛ تو اس کے بعد قتل کا مطالبہ بالکل بے معنی ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ اس مسئلہ میں مسلمانوں کا کوئی اختلاف ہو۔

# حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور منی میں چار رکعت نماز

☆۔ شبہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدل ڈالا۔ منی میں چار رکعت نماز پڑھی۔

الجواب: اس لیے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت مسافر نہیں تھے، کیونکہ انہوں نے مکہ میں شادی کر کے وہاں پر گھر بنا لیا تھا۔ اور اس مبارک سرزمین پر قیام پذیر تھے۔ جب صحابہ کو حقیقت حال کا علم ہوا تو ان کا اشکال وانکار ختم ہو گیا۔

## حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی پٹائی:

☆۔ شبہ: حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو پٹائی لگائی حتیٰ کہ ان کی آنتیں پھٹ گئیں، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو پیٹا، حتیٰ کہ ان کی پسلیاں توڑ دیں، اور ان سے عطیات کو روک لیا۔

الجواب: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی پٹائی، اور ان سے عطیہ روکنا کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ اور یہی حال حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی پٹائی کے قصہ کا بھی ہے۔ اگر ان کی آنتیں پھٹی ہوتیں تو کبھی بھی اتنا لمبا عرصہ زندہ نہ رہتے۔ ان شبہات کا جواب علماء نے کئی طرح سے دیا ہے۔ ہمیں ان میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ یہ تمام واقعات باطل پر مبنی ہیں۔ اور حق کی بنیاد باطل پر نہیں قائم ہو سکتی۔ اور وقت کو جھوٹ کا مقابلہ کرتے میں ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ اس سلسلہ کی اشیاء کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

# مختصر دفاع آل واصحاب

## ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا شبہات کا ازالہ

### فتنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا:

ایک مؤلف کہتا ہے: ہم جنگ جمل کے بارے میں سوال کرتے ہیں جس کی آگ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھڑکائی۔ اس وقت اس لشکر کی قیادت وہی کر رہی تھیں۔ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا گھر کے کیسے نکل سکتی ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں گھروں میں استقرار کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى﴾ (الاحزاب: ۳۳)

''اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور پہلی جاہلیت کے زینت ظاہر کرنے کی طرح زینت ظاہر نہ کرو۔''

ہمارا سوال یہ ہے کہ ام المؤمنین نے کیسے امیر المؤمنین خلیفہ مسلمین سے قتال کو جائز سمجھا، جبکہ آپ ہر مؤمن مرد اور عورت کے ولی ہیں؟

جواب: یہ کہنا کہ جنگ جمل کی آگ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے بھڑکائی؛ یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جنگ وقتال کے لیے نکلی ہی نہیں تھیں۔ بلکہ مسلمانوں کے مابین اصلاح کی غرض سے نکلی تھیں۔ آپ کا خیال یہ تھا کہ آپ کے نکلنے میں مصلحت ہے۔ لیکن پھر ظاہر ہوا کہ آپ کا نہ نکلنا بہتر تھا۔ آپ کو اس پر بہت ندامت بھی ہوئی، اور یہ ثابت ہے کہ آپ فرمایا کرتی تھیں: ''مجھے یہ بات پسند تھی کہ میں ایک ہری ٹہنی ہوتی، مگر اس سفر پر نہ نکلتی۔''[1]

فرض کریں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما سے مل کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑی تھیں، تو یہ جنگ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں داخل ہے:

﴿وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝﴾ (الحجرات: ۹۔ ۱۰)

[1] مصنف ابن ابی شیبہ: (۳۷۸۱۸)

''اور اگر مؤمنین کے دوگروہ لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو، پھر اگر انمیں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو؛ حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے، پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان انصاف کیساتھ صلح کرا دو اور انصاف کرو، بیشک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ مومن تو بھائی ہی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

ان آیات میں، ان کے مابین لڑائیوں کے باوجود دونوں فریقوں کے لیے ایمان ثابت مانا گیا ہے۔

جب اس آیت کے مقصود میں عام اہل ایمان داخل ہیں، تو اہل ایمان کے سرادر اور بہترین لوگ سب سے اس آیت کے مطلوب میں داخل ہیں۔

۲۔ گھروں میں استقرار کے ساتھ رہنے کا حکم مصلحت کے لیے گھر سے نکلنے کے منافی نہیں ہے۔ جیسا کہ حج وعمرہ کے لیے، یا شوہر کے ساتھ سفر پر نکلنا۔ یہ آیت نبی کریم ﷺ کی حیات مبارک میں نازل ہوئی، اس کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ ازواج مطہرات کو ساتھ لے کر سفر پر نکلتے رہے۔ جیسا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ازواج مطہرات آپ کے ساتھ سفر پر تھیں۔ پھر آپ ﷺ نے انہیں حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے سواری پر بٹھا کر روانہ فرمایا، اور وہ تنعیم سے عمرہ کے لیے تیار کر کے واپس حرم لے گئے۔ حجۃ الوداع نبی کریم ﷺ کی وفات سے تین ماہ سے بھی کم عرصہ قبل کا واقعہ ہے۔

ازواج مطہرات نے جیسے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کیا تھا، ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی حج کرتی رہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے ہمراہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو بھیجا کرتے تھے۔ ان کے یہ اسفار مصلحت کے پیش نظر جائز تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خیال تھا کہ ان کا یہ سفر مسلمانوں کی مصلحت کے لیے ہے۔ اس لیے وہ اس تاویل کا شکار تھیں۔

☆۔ اگر ہم تاریخ طبری کو ایک بار سنجیدہ نظر سے دوبارہ دیکھیں، جس نے سن ۳۶ھ کے واقعات تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، اور حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کی بصرہ آمد کی غرض اصلاح کے سوا کچھ نہ تھی۔ اس نے لکھا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قعقاع بن عمرو کو اہل بصرہ کی طرف روانہ کیا، تاکہ ان سے بغاوت کا سبب دریافت کریں۔

حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ جب بصرہ پہنچے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور انہیں سلام کیا۔ اور دریافت کیا: اے ماں جی! آپ کس وجہ سے یہاں تک تشریف لائی ہیں؟

تو آپ نے فرمایا: میرے بیٹے! لوگوں میں اصلاح کی خاطر۔

کہا: پھر حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کو بلا لیجئے تاکہ آپ میری اور ان کی گفتگو سن سکیں۔

آپ نے آدمی بھیج کر ان دونوں کو بلا لیا۔ تو حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے ام المؤمنین سے دریافت کیا تھا کہ آپ یہاں کیوں تشریف لائی ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا لوگوں میں اصلاح کے لیے آئی ہوں، کیا آپ دونوں ان کی مطابعت کرتے ہو یا مخالفت؟ تو دونوں نے کہا: ہم متابعت کرتے ہیں۔" ❶

اور یہ بھی ثابت کیا ہے کہ ہزاروں مسلمانوں کے قاتل وہی لوگ تھے جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ چنانچہ مؤرخ کہتا ہے: جب لوگ اپنے اپنے ٹھکانے پر چلے گئے، اور انہیں اطمینان ہو گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ وزبیر نکلے اور انہوں نے آپس میں گفتگو کی۔ اور اختلافی امور زیر بحث لائے۔ انہوں نے دیکھا کہ جنگ بندی اور صلح سے بڑھ کر بہتر کوئی معاملہ نہیں۔

پس وہ اپنے مؤقف پر متفرق ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے لشکر میں اور حضرات طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما اپنے لشکر میں چلے گئے۔ اور شام کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کی طرف، اور حضرت طلحہ وزبیر نے محمد بن طلحہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، تاکہ ہر گروہ اپنے لشکروں کو سمجھا دے۔ کہنے لگے ایسا ہی ہوگا۔

جمادی الآخرہ کی شام کو حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے لشکر کے سرداروں کو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کے سرداروں کو پیغام بھیجا، صرف وہ لوگ رہ گئے جو خون عثمان میں ملوث تھے۔ یہ رات انہوں نے صلح پر گزاری۔ اور یہ رات عافیت کی ایسی رات تھی کہ اس سارے عرصہ میں ایسی رات نہ آئی۔ اس لیے کہ معاملہ افہام وتفہیم اور صلح کے دروازہ پر تھا۔ مگر شر پسندوں کے لیے یہ رات سب سے بری رات تھی۔ انہیں اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا تھا۔ پس وہ ساری رات آپس میں مشورہ کرتے رہے۔ صبح کے قریب ان کا اتفاق ہوا کہ خفیہ طور پر جنگ بھڑکائی جائے، اور اس معاملہ کو انتہائی رازداری میں رکھا، کہ کہیں ان کے شر کی خبر لوگوں کو نہ ہو جائے۔ وہ صبح کے اندھیرے میں اپنے اپنے ٹھکانوں پر چلے گئے۔ ان کے اڑوس پڑوس والوں کی بھی اس کی خبر بھی نہ ہو سکی۔ اور پھر اندھیرے میں ہی اپنی کارروائیوں میں لگ گئے۔ حتیٰ کہ مضر کے لوگ مضر کی طرف، ربیعہ ربیعہ کی طرف، اور یمنی یمنی کی طرف چل نکلے، اور اسلحہ چلنے لگا۔ اہل بصرہ بھی اس جنگ میں کود پڑے حتیٰ کہ دونوں اطراف کے لوگ آپس میں لڑنے لگے۔" ❷

## مؤرخ طبری کہتے ہیں: اس موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"اے کعب! اونٹ کو چھوڑ دو، اور قرآن لے کر آگے بڑھو، اور لوگوں کو قرآن کی طرف بلاؤ، اور آپ نے قرآن کا نسخہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو تھما دیا۔"

دوسرا لشکر پیش قدمی جاری رکھے ہوئے تھا۔ سبائی ان کے آگے آگے تھے۔ انہیں خوف محسوس ہو رہا تھا کہ کہیں ان کے مابین صلح نہ ہو جائے۔ جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ مصحف لے کر آگے بڑھے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آپ کے پیچھے تھے،

❶ تاریخ الامم والملوك: (۳/ ۲۹)
❷ سابقه مصدر: (۳/ ۳۹)

وہ اپنے لشکر کو پیچھے ہٹانے کی کوشش کر رہے تھے، مگر وہ آگے بڑھنے کے علاوہ کوئی بات ماننے پر تیار نہ تھے۔ جب حضرت کعب نے انہیں آواز دی، تو انہوں نے ایک تیر مار کر ان کا کام تمام کر دیا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہودج پر تیر برسائے۔ آپ پکارنے لگیں: ''اے میرے بیٹو! بقیہ بقیہ۔ آپ کی آواز بلند ہو رہی تھی، اللہ اللہ، اللہ کو یاد کرو، اور حساب کے دن کو یاد کرو۔ مگر وہ لوگ برابر آگے بڑھتے رہے۔ جب انہوں نے پیش قدمی نہ روکی، تو آپ نے پہلا کام یہ کیا کہ قاتلین عثمان پر لعنت شروع کی، فرمایا: اے لوگو قاتلین عثمان اور ان کے پیروکاروں پر لعنت کرو۔ اور خود بھی بددعا کرنے لگیں اہل بصرہ کی دعا سے ایک گونج پھیل گئی۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ آواز سنی تو دریافت کیا، یہ کیسی آواز ہے؟

کہنے لگے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قاتلین عثمان پر بددعا کر رہی ہیں، اور لوگ بھی ان کے ساتھ بددعا کر رہے ہیں۔

تو آپ بھی بددعا کرنے لگے: ''اے اللہ! قاتلین عثمان اور ان کے اعوان وانصار پر لعنت فرما۔'' [1]

یہ باتیں ابن اثیر نے اپنی تاریخ میں بھی لکھی ہیں، ان سے ان صحیح روایات کو تقویت ملتی ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ وزبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جنگ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اس سفر پر ندامت تھی، آپ فرمایا کرتی تھیں۔ مجھے یہ بات پسند تھی کم میں ایک ہری ٹہنی ہوتی مگر اس سفر پر نہ نکلتی۔ اور آپ یہ بھی فرمایا کرتی تھیں کہ: مجھے یہ بات پسند تھی کہ میں حارث بن ہشام جیسے دس کو گم پاتی مگر ابن زبیر کے ساتھ اس سفر پر نہ نکلتی۔ اگر آپ کا ارادہ جنگ وقتال کا ہوتا، تو آپ کو یہ ندامت نہ ہوتی۔'' [2]

## شبہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ:

اور آپ کا یہ فرمانا کہ: فتنہ یہاں ہوگا، فتنہ یہاں ہوگا، فتنہ یہاں ہوگا جہاں سے شیطان کا سینگ نکلتا ہے۔ بخاری کی روایت میں ہے۔''

جواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد مشرق کی سمت تھی۔ اگر آپ کی مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر ہوتا تو اس کی وضاحت موجود ہوتی۔ صحیح مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے نکلے؛ تو آپ نے ارشاد فرمایا: ''کفر کا سر یہاں سے ہوگا جہاں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوتا ہے؛ یعنی مشرق کی طرف۔'' [3]

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ مشرق کی طرف منہ کر کے ارشاد فرما رہے تھے:

---

[1] المصدر السابق: (۳/ ۴۳)
[2] الکامل فی التاریخ: (۳/ ۲۳۳) مستدرك الحاكم: (۳/ ۱۲۸، ۴۶۰۹۲)
[3] صحیح مسلم: (۲۹۰۵)

"آگا ہو جاؤ؛ فتنہ یہاں ہوگا، آگا ہو جاؤ؛ فتنہ یہاں ہوگا، آگا ہو جاؤ؛ فتنہ یہاں ہوگا جہاں سے شیطان کا سینگ نکلتا ہے۔" (المصدر السابق)

پس رسول اللہ ﷺ کی مراد مشرق کی سمت تھی نہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر۔ یہ بات معروف ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر رسول اللہ ﷺ کے منبر سے مشرق کی طرف واقع تھا۔ اور اس کی تاکید رسول اللہ ﷺ سے وارد ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے جن میں اس کی تفسیر آتی ہے، اور آپ نے فرمایا ہے: جہاں سے شیطان کا سینگ نکلتا ہے۔

بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ نے فرمایا: "اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ شَامِنَا......" الخ

اور یہ معروف ہے کہ نجد عراق مدینہ منورہ سے مشرق کی سمت میں واقع ہے۔ اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

"جب سورج طلوع ہو تو نماز ترک کر دو، حتیٰ کہ سورج صاف سامنے آ جائے، اور جب سورج کی ٹکیا ڈوب جائے تو انتظار کرو، حتیٰ کہ سورج غروب ہو جائے۔ اور سورج کے طلوع اور غروب کے وقت نماز نہ پڑھو، کیونکہ یہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان سے طلوع ہوتا ہے۔

اور صحابی رسول ﷺ حضرت عبداللہ الصنابجی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے؛ وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان کے دو سینگ ہوتے ہیں۔ جب سورج تھوڑا بلند ہوتا ہے تو وہ سینگ اس سے جدا ہو جاتے ہیں؛ اور جب نصف نہار پر آ جاتا ہے تو وہ سینگ دوبارہ اس سے مل جاتے ہیں۔ پس پھر جب زوال ہوتا ہے تو وہ سینگ اس سے جدا ہو جاتے ہیں۔ اور جب غروب کے قریب ہوتا ہے تو وہ سینگ دوبارہ اس سے مل جاتے ہیں؛ اور غروب ہونے پر جدا ہو جاتے ہیں۔"

پس رسول اللہ ﷺ نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔"

یہاں پر نجد سے مراد عراق کی سرزمین ہے، اور اس کے قریب وجود کے فارس کے علاقے ہیں، جو کہ فتنہ کی سرزمین ہیں۔ اور بذیل فتنے اس علاقہ سے ظاہر ہوئے ہیں:

"سبائیت، خوارج، معتزلہ، خرمیہ قرامطہ، بابیہ، بہائیہ، اور ان کے علاوہ دوسرے فتنے۔

## حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مارنے کا واقعہ:

☆۔ ایک رافضی معترض کہتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نبی کریم ﷺ کے ساتھ بے ادبی اور گستاخی کے متعلق عجیب و غریب باتیں نقل کی ہیں۔ حتیٰ کہ یہاں تک لکھا ہے کہ آپ کے والد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو مارا اور آپ کا خون بہہ نکلا۔ اور رسول اللہ ﷺ کے خلافت اس کی بیباکی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے طلاق کی دھمکی دی۔ اور یہ کہا کہ اس کا رب اس کے لیے تم سے بہتر عورتوں کو بدل لائے گا۔ یہ اتنے قصے ہیں کہ ان کے بیان کا یہ موقعہ نہیں۔"

جواب: صحیح بخاری میں ان طعنہ زنیوں کا نام ونشان تک نہیں پایا جاتا۔

❀ معترض کا یہ کہنا کہ: نبی کریم ﷺ کے خلاف اس کی بیباکی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے طلاق کی دھمکی دی۔ اور یہ کہا کہ اس کا رب اس کے لیے تم سے بہتر عورتوں کو بدل لائے گا...... الخ۔

❀ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں: ہم یہ نہیں کہتے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا معصوم تھیں؛ انبیاء کے علاوہ ہر انسان سے چھوٹا بڑا گناہ ہو جاتا ہے۔

معترض کا یہ کہنا کہ: اللہ تعالیٰ نے دھمکی دی کہ انہیں طلاق دیدی جائے گی، اور ان کے بدلے بہتر عورتوں کو لایا جائے گا۔ یہ دعوی درست نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بخاری میں موجود ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''غیرت کے مسئلہ پر ازواج مطہرات رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع تھیں؛ میں نے ان سے کہا: قریب ہے کہ رب کی طرف سے حکم آجائے؛ یہ آپ کو طلاق دیدیں؛ اور اللہ تعالیٰ تمہارے بدلہ میں ان کو بہترین بیویاں عطا کردیں۔'' تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

پس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں دھمکی والی کوئی بات نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو طلاق دینے کا اختیار دیا تھا، جیسا کہ اس آیت کے نام ''آیت تخییر'' سے بھی ظاہر ہوتا ہے، اور مزید برآں یہ کہ یہ آیت کریمہ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ خاص نہیں تھی، بلکہ تمام ازواج مطہرات کے لیے عام تھی۔

## شبہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی تدفین:

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ کے قریب دفن نہ کرنے دیا۔

کہتے ہیں: آپ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ، جنتی نوجوانوں کے سردار کے جنازہ پر اعتراض کیا، اور انہیں اپنے نانا کے پاس دفن نہ کرنے دیا، اور یہ کہا کہ: جسے میں نہیں چاہتی، اسے میرے گھر میں داخل مت کرو۔ اور یہ بات بھلادی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

''حسن اور حسین رضی اللہ عنہما جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔''

اور آپ نے یہ بھی فرمایا:

''اللہ اس سے محبت کرے جو ان دونوں سے محبت کرے، اور اس سے بغض رکھے جو ان دونوں سے بغض رکھے۔''

اور یہ حدیث کہ آپ نے فرمایا:

''میں اس کے ساتھ برسر جنگ ہوں جو تم سے جنگ کرے، اور ان کے لیے امن وسلامتی ہوں جو تمہارے ساتھ امن وسلامتی سے رہیں۔''

---

[1] البخاري: (٤٩١٦)

ان کے علاوہ دیگر کئی روایات ہیں، جن کے پیش کرنے کا یہ موقع نہیں۔ اور ایسا ہوتا بھی کیوں نہیں، کہ یہ اس امت میں رسول اللہ ﷺ کے دو خدشبودار پھول تھے۔

اور کہتے ہیں کہ! جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا، تو انہوں نے وصیت کی تھی کہ انہیں خاموشی سے دفنایا جائے۔ آپ کو بھی اپنے والد کی قبر کے پاس دفن نہیں کیا گیا، جیسے کہ پہلے بیان گزر چکا۔ تو پھر ان کے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے جنازہ کے ساتھ کیا کیا ہوگا؟ انہیں بھی اپنے نانا کی قبر کے پاس دفن نہ کرنے دیا۔ اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے روک لیا۔ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے بھائی کا جنازہ لے کر آئے کہ انہیں اپنے نانا رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں دفن کریں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خچر پر سوار ہو کر نکلی اور آوازیں دینے لگی، کہ میرے گھر میں ان کو مت دفن کرو؛ جو مجھے اچھے نہیں لگتے۔ بنوامیہ اور بنو ہاشم نے جنگ کے لیے صفیں باندھ لیں۔ لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ اپنے بھائی کا جنازہ لے کر نانا کی قبر کا طواف کریں گے اور پھر بقیع میں انہیں دفنا دیں گے۔ اس لیے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے انہیں وصیت کی ہے کہ ان کی وجہ سے خون کا ایک قطرہ نہ بہایا جائے۔

جواب: اس باب میں مذکور تمام روایات جھوٹی ہیں اہل سنت کی کتابوں میں ان کا نام ونشان نہیں ملتا۔ بلکہ ان کے برعکس پایا جاتا ہے۔ ابن اثیر رحمہ اللہ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی وفات کا واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی کو دفن کرنے کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اجازت چاہی، تو آپ نے ان کو اجازت دیدی۔ (1)

الاستیعاب میں ہے: جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوئے، اور انہیں وہاں دفن کرنے کی اجازت چاہی، تو آپ نے بڑی خوشی سے اجازت دیدی۔"

اور البدایہ میں ہے: "حضرت حسن نے آدمی بھیج کر اجازت طلب کی، تو آپ نے اجازت دیدی۔" (2)

☆۔ اور یہ دعوی کرنا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ام المؤمنین کے متعلق دو شعر کہے، ان اشعار کی زبان انتہائی رکیک ہونے کے ساتھ ساتھ یہ خود اس بیان کے متناقض ہیں جو کہ حضرت ابن عباس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے وقت رہا تھا۔

امام احمد نے "الفضائل" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے غلام ذکوان سے نقل کیا ہے، کہا:

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی موت کے وقت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے عیادت کی اجازت چاہی اور اس وقت آپ کا بھتیجا عبداللہ بن عبدالرحمن رحمہ اللہ آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ آپ کو اطلاع دی گئی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اجازت چاہتے ہیں، وہ آپ کے بہترین صاحبزادوں میں سے ہیں تو آپ نے فرمایا:

"مجھے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے معاف رکھو، میرے سامنے اس کا تزکیہ مت پیش کرو۔"

---

(1) الاستیعاب: (۱/ ۳۹۲)

(2) البدایة والنهایة: (۸/ ٤٤)

عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے کہا: ''آپ کتاب اللہ کے قاری ہیں؛ دین اللہ کے فقیہ ہیں۔ آپ ان کو اجازت دیں تاکہ وہ آپ کو سلام کر کے الوداع کہہ دیں۔

تو آپ نے فرمایا: جس کو مرضی چاہو اجازت دیدو۔

کہتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اجازت مل گئی، آپ اندر تشریف لے گئے سلام کر کے تشریف فرما ہوئے ، اور یوں گویا ہوئے:

اے اُم المؤمنین! آپ کو بشارت ہو! اللہ کی قسم! آپ کے درمیان اور ہر قسم کی تکلیف و پریشانی ختم ہونے اور اپنے احباب محمد ﷺ اور ان کی جماعت سے ملنے کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے کہ آپ کی روح آپ کے جسد سے جدا ہو جائے۔''

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا: آپ رسول اللہ ﷺ کی محبوب ترین بیوی تھیں۔ اور نبی کریم ﷺ صرف پاکیزہ چیز کو ہی پسند کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے آپ کی برات نازل فرمائی ۔ روئے زمین پر کوئی مسجد ایسی نہیں: جہاں صبح وشام اس کی تلاوت نہ ہوتی ہو۔ اور ابواء کی رات آپ کا ہار گر گیا، نبی کریم ﷺ اور آپ کے ساتھی وہیں پر رک گئے ہار تلاش کرنے لگے، حتیٰ کہ صبح ہوگئی۔ اور لوگوں کے پاس پانی نہیں تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ (النساء: ٤٣)

''پھر کوئی پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو۔''

اس میں تمام لوگوں کے لیے رخصت تھی، اور یہ آپ کی وجہ سے ہوا۔

اللہ کی قسم! آپ بابرکت تھیں۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے ابن عباس! ان باتوں کو چھوڑو، جانے دو، اللہ کی قسم! میں یہ پسند کرتی تھی کہ میں نسیاً منسیاً ہوگئی ہوتی۔''❶

اور خوارج کے ساتھ مناظرہ میں آپ نے فرمایا:

''میں کہتا ہوں، تمہارا یہ کہنا کہ آپ (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے جنگ لڑی، مگر نہ کوئی قیدی بنایا، نہ مال غنیمت حاصل کیا'' تو کیا تم اپنی ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کو قیدی بنانے اور ان کے ساتھ ویسا حلال سمجھتے ہو؛ جیسا دوسروں کے ساتھ حلال سمجھتے ہو؟ جب کہ وہ تمہاری ماں ہیں۔''

اگر تم کہو کہ ہم ویسا ہی ان کے ساتھ حلال سمجھتے جیسا کہ دوسریوں کے ساتھ حلال سمجھتے ہیں تو تم کافر ہو جاؤ گے۔ اگر تم یہ بھی کہو کہ وہ ہماری ماں نہیں ہے تو بھی تم کافر ہوئے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

❶ فضائل الصحابة: (٢/ ٨٧٣)

﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ (الأحزاب: ٦)

''یہ نبی مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھنے والا ہے اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔''

پس تم لوگ دو گمراہیوں کے درمیان میں گھوم رہے ہو۔ ہم اس سے مخرج لائے ہیں کیا ہم اس مسئلہ سے نکل گئے، کہنے لگے! ہاں اللہ گواہ ہے۔'' یہ تمام روایات صحیح سند کے ساتھ ثابت ہیں۔''[1]

## شبہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ظلم اور قتال:

اس مسئلہ کا کچھ حصہ پہلے گزر چکا، حدیث میں ہے: ''تم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرو گی، اور تم اس پر ظلم کرنے والی ہو گی۔''

یہ روایت معتمد کتب حدیث میں کہیں بھی ثابت نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی معروف سند پائی جاتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نہ ہی کوئی جنگ کی اور نہ ہی جنگ کے لیے نکلیں۔ آپ کے خروج کا مقصد لوگوں کے درمیان صلح وصفائی کرانا تھا۔ اور آپ کا خیال یہ تھا کہ ان کے نکلنے میں مسلمانوں کے لیے بہت بڑی مصلحت ہے، پھر آپ پر عیاں ہوا کہ آپ کا نہ نکلنا زیادہ بہتر تھا۔ اور جب آپ کو یہ واقعہ یاد آتا تو اتنا روتیں کہ آپ کا دوپٹہ تر ہو جاتا۔ یہی حال اکثر ان سابقین اولین کا ہے جنہوں نے ان جنگوں میں حصہ لیا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ، تمام ان جنگوں پر نادم تھے۔ یوم جمل میں ان لوگوں کا لڑائی کا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن بلا اختیار جنگ کا واقع پیش آ گیا۔ اس لیے کہ جب فریقین کے درمیان مراسلت ہوئی، اور صلح پر اتفاق ہو گیا۔ اور یہ فیصلہ ہوا کہ جیسے ہی حالات درست ہو نگے، وہ قاتلین عثمان کو کیفر کردار تک پہنچائیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل پر ہرگز راضی نہ تھے۔ اور نہ ہی اس سلسلہ میں کسی کی کوئی مدد کی، آپ قسم اٹھا کر فرمایا کرتے تھے:

''اللہ کی قسم! میں نے نہ ہی عثمان کو قتل کیا، اور نہ ہی ان کے خلاف کوئی سازش کی، آپ اپنی قسم میں سچے اور حق پر تھے۔''

قاتلین عثمان کو یقین ہو چلا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرات کے اتفاق کی صورت میں ہماری خیر نہیں۔ انہوں نے رات کے اندھیرے میں حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کے لشکر پر حملہ کر دیا ان حضرات نے سوچا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا ہے، چنانچہ انہوں نے اپنے دفاع میں لڑائی لڑی۔ پس یہ فتنہ بلا اختیار پیش آیا، اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اونٹ پر سوار تھیں۔ نہ ہی آپ نے جنگ لڑی، اور نہ ہی لڑنے کا حکم دیا۔ یہ بات کئی ایک معتبر مؤرخین نے ذکر کی ہے۔

☆۔ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قتل پر ان کا مؤقف اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

## شبہ از حدیث:...... جب شہر حوأب کے کتے بھونکیں گے:

قیس بن ابی حازم سے روایت ہے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا شہر حوأب میں اتریں تو کتوں کے بھونکنے کی آواز سنائی

[1] خصائص امیر المومنین: (١٥٨)

دی۔ آپ فرمانے لگیں! میرا خیال میں مجھے واپس چلے جانا چاہیے، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ نے فرمایا: تم میں سے کسی ایک پر حواب کے کتے بھونکیں گے۔ تو حضرت زبیر نے آپ سے کہا: آپ واپس جا رہی ہیں شاید کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ لوگوں میں صلح کرا دے۔ ❶

## اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا تھا۔ افسوس کہ تم میں سے کون اونٹ والی ہوگی، جو گھر سے نکلے گی، اور اس پر حواب بستی کے کتے بھونکیں گے، اس کے دائیں اور بائیں بہت سارے لوگ قتل ہوں گے، مگر پھر وہ آخر کار بچ جائے گی۔'' ❷

یہ حدیث صحیح ہے جیسا کہ البانی رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے، لیکن اس بات کی طرف بھی تنبیہ کی ہے کہ یہ حواب بستی کے چشمے نہیں تھے، جیسا کہ حضرت طلحہ وزبیر نے رضی اللہ عنہما بھی شہادت دی تھی۔ یہ اسلام میں پہلی جھوٹی گواہی تھی۔ ❸

شیخ البانی رحمہ اللہ نے قاضی ابن العربی رحمہ اللہ پر نکارت حدیث کے حوالے سے عتاب کیا ہے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ اس مزعوم اور من گھڑت شہادت پر اتفاق کیا ہے، آپ نے یہ وضاحت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خروج خطا پر مبنی تھا۔ لیکن اس حدیث کی روشنی میں یہ کوئی معصیت اور گناہ کا کام نہیں تھا۔ اس لیے کہ اس حدیث میں صرف یہ اشارہ ہے کہ وہ عنقریب اسے مقام پر جائے گی جہاں پر فتنے پیش آئیں گے اور بہت سارے لوگ قتل ہوں گے۔ اور جب آپ نے واپسی کا ارادہ کیا تو حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما نے آپ کے مؤقف اور موجود ہونے کی اہمیت سمجھائی، تاکہ لوگوں کے مابین صلح ہو سکے۔

یہ حضرات خیال کرتے تھے کہ لوگ آپ کا بہت احترام کرتے ہیں۔ آپ کے وجود کی برکت سے معاملہ حل ہو جائے گا۔ مگر اس کے باوجود آپ کا مؤقف خطا پر تھا۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ کئی مواقع ایسے آتے ہیں جہاں پر اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کا بھی معاتبہ کرتے ہیں۔ تو پھر جو لوگ انبیائے کرام علیہم السلام سے کم مرتبہ کے حامل ہیں، ان سے خطاء کا احتمال زیادہ اولی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک آدمی کو نہ چاہتے ہوئے بھی قتل کر دیا، حضرت خضر کے ساتھ کیا گیا عہد بھول گئے۔ حضرت یونس علیہ السلام غصہ میں قوم کو چھوڑ کر چل دے۔ مگر ان چیزوں کے باوجود ان حضرات کے فضائل میں کمی نہیں آتی بلکہ فی ذاتہ ایسے واقعات انصاف اور دین وعقل سے محروم لوگوں کے لیے فتنہ ہیں، اسی لیے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں، آپ دینا، وآخرت میں رسول اللہ ﷺ کی بیوی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ تمہیں آزمایا ہے کہ تم اللہ کی اطاعت کروتے ہو یا اس کی۔'' (رواہ البخاری)

❶ رواه احمد وأبو يعلى والبزار- ورجال احمد رجال الصحيح)
❷ البزار، مجمع الزوائد: (٧/ ٢٣٤)، اس کے راوی ثقہ ہیں
❸ السلسلة الصحيحة: (١/ ٢٢٧)، نمبر (٤٧٥)

اس سفر میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ آپ کے محرم تھے۔

## باندی لیکر گھومنے والی روایت:

☆۔ وکیع بن العلاء بن عبدالکریم الیامی نے عمار بن عمران سے؛ اس نے ایک آدمی سے روایت کیا ہے وہ ایک عورت سے روایت کرتا ہے وہ کہتی ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک باندی دیکھی، اور پھر اسے ساتھ لے کر گھومتی رہی، اور کہتی رہی: ''شاید کہ ہم اس کے ذریعہ قریشی نو جوانوں کو شکار کر لیں۔''

جواب: اس روایت کی سند میں عورت، اور اس سے روایت کرنے والا آدمی دونوں مجہول ہیں۔ عمار بن عمران ضعیف ہے۔ یہ عمار بن عمران زید الجعفی ہے، ابن ابی حاتم الجرح والتعدیل ۶/ ۳۹۲ یہ کہا ہے: اس کے متعلق جرح اور تعدیل کچھ بھی منقول نہیں۔ جب کہ یہ اثر ابن ابی شیبہ نے دو مقام پر نقل کیا ہے پہلی بار نمبر ۱۷۶۶۴ کے تحت اور دوسری بار ۲۲۳۵۱ کے تحت۔ ابن حجر کہتے ہیں: عمار بن عمران سوید بن غفلہ سے روایت کرتا ہے کہ: حضرت بلال نماز میں ہمارے کند ہے درست کیا کرتے تھے۔ اور اس سے اعمش نے روایت کیا ہے اور بعض نے یہ روایت اعمش سے نقل کی ہے کہ وہ کہا کرتے تھے، عمار بن عمران کی حدیث صحیح نہیں ہوتی۔ وہ اسے ضعفاء میں شمار کرتے تھے۔ ❶

یہ روایت وکیع بن جراح نے عمار بن عمران سے، وہ بنو زید کی ایک عورت سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتی ہے، عمار بن عمران اور یہ عورت دونوں مجہول ہیں۔ ان کی روایت قبول نہیں کی جا سکتی۔ حالانکہ یہ روایت ایک دوسرے باب سے تعلق رکھتی ہے، اور وہ باب ہے۔ ''فروخت کے لیے سامان کو مزین کرنے کا بیان۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس لونڈی کو بیچنا چاہتی تھی۔''

## حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقام و مرتبہ:

☆۔ ازواج مطہرات اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقام معترضین کہتے ہیں: یہ (یعنی اہل سنت والجماعت) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو باقی ازواج مطہرات کے مقابلہ میں زیادہ عزت و تعظیم دیتے ہیں۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کثرت کے ساتھ حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے کہا بے شک آپ کثرت کے ساتھ اس کو یاد کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے بہتر بیویاں دیدی ہیں۔ تو آپ نے فرمایا:

'' اللہ کی قسم اس کے بدلہ میں مجھے اس سے بہتر بیوی نہیں ملی۔ اس نے اس وقت میری تصدیق کی جب لوگوں نے جھٹلایا، اور جب لوگوں نے مجھے دھتکارا، اس نے مجھے ٹھکانہ دیا، اور اس نے اپنے مال سے مجھے خوش کیا، اللہ تعالیٰ نے اس سے مجھے اولاد دی کسی دوسری بیوی سے میری کوئی اولاد نہیں ہوئی۔''

جواب: اولاً اہل سنت کا اس پر اتفاق نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تمام ازواج مطہرات سے افضل ہیں۔ بلکہ یہ بات بہت

❶ لسان المیزان: (٤/ ٢٧٢) میزان الاعتدال: (٣/ ١٦٦)

سارے اہل سنت علماء نے کہی ہے۔ ان کی دلیل حضرت ابوموسیٰ اور حضرت انس سے مروی یہ حدیث ہے:

''عائشہ باقی عورتوں پر اسی طرح فضیلت رکھتی ہیں جیسے ثرید باقی کھانوں سے افضل ہے۔''

صحیح بخاری میں ہے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے کہا:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ازواج مطہرات میں سے آپ کو کون عزیز تر ہے؟

آپ نے جواباً فرمایا: ''عائشہ رضی اللہ عنہا۔''

میں نے عرض کیا اور مردوں میں سے آپ کس کے ساتھ زیادہ محبت رکھتے ہیں؟

فرمایا: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔''

میں نے عرض کیا ان کے بعد اور کس سے؟ فرمایا: ''عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔''

اس کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ دریافت کرتے چلے گئے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے درجہ بدرجہ متعدد صحابہ کا ذکر کیا۔ [1]

ان علماء کرام کا کہنا ہے: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ: اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے بہتر بیوی نہیں دی۔'' اگر اس کا معنی صحیح ثابت ہو، تو مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح ان سے بہتر بیوی نہیں دی کہ آپ کی وجہ سے شروع اسلام میں بہت زیادہ فائدہ ہوا جس میں کوئی دوسرا آپ کے قائم مقام نہیں بن سکا۔ پس اس اعتبار سے آپ بہتر تھیں۔ کیونکہ ضرورت کے وقت آپ سے فائدہ ملا ہے۔ جب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نبوت کا زمانہ زیادہ مل سکا۔ آپ اس زیادہ علم وایمان کی وجہ سے افضل تھیں، اور امت کو جتنا فائدہ آپ سے ہوا ازواج مطہرات میں سے کسی دوسری سے اتنا فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ اور آپ کو علم وسنت میں وہ مقام حاصل تھا جس تک کوئی دوسری نہ پہنچ سکی۔ اور نہ ہی کسی غیر سے امت کو ایسے فائدہ ملا جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملا ہے۔ اور اس وقت تک دین بھی کامل نہیں ہوا تھا کہ کمال ایمان وعلم میں انہیں وہ مقام حاصل ہو جاتا جو کمال ایمان ودین کے بعد ایمان لانے والوں کو حاصل ہوا۔

## شبہ: اُم المؤمنین صرف عائشہ رضی اللہ عنہا کوئی دوسری نہیں:

معترضین کہتے ہیں: اہل سنت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ام المومنین کہہ کر پکارتے ہیں جب کہ دیگر امہات المومنین کو اس لقب سے ملقب نہیں کرتے۔ اور ایسے ہی آپ کے برادر محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کے شرف ومنزلت اور اپنے باپ اور بہن سے قربت کے باوجود مؤمنین کا ماموں نہیں کہتے؛ جب کہ امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کو مؤمنین کا ماموں کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کی بہن ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہما بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج [مطہرات رضی اللہ عنہن] میں سے ایک تھیں۔ محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بہن اور اس کا باپ معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن اور باپ کی نسبت بہت بڑے اور عظیم مرتبہ والے تھے۔''

جواب: ''روافض کا دعوی ہے کہ: ''اہل سنت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ام المومنین کہہ کر پکارتے ہیں جب کہ دیگر امہات

[1] صحیح بخاری، (ح:٤٣٥٨) صحیح مسلم۔ (ح:٢٣٨٤)

المومنین کو اس لقب سے ملقب نہیں کرتے۔''

ہم کہتے ہیں کہ: یہ کھلا ہوا بہتان ہے اور ہر کس و ناکس اس سے آگاہ ہے۔ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ تمام ازواج مطہرات امہات المؤمنین ہیں؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ [الأحزاب ٦]

''پیغمبر مومنوں پر خود ان سے بھی زیادہ حق رکھنے والے ہیں اور پیغمبر کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔''

یہ بات ساری امت جانتی ہے۔

رہ گیا یہ اشکال کہ: ''محمد بن ابی بکر عظیم المرتبت تھا۔'' تو یہ واضح رہے کہ اہل سنت کے ہاں عظمت وفضیلت کا مدار و انحصار نسب پر نہیں، بلکہ تقوی پر ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ (الحجرات:۱۳)

''تم میں سب سے زیادہ باعزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔''

اگر رافضی مصنف کے نزدیک محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی عظمت شان اس کی سبقت اسلام اور ہجرت ونصرت کی رہین منت ہے۔ تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ محمد صحابہ میں شمار نہیں ہوتا۔ وہ مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم اجمعین صحابہ کے کسی بھی گروہ میں شامل نہیں۔

اور اگر رافضی قلم کار محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو بہت بڑا دین دار تصور کرتا ہے تو وہ غلطی کا شکار ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ محمد علماء وفضلاء اور اپنے طبقہ کے صلحاء میں شمار نہیں ہوتا۔ اور اگر جاہ ومنزلت اور ریاست کی بنا پر رافضی مضمون نگار اسے عظیم قرار دیتا ہے۔ تو اس فضیلت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں زیادہ صاحب جاہ ومنزلت ؛اور صاحب ریاست تھے۔ اور اس سے بڑھ کر دین دار اور زیادہ حلیم وکریم تھے۔

اور یہ کہنا کہ: ''محمد بن ابی بکر کا باپ اور اسکی بہن معاویہ کے باپ اور اسکی بہن سے افضل تھے۔''

جواب: ہم کہتے ہیں کہ: یہ دلیل سابقہ ذکر کردہ دونوں قاعدوں کی بنا پر باطل ہے۔ وجہ بطلان یہ ہے کہ اہل سنت کے یہاں کسی شخص کی فضیلت کا معیار حسب ونسب نہیں، بلکہ اس کی اپنی ذات ہے۔ نظر بریں محمد کے لیے یہ امر ذرہ بھر مفید نہیں کہ وہ حضرت ابوبکر و عائشہ رضی اللہ عنہما سے قریبی تعلق رکھتا ہے، دوسری طرف یہ نسبی فضیلت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں کچھ بھی قدح وارد نہیں کرتی۔ اہل سنت کے یہاں یہ معروف اصل ہے۔

اس قاعدہ کو ایک مثال کے ذریعہ یوں واضح کر سکتے ہیں کہ حضرت بلال وصہیب وخباب رضی اللہ عنہم اجمعین اور ان کے نظائر وامثال وہ لوگ ہیں جو سابقین اوّلین صحابہ میں شامل ہیں۔ اور فتح مکہ سے قبل انفاق وجہاد کے ذریعے عظیم انسانی واسلامی خدمات انجام دے چکے تھے۔ دوسری جانب وہ لوگ ہیں جو فتح مکہ کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔ مثلاً ابوسفیان بن حرب اور آپ کے دونوں بیٹے معاویہ و یزید رضی اللہ عنہم اجمعین ۔ نیز ابوسفیان بن حارث؛ ربیعہ بن حارث اور عقیل بن ابی

طالب رضی اللہ عنہم اجمعین ۔ یہ حسب و نسب کے اعتبار سے پہلے لوگوں کے مقابلہ میں افضل ہیں ؛ یہ لوگ قریش کے بنو عبد المطلب کے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب کہ وہ شرافت نسبی سے بہرہ ور نہیں۔ مگر ان کی فضیلت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہے ؛ جس کی وجہ فتح سے قبل اسلام لانا ؛ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔

# حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما سے متعلق شبہات:

## طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کی جھوٹی گاہی کا دعویٰ:

معترض کہتا ہے: جب عائشہ رضی اللہ عنہا کا گزر حواب کے چشموں پر ہوا۔ اور وہاں کے کتے اس پر بھونکے، تو اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تحذیر یاد آ گئی، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منع کیا تھا کہ اونٹ والی نہ بن جانا۔ پس عائشہ رضی اللہ عنہا رونے لگی، اور کہنے لگی! مجھے واپس کرو مجھے واپس کردو۔ لیکن طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما پچاس آدمی لے کر آئے، اور ان کے لیے انعام مقرر کیا، انہوں نے قسمیں اٹھائیں کہ یہ حواب کے چشمے نہیں ہیں پس آپ نے اپنا سفر جاری رکھا، حتیٰ کہ بصرہ پہنچ گئیں، مؤرخین کہتے ہیں: اسلام میں یہ پہلی جھوٹی گواہی ہے، پھر یہ خبر طبری، ابن اثیر اور مدائنی کی طرف منسوب کی ہے اور ان مؤرخین کی طرف اس کی نسبت کی ہے جنہوں نے سن ۳۶ھ کے، واقعات علم بند کیے ہیں۔

الجواب: اس روایت کا طبری اور ابن اثیر کی کتاب میں (ان الفاظ میں) وجود تک نہیں۔ ہاں زہری نے یہ روایت اس طرح نقل کی ہے: ہم تک یہ بات پہنچی ہے، کہ جب طلحہ اور زبیر حضرت علی کے ٹھکانے بمقام ذی قار تک پہنچے تو وہاں سے بصرہ کی طرف چلے گئے، اور منکد کے پاس پڑاؤ ڈالا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کتوں کے بھونکنے کی آواز سنی، تو پوچھا: یہ کون سی جگہ؟ (کون سے پانی ہیں)؟ تو کہنے لگے: حواب!

آپ نے فرمایا: ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ میں ہی وہی ہوں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ اپنی ازواج مطہرات سے فرما رہے تھے:

''ہائے افسوس! تم میں سے کون ہوگی جس پر حواب کے کتے بھونکیں گے۔''

پس آپ نے واپسی کا ارادہ کرلیا۔ تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، ان کا خیال ہے (یعنی راوی کا) کہ آپ نے کہا: جس نے یہ کہا: یہ حواب کے پانی ہیں، اس نے جھوٹ بولا۔ اور آپ برابر سمجھاتے رہے، حتیٰ کہ آپ رضی اللہ عنہا ان کے ساتھ چلی گئیں۔ ❶

ابن اثیر اور طبری کی روایات واضح ہیں۔ انہوں نے طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کا ذکر تک نہیں کیا۔ بلکہ عبداللہ بن زبیر کا ذکر کیا ہے، اور یہاں پر جھوٹی گواہی کا ذکر تک نہیں۔ یہاں پر اتنا ہے ''ابن زبیر نے اس آدمی کی بات کو جھٹلایا ہے، جس نے کہا یہ حواب ہے، اور یہ جملہ بھی تمریض کے صیغہ سے لائے ہیں۔ اس لیے کہ زہری نے یوں کہا ہے: ''فزعم أنه قال'' ان کا خیال ہے کہ آپ نے کہا۔''

❶ تاریخ الامم والملوك: (۳/ ۱۸) الكامل: (۳/ ۲۱۰)

# حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے متعلق شبہات

شبہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار کر دیا تھا؟

جواب: ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ اس کی صحیح سند کے ساتھ دلیل پیش کرو، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت پر اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتفاق تھا۔ اس بارے میں اختلاف معروف نہیں۔ اور ان سب کا خیال اور رائے یہ تھی کہ آپ ہی تمام لوگوں سے بڑھ کر اس کے حقدار ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بڑے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ اگر آپ مخالفت کرتے تو اس سے غفلت نہیں برتی جاسکتی تھی۔ اور یہ بات لوگوں کے درمیان مشہور ہوتی۔ اور معروف مصادر میں اسے نقل کیا جاتا۔

بات یہ ہوئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت فتنہ کے وقت میں ہوئی، لوگ اس وقت متفرق تھے۔ اس کی وجہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تھی۔ بعض صحابہ جیسے حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیعت میں تاخیر کی۔ ان حضرات کا کہنا تھا ہم دیکھتے ہیں: ''لوگ جس کی بیعت کریں گے، ہم بھی اس کی بیعت کرلیں گے۔''

طبری نے ایسے ہی روایت کیا ہے۔ حضرت سعد اور ابن عمر کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت میں یہ توقف شروع میں تھا۔ پھر ان دونوں حضرات نے بیعت کر لی تھی۔ کیونکہ لوگوں کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت پر اجماع ہو گیا تھا، اور ان دونوں حضرات کی شرط بھی یہی تھی، یہ ان حضرات کی کمال فقاہت و سمجھ داری ہے، اس لیے کہ یہ حضرات اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی بیعت کر لیتے تو مخلوق خدا کی ایک بہت بڑای تعداد، ان کے پیچھے چل پڑتی۔ اور لوگوں میں بہت بڑا تفرقہ پیدا ہو جاتا۔

ان حضرات کے بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کا قصہ ابن کثیر بیان کیا ہے؛ وہ کہتا ہے: وہ پھر دوبارہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اصرار کیا۔ اشتر نخعی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کی بیعت کی، اور لوگوں نے بھی آپ کی بیعت کی۔ یہ بروز جمعرات ۲۴ ذوالحجہ کا واقعہ ہے۔ اور یہ واقعہ لوگوں کے ساتھ مشورہ اور بحث و گفتگو کے بعد پیش آیا۔ اس لیے کہ تمام لوگ یہی کہہ رہے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی بھی اس منصب کے لیے مناسب نہیں ہے۔ جب جمعہ کا دن تھا، تو آپ منبر پر چڑھے اور ان لوگوں نے بھی آپ کی بیعت کی، جنہوں نے جمعرات کو بیعت نہ کر سکی تھی۔''

اس سے واضح ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت دو دن میں مکمل ہوئی۔ جمعرات اور جمعہ کے دن۔ جن لوگوں نے یہ

❶ البداية ولنهاية: (۷/ ۲۳۸)

واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت سعد اور ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر بعض صحابہ بیعت سے پیچھے رہ گئے تھے، تو اس سے مراد پہلے دن کی بیعت ہے۔ اگلے روز ان حضرات نے بھی بیعت کرلی؛ ان میں سے کوئی ایک بھی پیچھے نہیں رہا۔ یہ تمام باتیں ان مؤرخین نے نقل کی ہیں جنہوں نے بیعت کے واقعہ کی تفصیلات نقل کی ہے، اور پھر صحیح تر روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت ابن عمر بیعت میں شامل ہو گئے تھے۔''

## شبہ: فضیلت صحابہ کرام کے متعلق حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول:

☆۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ''بے شک لوگوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل ترین انسان حضرت ابو بکر پھر عمر اور پھر عثمان؛ پھر اس کے بعد لوگ برابر ہیں......؛۔

معترضین کہتے ہیں: عبداللہ بن عمر لوگوں کو یہ کہا کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے افضل حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ...... الخ۔ پھر اس کے بعد لوگوں میں کوئی فرق نہیں سبھی برابر ہیں'' پھر کہتا ہے: ابن عمر کے کلام کا مطلب یہ ہوا کہ امام علی رضی اللہ عنہ، عام لوگوں کے برابر عام آدمی ہیں۔ آپ کی کوئی فضیلت نہیں۔

جواب: تمام لوگ یہ جانتے ہیں کہ یہ الزام بہت بڑا بہتان اور جھوٹ ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول یہ مقولہ اگرچہ درست ہے، لیکن اس کے آخر میں یہ جملہ نہیں پایا جاتا کہ اس کے بعد لوگ برابر ہیں۔

یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول نہیں، اور نہ ہی آپ سے ثابت ہے اور نہ ہی اس کی کوئی سند صحیح ہے، اور ان معترضین کے اعتقاد کے مطابق اس اثر کا مفہوم بھی غیر مسلم ہے۔ فضیلت کا ترک کرنا ایک دوسری چیز ہے، اور مساوات کا ہونا ایک دوسری چیز ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت یہ ہے کہ آپ ان تین حضرات کے بعد صحابہ کو ایک دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے تھے، اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ باقی لوگ فضیلت میں برابر نہیں، حدیث کی شرح میں علماء نے یہ بات واضح طور پر کہی ہے۔ تاکہ اس شبہ کی جڑیں کاٹی جاسکیں۔ چنانچہ علامہ خطابی فرماتے ہیں:

> ''اس کی توجیہ یہ ہے کہ۔ واللہ اعلم۔ اس سے مراد بزرگ اور بڑی عمر کے وہ لوگ تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی معاملہ پیش آتا تو ان حضرات سے مشورہ کیا کرتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نوخیز نوجوان تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جفا یا آپ کے مقام ومرتبہ میں کمی یا آپ کے فضائل کا انکار نہیں۔ آپ کے فضائل مشہور ہیں، جن کا نہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو انکار ہے اور نہ ہی کسی دوسرے صحابی کو۔'' ❷

❶ تحقیق مواقف الصحابة فی الفتنة: احمد اسخرویه: (۲/ ۵۹)
❷ معالم السنن: (۲۷۹۱٤)

ابن حجر نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر اجماع منعقد ہوئے سے پہلے کا ہے:

''خلفائے ثلاثہ کے بعد آپ کی فضیلت پر تمام امت کا اجماع ہے۔''[1]

## حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے متعلق شبہات

☆۔ شبہ: آپ کو سیف اللہ کے لقب سے متعلق اس پر ردگزر چکا۔

☆۔ شبـــہ: رسول اللہ ﷺ نے آپ کو بنی جذیمہ سے صدقات کی وصولی کے لیے بھیجا، آپ نے خیانت کی، اور نبی کریم ﷺ کے حکم کی مخالفت کرتے ہوئے، مسلمانوں کو قتل کیا۔ نبی کریم ﷺ اس پر انکار کرتے ہوئے خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھالیے، حتیٰ کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی، اور آپ نے فرمایا: اے اللہ! میں خالد کے عمل سے بری ہوں، پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کی تلافی کے لیے بھیجا، حتیٰ کہ انہوں نے کتے کے برتن کی بھی تلافی کی۔ آپ کو حکم تھا کہ ان لوگوں کو راضی کریں۔

جواب: اس نقل میں جہالت اور تحریف پائی جاتی ہے، سیرت کا علم رکھنے والوں پر یہ بات کسی طرح مخفی نہیں ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد آپ کو بنی جذیمہ کی طرف بھیجا تھا، تاکہ وہ لوگ اسلام قبول کرلیں۔ مگر وہ اپنے اسلام کا اظہار درست طرح سے نہ کرسکے، اور کہنے لگے! صبانا صبانا، ہم نے دین بدل دیا۔''

تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس پر راضی نہ ہوئے۔ اور فرمایا: یہ اسلام نہیں ہے، اور ان لوگوں کو قتل کردیا۔ آپ کے ساتھ موجود اکابر صحابہ نے اس کا رد اور انکار کیا، جیسا کہ حضرت سالم مولی ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھالیے اور یہ دعا کی:

''اے اللہ! میں خالد کی اس حرکت سے بری ہوں، آپ ﷺ کو اندیشہ تھا کہ کہیں اللہ تعالیٰ اس ظلم کا محاسبہ نہ کریں۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم بھی یہی تھا:

﴿فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ۝﴾ (الشعراء: ٢١٦)

''پھر اگر وہ تیری نافرمانی کریں تو کہہ دے کہ بے شک میں اس سے بری ہوں جو تم کرتے ہو۔''

پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا؛ اور آپ کے ساتھ کافی مال بھیجا، مقتولین کی آدھی دیت دی گئی۔ اور سامان میں کتے کی رکابی تک کی تلافی کی گئی۔ اور جو مال بچ گیا، وہ بھی احتیاطاً ان کو دیا گیا، تاکہ کسی کی نامعلوم کوئی چیز نہ رہ گئی ہو، مگر اس کے باوجود حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے لشکر کی امارت سے معزول نہیں کیا۔ بلکہ آپ کو برابر امیر بنا کر مقدمۃ الجیش پر روانہ کرتے رہے، اس لیے کہ جب امیر سے غلطی ہو جائے تو اس رجوع کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اور ولایت پر برقرار رکھا جاتا ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے سچے مطیع اور فرمانبردار تھے،

[1] فتح الباری: (٧/ ١٦)

معاند اور سرکش نہیں تھے۔لیکن دوسرے علماء صحابہ کی طرح آپ دین کا علم نہیں وفقاہت نہیں تھی۔اس وجہ سے اس قضیہ کا حکم آپ پر مخفی رہا۔

☆۔ شبہ: مالک بن نویرہ کا قتل......الخ:

اس کا جواب گزر چکا ہے۔

# حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور شبہات کا جواب

**شبہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عدم محاسبہ معاویہ رضی اللہ عنہ:**

معترض کہتا ہے: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جو کہ گورنروں کے، احتساب اور معمولی شبہ کی وجہ سے ان کو معزول کرنے میں معروف ومشہور تھے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نرمی کا برتاؤ روا رکھتے تھے۔ اور کبھی ان کا محاسبہ نہیں کیا۔ امیر معاویہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے والی مقرر کیا تھا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کا تمام عرصہ آپ کو اس منصب پر برقرار رکھا، ایک دن عتاب یا ملامت تک نہیں کیا۔ حالانکہ کثرت کے ساتھ لوگ اس کی شکایتیں کرتے، اور کہتے کہ معاویہ سونا اور ریشم پہنتا ہے؛ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں پر حرام کیا ہے۔ اور عمر رضی اللہ عنہ انہیں جواب دیتے کہ: اسے چھوڑ دو، وہ عرب کا کسری ہے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بیس سال تک گورنر رہے، نہ ہی کسی نے اس پر اعتراض کیا، اور نہ ہی آپ کو معزول کیا، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ المسلمین بنے تو کچھ دوسری ولایات بھی آپ کی گورنری میں دیدیں۔ جس کی وجہ سے آپ بہت بڑی اسلامی دولت اور لشکر کی تیاری پر قادر ہوگئے! اس لشکر میں عرب اوباشوں کو بھی شامل کرلیا۔ جنہوں نے امت اسلامیہ کے امام کے خلاف انقلاب کھڑا کیا۔ اور زبردستی حکومت پر قابض ہوگئے۔ اور لوگوں کی گردنوں کے فیصلے کرنے لگے، اسی قوت اور غلبہ کی وجہ سے اپنے فاسق اور شراب نوش بیٹے یزید کے لیے لوگوں سے بیعت بھی لے لی۔

جواب: جو چیز صحیح روایات میں ثابت ہے، وہ اس امر کے خلاف ہے ابن کثیر نے البدایہ میں لکھا ہے: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

> حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے۔ ان پر سبز جبہ تھا۔ صحابہ نے ان کی طرف دیکھا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو ایک چھلانگ لگائی، اور اپنے درّے سے ان کی پٹائی لگائی، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ برابر کہتے جارہے تھے:
>
> اے امیر المؤمنین! میرے بارے میں اللہ سے ڈرو۔''

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی نشست پر واپس چلے گئے، تو لوگوں نے پوچھا، اے امیر المؤمنین! آپ نے ان کی پٹائی کیوں لگائی؟ حالانکہ اس پوری قوم میں ان جیسا کوئی نہیں؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے اس میں خیر کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا، اور نہ ہی خیر کے علاوہ کوئی بات مجھ تک پہنچی۔ اگر مجھ تک کوئی دوسری بات پہنچی ہوتی تو تو میرا ردعمل بھی کچھ اور ہی دیکھتے۔ لیکن میں نے ایک چیز دیکھی تو مجھے یہ بات مناسب معلوم ہوئی کہ اس تکبر کا علاج کیا جائے۔''[1]

☆۔ یہ کہنا کہ: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بہت سارے لوگ شکایات پہنچایا کرتے تھے۔ یہ واقعات اور تاریخ کی روشنی

[1] البدایة والنهایة: (۸/ ۱۲۵)

میں صاف جھوٹ ہے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ چالیس سال تک شام میں حاکم رہے۔ ان کے اپنے رعایا کے ساتھ تعلقات انتہائی گہرے اور محبت پر مبنی تھے۔ اور یہ اتنے گہرے تعلقات تھے کہ جب آپ نے خون عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ کیا تو آپ کے ساتھ ایک بھرپور قوت موجود تھی۔

☆۔ یہ کہنا کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ سونا اور ریشم پہنتے ہیں؛ تو انہوں نے آپ کو ''کسریٰ عرب'' کہا ہے۔ تو اس کے بارے میں ہمیں علم نہیں ہو سکا کہ یہ بات کس نے ذکر کی ہے (اور پھر اس اعتراض کرنے والے کے قول میں تضاد پایا جاتا ہے)۔ اور غریب بات یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صرف سبز جبہ پہننے کی وجہ سے ان کی پٹائی لگائے ہیں، حالانکہ یہ رنگ اور جبہ مباح ہیں، اور جب ریشم اور سونا حرام چیزیں پہنیں تو آپ ان پر خاموش کیسے رہیں.....؟؟

☆۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کا والی مقرر کرنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کوئی طعنہ والی بات نہیں۔ یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے والد ابوسفیان کو نجران کا والی مقرر کیا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک وہ اسی منصب پر کام کرتے رہے۔

بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر امراء وعمال کا تعلق بنوامیہ سے تھا۔'' [تفصیل منہاج السنۃ سے: ۴/۴۶۰۔]

۱۔ عتاب بن اُسید بن ابوالعاص بن امیہ اموی رضی اللہ عنہ کو حاکم مکہ مقرر کیا؛ جو کہ روئے زمین کا سب سے محترم گوشہ ہے۔ [1]

۲۔ خالد بن سعید بن العاص اموی رضی اللہ عنہ کو صنعاء یمن اور بنی مذحج سے صدقات وصول کرنے پر عامل مقرر کیا تھا۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک اسی منصب پر فائز رہے۔

۳۔ اس کے دونوں بھائیوں حضرت ابان بن سعید ابن العاص رضی اللہ عنہ اور سعید بن سعید رضی اللہ عنہ کو دوسرے اعمال [تیماء؛ خیبر؛ اور عرینہ کی بستیوں] پر عامل مقرر فرمایا تھا۔

۴۔ ابان بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو پہلے بعض سرایا پر امیر مقرر کیا اور پھر آپ کو بحرین کا والی مقرر کیا۔ آپ حضرت العلاء الحضرمی رضی اللہ عنہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک اس منصب پر فائز رہے۔

۵۔ اور ابوسفیان بن حرب بن امیہ اموی رضی اللہ عنہ اور اس کے بیٹے حضرت یزید رضی اللہ عنہ کو نجران کا عامل مقرر فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو یہ لوگ اسی منصب و ذمہ داری پر تھے۔

☆۔ جب حضرت امیر معاویہ شام کے والی بنے تو آپ کی سیاست افضل واعلیٰ سیاست تھی۔ آپ اپنی رعایا سے محبت کرتے تھے اور رعایا آپ سے ٹوٹ کر محبت کرتی تھی۔ قبیصہ بن جابر کہتے ہیں:

''میں نے بردباری، سیادت، دوراندیشی، نرم روی اور کھلے سینہ والا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔''

---

[1] سنن نسائی، کتاب الاذان، باب کیف الاذان(ح:۶۳۳)، سنن ابن ماجۃ۔ کتاب الاذان۔ باب الترجیع فی الاذان(ح:۷۰۸)، و کتاب التجارات، باب النهی عن بیع ما لیس عندك(ح:۲۱۸۹)۔

بعض نے یہاں تک کہا ہے کہ: ایک آدمی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو انتہائی بری گالیاں سنائیں۔
آپ سے کہا گیا: ''اگر آپ اس کو کچھ آدب سکھاتے۔''
تو آپ نے فرمایا: '' مجھے اللہ تعالیٰ سے حیاء آتی ہے کہ میرا حلم و درگزر میری رعایا کے کسی آدمی کے لیے تنگ ہو جائے۔''
اور ایک آدمی نے آپ سے پوچھا: اے امیر المؤمنین! آپ اتنے حلیم اور بردبار کیسے ہیں؟
تو آپ نے فرمایا: مجھے اس بات سے حیاء آتی ہے کہ کسی کا گناہ میرے حلم سے بڑھ کر ہو۔'' [البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۱۳۸.]
یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے خون عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ کرنے کے لیے ان لوگوں کو بلایا، تو لوگوں نے آپ کی پکار پر لبیک کہا: اور اس پر آپ کی بیعت کی، اور آپ کو پختہ عہد دیا کہ وہ اس راہ میں اپنی جانیں اور مال سب کچھ قربان کریں گے اور یا تو وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتقام لیں گے، یا اس راہ میں جانیں دیں گے۔
☆۔ یہ دعویٰ کرنا کہ اور معاویہ اسلامی ثروات (خزانے) پر غالب ہو گئے۔ لشکر تیار کیے، اور عرب اوباشوں کو انقلاب پر ابھارا۔ اور امت اسلامیہ کے امام کے خلاف انقلاب بپا کیا، اور زبردستی طاقت کے بل بوتے پر اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اور مسلمانوں کی گردنوں کے فیصلے کرنے لگے، یہ حضرت امیر معاویہ پر بہت بڑا جھوٹا الزام ہے، اس لیے کہ آپ نہ ہی حکومت چھیننا چاہتے تھے اور نہ ہی آپ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت پر اعتراض تھا۔ بلکہ آپ کا مطالبہ یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین سے انتقام لیا جائے (انہیں گرفتار کیا جائے) پھر وہ بھی حضرت علی کی اطاعت میں داخل ہو جائیں گے۔ علامہ ذہبی نے ''السیر'' میں نقل کیا ہے۔ یعلی بن عبید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں ابو مسلم خولانی اور کچھ دیگر لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے، اور ان سے پوچھنے لگے!
آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تنازعہ کر رہے ہیں یا آپ بھی ان ہی کی طرح ہیں؟
تو حضرت امیر معاویہ نے فرمایا: نہیں، اللہ کی قسم! ایسی بات ہرگز نہیں، میں یقینی طور پر جانتا ہوں کہ حضرت امیر المؤمنین مجھ سے افضل ہیں۔ اور آپ مجھ سے زیادہ خلافت کے حق دار ہیں۔ لیکن کیا آپ نہیں جانتے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مظلومیت کی حالت میں شہید کیے گئے۔ میں آپ کا چچازاد ہوں! اور میں حضرت عثمان کی قصاص کا مطالبہ کرتا ہوں۔ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ۔ اور ان سے کہو! قاتلین عثمان کو ہمارے حوالے کر دیں، ہم انہیں تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں، یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، اور آپ سے بات کی۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاتلین عثمان کو ان کے سپرد نہ کیا۔'' [1]
اور اس کی تاکید حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے میری لڑائی صرف خون عثمان رضی اللہ عنہ کی وجہ سے ہے۔ امامیہ فرقہ کے لوگ بھی اپنی کتابوں میں یہ بات لکھتے چلے آئے ہیں۔

[1] سیر اعلام النبلاء: (۳/ ۱٤٠)

شریف رضی نے ''شرح نہج البلاغۃ'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک خطبہ میں آپ کا یہ قول نقل کیا ہے:

''ہمارے معاملہ کی ابتداء یہاں سے ہوئی، کہ ہمارا اہل شام کے ساتھ آمنا سامنا ہوا۔ یہ ظاہر ہے کہ ہمارا رب ایک ہے، ہمارا نبی ایک ہے۔ ہماری دعوت اسلام ایک ہے وہ ایمان باللہ اور تصدیق رسالت میں ہم سے بڑھ کر نہیں اور ہم ان سے بڑھ کر نہیں، ہمارا معاملہ بالکل ایک ہے۔ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے معاملہ میں ہمارا اختلاف ہوا ہے، اور ہم خون عثمان رضی اللہ عنہ سے بری ہیں۔'' ❶

حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب خود اس بات کی تصدیق وتاکید کرتے ہیں کہ ان کے مابین اختلاف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی وجہ سے تھا خلافت کی وجہ سے نہیں۔ اور نہ ہی اس میں مسلمانوں کی گردنوں کے فیصلہ کی کوئی بات تھی، جیسا کہ جھوٹے معترض کا دعوی ہے۔

☆۔ یہ کہنا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قوت اور غلبہ کے بل بوتے پر مسلمانوں سے اپنے فاسق اور شراب نوشی بیٹے یزید کے لیے بیعت لی۔'' یہ حضرت امیر معاویہ پر جھوٹا الزام ہے۔ آپ نے اپنے بیٹے یزید کی بیعت پر کسی کو مجبور نہیں کیا۔ لیکن آپ کا ارادہ تھا کہ اپنے بیٹے کو ولی عہد نامزد کریں، اور یہ کام آپ نے کر دیا، اور لوگوں نے اسی ولایت عہد کے اعتبار سے یزید کی بیعت کی، حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی اس بیعت سے پیچھے نہیں رہا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وفات پا گئے، مگر آپ نے کسی کو یزید کی بیعت پر مجبور نہیں کیا۔

☆۔ یہ کہنا کہ یزید شراب نوش فاسق تھا، یہ بھی جھوٹ ہے، اس کا جواب ہم حضرت محمد بن علی بن ابو طالب پر چھوڑتے ہیں، اس لیے کہ آپ یزید کے پاس مقیم رہے، اور وہ یزید کے بارے میں خوب جانتے ہیں۔

ابن کثیر نے کہا ہے اور جب محمد بن علی یزید کے پاس سے مدینہ واپس لوٹے، تو عبداللہ بن مطیع آپ کے استقبال کے لیے نکلا۔ ان لوگوں کا ارادہ تھا کہ آپ کو یزید کی بیعت سے منحرف کر دیں، مگر آپ نے انکار کر دیا۔ ابن مطیع نے کہا: یزید شراب نوش، تارک نماز اور کتاب اللہ سے تجاوز کرنے والا ہے، تو آپ نے ان لوگوں سے کہا: جو باتیں تم کہتے ہو، ان میں سے کوئی بات بھی میں نے نہیں دیکھی۔ میں اس کے پاس گیا اور وہاں قیام کیا، وہ نماز کا پابند، خیر کا متلاشی، فقہ کا طالب اور سنت کا پابند ہے۔

کہنے لگے: اس نے آپ کے سامنے یہ سب کچھ ریاکاری کے لیے کیا تھا۔

تو آپ نے کہا: اسے کس چیز کا خوف تھا، یا مجھ سے کسی چیز کی امید تھی، کہ وہ میرے سامنے اس خشوع کا اظہار کرتا؟ کیا تم نے خود دیکھا ہے کہ وہ شراب پیتا ہے؟ اور اگر تم نے اسے نوشی کرتے دیکھا ہے تو تم اس کے ساتھ برابر کے شریک ٹھہرے۔ اور اگر تم نے دیکھا نہیں تو، پھر تمہارے لیے ایسی بات کہنا حلال نہیں جس کو تم جانتے نہیں ہو۔

❶ نهج البلاغة: (٣/ ١١٤)

کہنے لگے یہ بات ہمارے نزدیک حق ہے۔ اگر چہ ہم نے نہ بھی دیکھا ہو۔
تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس قسم کی گواہی سے منع کرتے ہیں فرمان الٰہی ہے:
﴿وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَن شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ (زخرف ۸۶)
''اور وہ لوگ جنھیں یہ اس کے سوا پکارتے ہیں، وہ سفارش کا اختیار نہیں رکھتے مگر جس نے حق کے ساتھ شہادت دی اور وہ جانتے ہیں۔''
میں تمہاری کسی بات میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ کہنے لگے: شاید آپ کو یہ بات ناپسند ہو کہ آپ کے علاوہ کوئی دوسرا امیر بنے، تو ہم اپنا معاملہ آپ کے ہاتھ میں دیتے ہیں۔ تو فرمایا: ''جس چیز میں قتال کو حلال سمجھا جائے، اس میں میں نہ تابع بن سکتا ہوں اور نہ ہی متبوع۔
کہنے لگے: آپ نے اپنے والد کے ساتھ مل کر تو جنگ لڑی تھی؟
فرمایا: کوئی میرے والد جیسا لاؤ، اور وہ مقصد لاؤ جس پر میرے والد لڑے تھے۔
کہنے لگے: آپ اپنے بیٹوں، قاسم اور ابو القاسم کو حکم دیں کہ وہ ہمارے ساتھ مل کر لڑیں۔
فرمایا: اگر میں ان کو حکم دوں تو گویا کہ میں نے خود قتال کیا۔
کہنے لگے: پھر آپ ہمارے ساتھ چلیں کہ ہم لوگوں کو جنگ کی ترغیب دیں۔
آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! میں لوگوں کو ایسی بات کا حکم دوں جو نہ خود کرتا ہوں اور نہ ہی اسے پسند کرتا ہوں۔ تو پھر میں اللہ کی رضا کے لیے اس کے بندوں کا خیر خواہ نہ ہوا۔
کہنے لگے: تو پھر ہم آپ کو مجبور کریں گے؟
تو آپ نے فرمایا: میں لوگوں کو یہی کہوں گا، وہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہیں، اور اللہ کو ناراض کر کے مخلوق کو راضی نہ کریں۔'' اور یہ کہہ کر آپ مکہ کی طرف چل دے۔ [1]

☆۔ یہ دعوی کہ: حضرت امیر معاویہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں دینے کا حکم دیا۔ اور یہ دعوی کہ آپ کاتب وحی نہیں تھے۔
ایک معترض کہتا ہے: میں نے اکثر وہ اسباب تلاش کئے جن کی وجہ سے، ان اصحاب نے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدل ڈالا۔ تو مجھ پر عیاں ہوا کہ اکثر بنو امیہ، اور ان میں غالب تعداد اصحاب نبی کی تھی، اور ان میں پیش پیش امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے: جسے یہ لوگ کاتب وحی کہتے ہیں، وہ لوگوں کو ترغیب دیتے تھے، اور مجبور کرتے تھے کہ وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیں، اور منبر پر آپ پر لعنت کریں (مساجد میں)۔ جیسا کہ مؤرخین نے ذکر کیا ہے، امام مسلم نے صحیح مسلم میں باب ''فضائل علی بن ابی طالب'' میں اس طرح کی روایات نقل کی ہیں:
''اور امیر معاویہ نے مختلف شہروں میں اپنے عمال کو حکم دیا کہ: خطباء منبروں پر اس لعنت کو سنت بنالیں۔''

[1] البداية والنهاية: (۸/ ۲۳۳)

اور دوسرے مقام پر وہ کہتا ہے: یہ لوگ کیسے اس کے اجتہاد کا فیصلہ کرتے، اور اس کو اس کا اجر دیتے ہیں، حالانکہ اس نے اہل بیت رسول، اولاد مصطفیٰ ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منبروں پر لعنت کرنے کی ترغیب لوگوں کو دی۔''

اور ایک جگہ پر کہتا ہے: اور کیسے اس کو کاتب وحی کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ پر پورے تیس سال کا عرصہ وحی نازل ہوتی رہی۔ ان میں سے گیارہ سال تک معاویہ رضی اللہ عنہ مشرک رہے اور جب فتح مکہ والے سال اسلام قبول کیا تو ہمیں ایک روایت بھی نہیں ملتی کہ اس نے مدینہ میں قیام کیا ہو۔ جب کہ رسول اللہ ﷺ فتح کے بعد مکہ میں نہیں رہے۔ تو پھر امیر معاویہ کے لیے کتابت وحی کیسے ممکن ہوگئی؟؟ یہ بڑی عجیب بات ہے۔

جواب: حضرت علی رضی اللہ عنہ پر گالی کے حوالہ سے کلام گزر چکا۔

جہاں تک آپ کے کاتب وحی ہونے کا تعلق ہے، تو یہ بات ثابت شدہ ہے، امام مسلم نے صحیح مسلم میں ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ابوسفیان نے رسول اللہ ﷺ سے تین مطالبے کئے؛ اور آپ نے وہ منظور فرما لیے؛ ان میں سے ایک مطالبہ یہ تھا کہ معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کو اپنے پاس کاتب وحی رکھا جائے' تو آپ نے مان لیا۔'' [مسلم: ۲۵۰۱]

اور امام احمد نے مسند میں اور امام مسلم نے صحیح میں ابن عباس سے نقل کیا ہے؛ آپ فرماتے ہیں:

میں چھوٹا بچہ تھا اور بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ اچانک رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے تو میں دروازے کے پیچھے چھپ گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: آپ ﷺ نے مجھے میرے دونوں کندھوں کے درمیان تھپکی دی اور فرمایا جا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر لاؤ۔'' معاویہ آپ کے ہاں کاتب تھے۔

آپ فرماتے ہیں: میں دوڑتا ہوا گیا؛ اور جا کر کہا: رسول اللہ ﷺ جلدی کسی ضرورت سے بلا رہے ہیں۔''[1]

یہ دونوں صحیح احادیث ثابت کرتی ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی تھے۔

## حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حجر بن عدی رحمہ اللہ کا قتل:

ایک معترض کہتا ہے کہ: جب اس معاملہ میں کچھ صحابہ نے تاخیر کی، اور اس کو برا سمجھا، تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو قتل کرنے اور جلانے کا حکم دیا۔ اور مشاہیر صحابہ قتل کئے گئے ان میں حجر بن عدی الکندی رحمہ اللہ بھی ہیں۔ اور بعض صحابہ کو زندہ دفن کیا گیا۔ اس لیے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لعنت نہیں کی تھی، اور اس فعل کو برا سمجھتے تھے۔

جواب: حجر بن عدی رحمہ اللہ کے صحابی ہونے کے بارے میں اختلاف مشہور ہے امام بخاری رحمہ اللہ اور کچھ دوسرے لوگوں نے اسے تابعین میں شمار کیا ہے، اور کچھ دوسرے حضرات نے صحابہ میں شمار کیا ہے۔

☆ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حجر عدی کو اس وجہ سے قتل نہیں کیا تھا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں نہیں دیتے ہیں۔

[1] مسند احمد: (۲٦٥١) مسلم: (۲٦۰٤)

بلکہ مؤرخین کے مطابق حجر بن عدی کے قتل کا سبب یہ تھا کہ کوفہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا گورنر زیاد خطبہ دیتا رہا۔ آخر کار حجر بن عدی نے آواز لگائی: نماز!! مگر زیادہ خطبہ دیتا رہا۔ آخر کار حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں نے زیاد کو کنکریاں مارنا شروع کر دیں۔ زیاد نے حجر بن عدی کا یہ عمل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا: اور یہ لکھا کہ ایسا کرنا فساد فی الارض ہے۔ حجر اس سے قبل بھی کوفہ کے گورنروں کے ساتھ ایسا سلوک کر چکا تھا۔

امیر معاویہ نے حکم دیا کہ اسے گرفتار کر کے یہاں بھیجا جائے۔ جب اسے دربار میں لایا گیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تشدد کا سبب یہ تھا کہ حجر بغاوت کی کوششیں کر رہا تھا۔ وہ مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس حرکت کو فساد فی الارض کی کوششوں سے تعبیر کرتے تھے۔ پھر خصوصاً وہ بھی کوفہ میں جہاں سے تمام فتنوں نے سر اٹھایا ہے۔ اور یہیں سے وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، اس سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی ایسے واقعات سے چشم پوشی کی تھی، جس کا نتیجہ آپ کی شہادت کی صورت میں نکلا۔ اور اس کے بعد امت میں اتنے بڑے واقعات پیش آئے جن کی وجہ سے دن دیہاڑے ایک دوسرے کا خون بہایا گیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ارادہ یہ تھا کہ فتنہ کو اس کی جڑوں سے کاٹ کر رکھ دیا جائے جن فتنہ کی سرکوبی کی ابتداء ابن عدی کے قتل سے ہوئی۔ حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حجت یہ حدیث تھی:

اس کی دلیل صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تمہارے پاس کوئی آئے اور تمہارا نظام ایک آدمی کے ہاتھ میں ہو اور وہ تمہاری جماعت میں تفریق پیدا کرنا چاہتا ہو تو اسے قتل کر دو؛ خواہ وہ کوئی بھی ہو۔'' [1]

## شبہ: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن:

مؤرخ، الطبری نے تاریخ ۳/۲۳۲ میں اور ابن اثیر نے الکامل ۳/۴۸۷ میں حسن بصری سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ نے کہا ہے:

''معاویہ میں چار خصلتیں ایسی تھیں کہ اگر ان میں سے صرف ایک خصلت بھی ہوتی تو ہلاکت کے لیے کافی تھی......الخ۔

الجواب: اس روایت کا مدار ابو مخنف پر ہے، ابو مخنف کا نام لوط بن یحییٰ الازدی الکوفی ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ اس کے بارے میں کہا ہے: انتہائی بے کار اخباری ہے، اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ [2]

ابو حاتم اور دیگر کے ہاں بھی متروک ہے، دار قطنی نے اسے ضعیف کہا ہے۔

[1] صحیح مسلم (۳/ ۱۴۷۹) وسنن ابو داؤد (۴/ ۳۳۴)

[2] المیزان: (۳/ ۴۱۹) اللسان لابن حجر: (۴۹۲۱۴)

ابن معین نے نا قابل اعتماد کہا ہے۔اور یہ بھی کہا ہے: بے کار آدمی ہے۔
ابن عدی کہتے ہیں: جلا ہوا (بد بودار) شیعہ ہے، عقیلی نے اسے ضعفاء میں شمار کیا ہے۔ ❶
پس ان وجوہات کی بنا پر یہ خبر ساقط اور نا قابل حجت ہے، کیونکہ اس کی سند میں ضعف پایا جاتا ہے۔ یہ تو طبری کے حوالے سے بات ہوئی جہاں تک ابن اثیر کا تعلق ہے تو اس نے کوئی سند بیان ہی نہیں کی۔

## یہ دعوی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دی:

ایک معترض کہتا ہے۔اسے کیسے عادل صحابی شمار کرتے ہیں، حالانکہ اس نے جنتی نوجوانوں کے سردار حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دی تھی۔

الجواب: یہ دعوی نہ ہی ثابت ہے اور نہ ہی اس پر کوئی صحیح دلیل موجود ہے۔
اس وقت کے لوگ فتنہ میں مبتلا تھے، ان کی خواہشات اور آراء آپس میں ٹکرائی تھی۔ ہر فرقہ دوسرے کی جانب مذموم باتیں منسوب کرتا تھا۔ جب اس طرح کی باتیں نقل کی جائیں تو ہم پر واجب ہوتا ہے کہ ہم اس وقت تک اسے قبول نہ کریں جب تک وہ ثقہ اور عادل راوی کے ذریعہ ہم تک نہ پہنچے۔
یہ نقل کیا گیا ہے کہ آپ کو زہر دینے والی آپ کی بیوی تھی۔اس کے والد اشعث بن قیس نے اس کو یہ کام کرنے کا کہا تھا۔بس نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام لیا ہے، اور بعض نے اس کے بیٹے یزید کا نام لیا ہے۔
حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو زہر دینے والے کے متعلق یہ اختلاف اور اضطراب ان نقول کو کمزور کرتا ہے، کیونکہ اس سے نقل ثابت نہیں ہوئیں۔ یہ مقولہ عقلی طور پر اس وقت معتبر ہو سکتا تھا اگر حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے سے انکار کر دیتے۔لیکن حق بات تو یہ ہے کہ: حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی تھی۔ پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر کس بات پر دی جاتی؟

## امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور نظام شوری میں تبدیلی:

☆۔ دعوی: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت شوری کو قیصر شاہی میں تبدیل کر دیا۔
معترض کہتا ہے کہ: وہ اسے کیسے پاک وصاف سمجھتے ہیں، جب کہ اس نے پہلے اپنے لیے لوگوں سے زبردستی بیعت لی، اور پھر طاقت کے بل بوتے پر اپنے بعد اپنے فاسق بیٹے یزید کے لیے بیعت لی اور شورائی نظام کو قیصر شاہی نظام میں بدل دیا۔
الجواب: حضرت معاویہ نے خلافت قوت اور طاقت کے بل بوتے پر حاصل نہیں کی۔ بلکہ یہ تمام عمل حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کے نتیجہ میں اتمام کو پہنچا۔اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی تصدیق تھی:

❶ الضعفاء: (٤/ ١٨)

"میرا یہ بیٹا سرادر ہے، اور یقیناً اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کروائے گا۔"

جہاں تک یزید کا تعلق ہے، تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کوشش تھی کہ لوگوں کی موافقت حاصل ہو جائے، اور آپ نے یزید کو ولی عہد بنانے کے لیے بیعت لینے کا ارادہ بھی کیا تھا۔ اور کبار صحابہ اور قبائل کے سرداروں سے اور علاقوں کے گورنروں سے مشورہ لیا تھا۔ ان تمام نے اس پر موافقت کی تھی۔ یزید کی بیعت کی موافقت پر مختلف اطراف سے وفود آنے شروع ہو گئے تھے۔ اور ایک بہت بڑی تعداد میں خلقت نے بیعت کر لی تھی۔ حتیٰ کہ ان بیعت کرنے والوں میں کئی ایک صحابہ بھی شامل تھے۔ حتیٰ کہ جن حفاظ صحابہ نے اس کی بیعت کی تھی۔ ان میں سے ایک حضرت عبداللہ بن عمر بھی تھے۔" ❶

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے اس کی مخالفت کی تھی۔ مگر ایسا کرنا بیعت میں موجب قدح نہیں تھا، کیونکہ کوئی نہ کوئی مخالفت سامنے آنا بدیہی بات ہے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ امت کی موافقت حاصل کرنے کے بڑے حریص تھے۔ اگر آپ کا ارادہ طاقت اور قوت کے بل بوتے پر بیعت لینے کا ہوتا تو یزید کی بیعت کے لیے ایک بار کی بیعت ہی کافی تھی۔ اور پھر اسے لوگوں پر مسلط کر دیا جاتا۔ مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایسے نہیں کیا۔ بلکہ مخالفت کرنے والوں نے مخالفت کی، کسی کو آپ نے مجبور نہیں کیا۔

وہ سبب جس نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یزید کی بیعت لینے کے لیے ابھارا، تاکہ اختلاف باقی نہ رہے، اور اجتماعیت قائم رہے وہ سابقہ اوقات میں امت کے کشیدہ حالات تھے۔ کیونکہ خلافت کے طلب گار اب بھی بہت تھے، آپ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ یزید کو ولی عہد بنانے سے اختلاف ختم ہو جائے گا، اور اہل حل وعقد کے اتفاق سے فتنہ کی جڑیں اکھاڑ کر رکھ دی جائیں گی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو موروثی نظام سونپ کر کوئی بدعت نہیں کی۔ اس سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں عہد ولایت لے کر یہ مثال قائم کر چکے تھے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی عہد ولایت کا ارادہ کیا تھا، مگر اس کو چھ صحابہ میں محصور کر دیا تھا۔ اگر کوئی اعتراض کرنے والا یہ کہے کہ یہ نظام حضرات شیخین بنایا تھا۔ تو ہم ان لوگوں سے کہتے ہیں کہ: اولاد کو نظام حکومت وراثت میں دینے کی مثال پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قائم کی تھی جب آپ نے اپنے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ولی عہد خلیفہ متعین کیا تھا۔

کلینی نے اصول کافی میں سلیم بن قیس سے نقل کیا ہے، وہ کہتا ہے:

"میں حضرت امیر المؤمنین کی وصیت کے وقت وہاں پر موجود تھا آپ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے حق میں وصیت کی اور اس پر حسن بن علی رضی اللہ عنہ اور محمد بن علی کے علاوہ تمام اولاد اور تمام شیعہ روساء اور اہل بیت کو گواہ بنایا، اور اپنی کتاب اور اسلحہ آپ کے سپرد کیا۔" ❷

---

❶ قید الشبر من اخبار یزید لابن خلدون ص: (۷۰)

❷ الکافی: (۱/ ۲۹۷)

## حدیث حضرت عمار رضی اللہ عنہ:

شبہ: اے عمار: تجھے باغی جماعت قتل کرے گی، اور اس پر رد۔

بغاوت دو قسم کی ہوتی ہے: عمداً۔ تاویلاً۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بغاوت تاویل کی بنیاد پر ہوئی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ: یہ لوگ سمجھتے تھے کہ ہم حق پر ہیں۔ لیکن ظاہری طور پر اس تاویل کی وجہ سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے بغاوت نہیں کی تھی۔

اور اس حدیث میں کہیں بھی یہ نہیں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ انہیں جہنم کی طرف بلا رہے تھے۔ بلکہ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حقیقت میں بغاوت جہنم کی طرف دعوت ہے، اگر چہ ایسا کرنے والے کو اس کا شعور نہ بھی ہو۔ جیسا کہ آپ عصبیت کی بنا پر قتال کو جائز سمجھنے والے اور عصبیت کی حمایت کرنے والے سے کہتے ہیں، کہ وہ اس فتوی کی بنیاد پر جہنم کی طرف بلا رہا ہے۔ حالانکہ بسا اوقات وہ متاول بھی ہو سکتا ہے اور اس کا خیال ہو سکتا ہے کہ وہ حق پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت والجماعت علماء یہ نہیں کہتے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین معصوم تھے۔ اور ان سے کبھی کوئی غلطی ہوئی ہی نہیں۔ بلکہ وہ کہتے ہیں: ''ان سے کسی خطا پر تاویل کی وجہ سے گناہ کا صدور ہو سکتا ہے۔ اور بغیر تاویل کے بھی۔ اس لیے کہ وہ بھی بشر ہیں۔

ہاں یہ بات ضرور ہے کہ ان کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہے، ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں جہاد فی سبیل اللہ کرنا، صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ان کو تمام امت پر فضیلت دیتے ہوئے مقدم کرتی ہے، یہ ایسی سبقت ہے جیسے کوئی دوسرا نہیں پا سکتا، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ:

''اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دے تو ان کے پاسنگ کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔'' (مسلم)

پس ان حضرات پر طعنہ زنی کرنا، جاہل منافق یا مریض القلب کا ہی کام ہو سکتا ہے۔

## زیاد بن ابیہ کو اپنا بھائی کہنا:

شبہ: زیاد ابن ابیہ کو اپنا بھائی کہنا: جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''لڑکا چارپائی والے کا ہے، زنا کار کے لیے پتھر ہیں۔''

جواب: یہاں پر زیاد سے مراد زیاد بن سمیہ ہے۔ یہ اس کی ماں ہے جو کہ حارث بن کلدہ کی باندی تھی۔ اس کے آقا نے اس کی شادی عبید سے کر دی تھی۔ اور اس کے گھر میں اس نے زیاد کو جنم دیا، وہ اس وقت طائف میں تھے۔ یہ اہل طائف کے اسلام قبول کرنے سے پہلے کی بات ہے۔ [1]

☆۔ زیاد بن ابیہ کے نسب کا مسئلہ کا شمار تاریخ اسلامی کے مشکل مسائل میں ہوتا ہے، کیونکہ اس سے کئی ایک سوالات جنم

[1] الاصابة: (٢/ ٥٢٧) الاستيعاب نمبر: (٨٢٩) طبقات: (٤/ ٩٩)

لیتے ہیں، جن کا جواب ملنا بڑا مشکل ہے، مثلاً اس معاملہ کو عہد رسول اللہ ﷺ میں کیوں نہیں اچھالا گیا جیسا کہ اس جیسے دوسے معاملات فتح مکہ کے موقع پر سامنے لائے گئے۔ جیسا کہ زمعہ بن قیس کی لونڈی کے بیٹے کا معاملہ، جس کا دعویٰ عتبہ بن ابی وقاص نے کیا تھا۔ [1]

اور یہ معاملہ ابوسفیان کی زندگی میں کیوں نہ اٹھایا گیا؟ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اس کی جانچ پڑتال کیوں نہ ہوئی؟ خصوصاً جب کہ زیاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گورنروں میں ایک تھا؟ اس کی وجہ کیا یہ ہے کہ اس عہد میں اس معاملہ کو اٹھانے کے پیچھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ایک سیاسی فائدہ تھا کہ زیاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ چھوڑ کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جاملتا؟ یہ معاملہ ۴۴ھ میں کیوں اٹھایا گیا، جبکہ خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلی گئی تھی؟ معاملہ خواہ کچھ بھی ہو، زیاد کے نسب کا معاملہ عہد جاہلیت کے نکاح سے تعلق رکھتا ہے۔ اسلام نے جاہلیت کے نکاحوں کی اولاد کے نسب کو تسلیم کیا ہے، ابن اثیر اس بارے میں کہتا ہے: [2]

''جب اسلام آیا تو...... تو ان تمام بچوں کے نسب کو تسلیم کیا، جو کسی بھی نکاح کے نتیجہ میں پیدا ہوئے تھے۔ اور ان کے مابین کوئی فرق نہیں کیا۔''

☆ ۔ یہ کہنا کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا زیاد کا دعویٰ کرنے سے خاموش رہنا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سب وشتم کے خوف کی وجہ سے تھا۔ [3]

یہ دعویٰ کئی وجوہات کی بنا پر مردود ہے۔

۱۔ ولد زناء کے نسب کے بارہ میں نصوص شریعت موجود ہیں، ان میں اجتہاد کے لیے کسی کے لیے کوئی راہ نہیں۔

۲۔ اسلام ماقبل کے تمام گناہوں کو مٹادیتا ہے۔

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے پہلے وفات پا گئے تھے، تو پھر ابوسفیان نے بعد میں اس کا دعویٰ کیوں نہ کیا؟

۴۔ اس خبر کی سند میں محمد بن سائب کلبی ہے جس کے بارے میں ابن حجر کہتے ہیں جھوٹا آدمی ہے، رافضی ہے۔ [4]

رہ گیا یہ تہمت لگانا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کا نسب اپنے ساتھ ملا لیا تھا، اس بارے میں کوئی صحیح اور یقینی روایت ہمیں نہیں ملی۔ اور اس کے ساتھ ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا، ان کی عدالت اور فقہی مقام ومرتبہ اس بات سے مانع ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو رد کر دیں۔ خصوصاً جب کہ معاویہ بھی اس حدیث کے راویوں میں سے ایک ہیں: ''الولد للفراش وللعاهر الحجر:'' [5]

---

[1] فتح الباري: (۱۲/ ۳۲)
[2] الكامل: (۳/ ٤٤٥)
[3] الاستيعاب: (۲/ ٥٢٥)
[4] التقريب: (٤٧٤)
[5] فتح الباري: (۱۲/ ۳۹)

جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس تہمت سے برأت واضح ہوگئی تو اب تہمت کا رخ زیاد کی طرف ہے، اس نے اپنا نسب ابوسفیان کے ساتھ ملایا ہے۔ اور یہ بات ہمارے نزدیک راجح ہے، جیسا کہ ابوعثمان کی سند سے مروی صحیح مسلم کی روایت سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

## منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر......

☆۔ یہ کہنا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ پر لعنت کی، اور حکم دیا کہ: ''جب اسے میرے منبر پر دیکھو تو قتل کردو۔''
جواب: یہ حدیث کسی بھی نقل و روایت کے اعتبار سے ایسی معتمد اسلامی کتاب میں نہیں ہے جس کی طرف علوم منقولہ کیلئے رجوع کیا جاتا ہو، محدثین کے ہاں یہ روایت ایک جھوٹ گھڑ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا ہے[1]۔
☆۔ منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر امیر معاویہ کے بعد ایسے لوگ بھی چڑھے جن سے امیر معاویہ باتفاق مسلمین بہت بہتر تھے، اگر صرف منبر پر چڑھنے کی وجہ سے قتل واجب ہوتا تو ان تمام لوگوں کا قتل واجب ہو گیا تھا۔

## شبہ: فتح مکہ کے موقع پر وہ یمن میں تھا:

فتح مکہ کے موقع پر امیر معاویہ یمن میں تھے؛ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیا کرتے تھے۔ اور اس نے اپنے والد صخر بن حرب کے نام ایک خط لکھ کر اسے اسلام قبول کرنے پر عار دلائی۔ اور یہ کہا کہ:

''کیا تم نے بدل کر محمد کا دین اختیار کر لیا ہے۔''

جواب: یہ ایک کھلا ہوا اور صاف جھوٹ ہے۔ بلا شک وشبہ حضرت امیر معاویہ مکہ میں مقیم تھے۔ یمن میں نہیں تھے۔ اور ان کے والد ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ میں داخل ہونے سے قبل مر الظہر ان نامی جگہ پر اس وقت اسلام قبول کر چکے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں پر پڑاؤ ڈالا ہوا تھا۔ اس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ سفارش کی تھی کہ: ''ابوسفیان شرف ومنزلت کو پسند کرتا ہے؛ [اس کی کچھ رعایت فرمائیے]۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا:

''جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے؛ وہ امن میں ہے۔ اور جو کوئی مسجد الحرام میں داخل ہو جائے؛ وہ امن میں ہے۔ اور جو کوئی اپنے گھر کا دروازہ بند کر دے؛ وہ امن میں ہے۔''[2]

## شبہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شرک پر قائم تھے۔

کہتے ہیں: امیر معاویہ شرک پر قائم تھے؛ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھاگ گئے تھے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا خون رائیگاں قرار دیا تھا۔ آپ مکہ بھاگے تو وہاں پر کوئی جائے پناہ نہ ملی؛ کیونکہ مکہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹھکانہ

[1] محدث ابن جوزی رحمہ اللہ نے اسے موضوعات میں شمار کیا ہے۔ جس چیز سے رافضی کا جھوٹ کھل کر سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد ایسے لوگ بھی آپ کے منبر پر چڑھے جو باتفاق مسلمین معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی بدتر تھے؛ اگر صرف منبر پر چڑھنے کی وجہ سے قتل کیا جانا واجب تھا تو پھر کیا ان تمام کا قتل واجب ہو گیا تھا؟۔ [اور انہیں قتل نہ کیا جا سکا]۔ [یہ بات ادنیٰ علم وعقل رکھنے والے پر بھی مخفی نہیں] کہ ایسا کرنا اسلام کی بنیادی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ صرف منبر پر چڑھنے سے کسی کا قتل کرنا جائز نہیں ہو جاتا۔

[2] مسلم: (۱۷۸۰)

بن گیا تھا۔ پھر آپ نے مجبوری کی حالت میں اسلام کا اظہار کیا ؛ آپ کے اسلام کا اظہار کرنے کا وقت رسول اللہ ﷺ کی وفات سے پانچ ماہ قبل کا ہے۔

جواب: یہ ایک کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ بلا ریب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ والے سال اسلام قبول کیا؛ اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ اور اس سے پہلے یہ گزر چکا ہے کہ آپ مؤلفۃ القلوب میں سے تھے۔ جن کو نبی کریم ﷺ نے غزوہ حنین کے بعد بنو ہوازن سے حاصل ہونے والے مال غنیمت سے نوازا تھا۔ اس میں سے معاویہ کو بھی کچھ حصہ دیا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ قبیلوں کے سرداروں اور بڑے لوگوں کو دیا کرتے تھے۔

اگر امیر معاویہ بھاگے ہوئے ہوتے تو آپ کا شمار مؤلفہ قلوب میں سے نہ ہوتا۔ اور اگر آپ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے پانچ ماہ قبل اسلام لائے ہوتے تو آپ کو غزوہ حنین کے مال غنیمت میں سے حصہ نہ ملتا۔''

# حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور شبہات

☆۔ شبہ: حضرت ابو ہریرہ اور نبی کریم ﷺ سے کثرت روایت۔

جواب: یہاں پر یہ اشارہ کرنا ضروری ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہرگز افراط وتفریط سے کام لینے والے نہ تھے۔ بلکہ آپ بھی دوسرے علماء صحابہ کی طرح ایک تھے، آپ سے فتویٰ لیا جاتا تو فتویٰ دیتے، سوال پوچھا جاتا تو جواب دیتے۔ اور ہرگز افراط وتفریط سے کام نہ لیتے۔ نہ ہی عہد خلفائے راشدین میں ایسے کیا اور نہ ہی بعد میں۔ صحابہ کو آپ پر بھر پور اعتماد تھا۔ اور وہ آپ کے مقام ومرتبہ سے واقف تھے۔ اور آپ کو آپ کے شایان شان مقام دیتے تھے۔ کتنے ہی لوگ لمبے لمبے سفر اس لیے کرتے تھے کہ وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ سکیں۔ اور کتنے ہی مقامی لوگ کبار صحابہ کو چھوڑ کر حدیث معلوم کرنے یا مسئلہ پوچھنے کے لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی طرف سے کوئی چیز زیادہ کر کے نہیں بتاتے تھے، بلکہ لوگوں کو آپ کے حافظ پر اعتماد ویقین تھا۔ اس لیے وہ کوشش کرتے تھے کہ اس میٹھے گھاٹ سے اپنی پیاس بجھانے کے لیے جام بھر لیں۔ آپ کے علم وحافظ کی گواہی اور اعتراف حضرت ابن عمر حضرت طلحہ بن عبید اللہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین اور دوسرے کبار صحابہ کو تھا۔ حتیٰ کہ جب لوگ آپ کی کثرت روایت کے متعلق باتیں کرنے لگے تو آپ نے فرمایا: میرا کیا قصور ہے میں نے یاد رکھا اور وہ بھول گئے۔

خود امامیہ کے مصادر میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ سے بہت ساری احادیث سنتا ہوں، پھر بھول جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اپنی چادر پھیلاؤ۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک اس میں رکھے، پھر فرمایا: ایسے لپیٹ لو، تو میں نے اسے لپیٹ لیا۔ تو اس کے بعد میں بہت زیادہ نہیں بھولا۔''[1]

تو پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا کیا قصور ہے جب آپ کے حافظہ کے لیے رسول اللہ ﷺ دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حافظ عنایت کرے۔ (شیعہ عالم) نجاشی نے ہشام بن محمد بن سائب کے حالات زندگی میں لکھا ہے: علم وفضل میں مشہور تھا۔ اور ہمارے مذہب کا بطور خاص اہتمام کرتا ہے۔ اس کی ایک مشہور حدیث ہے۔ کہتا ہے: میں بہت سخت بیمار ہوا، اور اپنا علم بھول گیا تو میں جعفر بن محمد رحمہ اللہ کی مجلس میں جا بیٹھا، تو آپ نے ایک گلاس میں مجھے علم پلایا، تو میرا علم لوٹ آیا۔''[2]

---

[1] بحار الانوار للمجلسی: (۱۸/ ۱۳)

[2] رجال النجاشی: (۲/ ۳۹۹)

اور نجاشی یہ بھی کہتا ہے کہ: ابان بن تغلب نے امام جعفر الصادق سے بیس ہزار احادیث روایت کی ہیں۔ بلکہ اکثر امامیہ نے یہ تعداد اس سے کئی گنا زیادہ بتائی ہے، مثلاً محمد بن مسلم بن رباح نے امام باقر سے تیس ہزار احادیث کے متعلق سوال کیا، اور امام صادق سے سولہ ہزار احدایث کے متعلق دریافت کیا۔ یہ جابر بن یزید الجعفی ہے، کہتا ہے ابو جعفر نے مجھ سے ستر ہزار آحادیث بیان کیں، جو کہ میں نے نہ کبھی کسی کے سامنے بیان کیں اور نہ ہی ایسا کروں گا۔ جابر کہتا ہے:

میں نے ابو جعفر علیہ السلام اسلام سے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں! آپ نے اپنے اسرار میرے سامنے بیان کر کے مجھ پر بہت بڑا بوجھ ڈالا ہے۔ یہ میں کبھی کسی کے سامنے بیان نہیں کروں گا۔ اور بسا اوقات میرا سینہ تنگ بھی ہو سکتا ہے، حتیٰ کہ جنون تک کا خطرہ ہے۔''

تو آپ نے فرمایا: اے جابر! جب کبھی ایسا ہو تو جبانہ کی طرف نکل جاؤ اور وہاں پر ایک گڑھا کھودو۔ اور پھر اپنا سر اس کے اندر کر کے کہو! ''مجھ سے محمد بن علی نے ایسے ایسے حدیث بیان کی ہے۔'' [1]

اور طوسی نے اپنی سند سے جابر الجعفی سے روایت کیا ہے کہتا ہے کہ:

''میں نے پچاس ہزار احادیث ایسی روایت کی ہیں جو مجھ سے کسی نے نہیں سنیں۔'' [2]

الحر العاملی نے کہا ہے: اس نے ستر ہزار احادیث امام باقر سے روایت کی تھیں، اور کل ایک لاکھ چالیس ہزار احادیث روایت کیں۔ اور ظاہر یہ ہے کہ ائمہ سے بالمشافہ جابر سے زیادہ احادیث کسی نے روایت نہیں کیں۔ [3]

## آل بیت کی مرویات اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر انکار:

☆۔ شبہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سہو والی حدیث:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ظہر کی یا عصر کی نماز پڑھائی اور دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دیا۔ پھر ایک لکڑی کی طرف آئے جو مسجد میں قبلہ رخ لگی ہوئی تھی اس پر ٹیک لگا کر غصہ کی حالت میں کھڑے ہو گئے۔ جماعت میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے یہ دونوں حضرات اس بات سے ڈرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کریں اور جلدی جانے والے لوگ یہ کہتے ہوئے نکل گئے کہ نماز کم کر دی گئی تو ذوالیدین رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! کیا نماز کم کر دی گئی ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے ہیں؟۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم دائیں اور بائیں طرف دیکھ کر فرمانے لگے کہ: ''ذوالیدین کیا کہتا ہے؟

صحابہ نے عرض کیا کہ: ''یہ سچ کہتا ہے؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو رکعات ہی پڑھائی ہیں۔''

[1] اختیار معرفة الرجال للطوسی: (۲/ ٤٤٢)
[2] المصدر السابق: (۲/ ٤٤٠)
[3] وسائل اشیعة: (۲۰/ ۱٥۱)

پھر آپ ﷺ نے دو رکعات اور پڑھائیں اور سلام پھیرا پھر تکبیر کہی پھر سجدہ کیا پھر تکبیر کہی اور سر اٹھایا پھر تکبیر کہی اور سجدہ کیا پھر تکبیر کہی اور سر اٹھایا۔'' ❶

طعنہ زنی کرنے والا کہتا ہے: پہلی بات! اس قسم کا فحش سہو کسی ایسے انسان سے نہیں ہوسکتا جو اپنے دل سے نماز کے لیے متوجہ ہو، یا اپنی عقل سے نماز پڑھ رہا ہو۔ یہ تو ان لوگوں کا کام ہے جو اپنی نمازوں کو بھلا بیٹھے ہیں۔ اللہ کے ساتھ مناجات سے غافل ہیں۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے کہ اس کے انبیاء ایسے غافل ہوں۔ وہ جاہلین کے اقوال سے پاک ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور خصوصاً ان کے سردار اور آخری اور افضل نبی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟۔ حالانکہ ہمیں کسی عام آدمی کے متعلق بھی ایسے سہو کی اطلاع نہیں ملی۔ اور نہ ہی ہمارا خیال ہے کہ ایسا کسی سے ہوسکتا ہے، سوائے اس آدمی کے جس کا حال ایسے ہو جیسا کہ کہا جاتا ہے میں نماز تو پڑھتا ہوں، مگر جب یاد آتا ہے تو پتہ نہیں چلتا کہ میں نے چاشت کی دو رکعت پڑھی ہیں یا آٹھ؟ جب کہ سید الانبیاء کی سجدہ گزاری کی بات ہی کچھ اور ہے۔ ایسی بھول اگر مجھ سے بھی ہو جائے تو میں حیاء کے مارے خجل وندامت سے ڈوب جاؤں۔ اور میرے مقتدی مجھے اور میری عبادت کو حقیر سمجھیں، انبیاء اللہ سے ایسا ہونا ہرگز جائز نہیں؟......الخ۔

جواب: یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ ابن مسعود اور عمران (بن حصین) نے بھی روایت کی ہے۔

☆۔ یہ غالیوں کا مذہب ہے جو سہو کی نفی کرتے ہیں۔ ابو صلت ہروی سے روایت ہے کہ میں نے امام رضاء سے کہا: ''بے شک اہل کوفہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو خیال کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے نماز میں کبھی بھول واقع نہیں ہوئی؟ آپ نے فرمایا: ''وہ جھوٹ بولتے ہیں، ان پر اللہ کی لعنت ہو؛ جس سے کبھی بھول نہیں ہوتی، وہ صرف ایک اللہ تعالیٰ ہے جس نے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں۔'' ❷

شیخ صدوق کا شمار کبارِ امامیہ علماء میں ہوتا ہے، وہ کہتا ہے:

''نبی کریم ﷺ کی بھول ہماری بھول کی طرح نہیں ہے، اس لیے کہ آپ کی بھول بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ بھلاتے ہیں، تاکہ آپ جان لیں کہ آپ بشر ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپ کو معبود نہ بنایا جائے، جب کہ ہمارا سہو شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔'' ❸

حدیث سہو میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ منفرد نہیں ہیں۔ بلکہ بڑے بڑے عظیم اور سادت علماء اہل بیت نے آپ کی موافقت کی ہے، اور امامیہ علماء نے اپنے مصادر میں یہ ثابت کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ظہر کی پانچ رکعت پڑھائیں۔ جب آپ فارغ ہو گئے، تو کچھ لوگوں نے پوچھا:

---

❶ البخاري: (١٢٢٩) مسلم: (٥٧٣)

❷ بحار الانوار: (٤٤/ ٢٧١)

❸ من لا يحضره الفقيه: (١/ ٣٦٠)

یارسول اللہ ﷺ! کیا نماز زیادہ ہوگئی ہے؟ آپ نے فرمایا: کیوں کیا ہوا؟
تو عرض کی گئی کہ آج آپ نے ہمیں پانچ رکعت پڑھائی ہیں۔''
حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''آپ ﷺ بیٹھے بیٹھے قبلہ کی طرف مڑ گئے اور تکبیر کہی، اور پھر دو سجدہ کئے، ان میں نہ ہی قرأت تھی اور نہ ہی رکوع۔ پھر سلام پھیر دیا، پھر فرمایا: ''یہ دو سجدے اس کا ازالہ ہیں۔''
اور حضرت باقر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے؛ فرماتے ہیں:
''نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھائی اور اس میں جہری قرأت کی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ سے پوچھا: کیا مجھ سے قرآن کی کوئی آیت رہ تو نہیں گئی؟ لوگ خاموش رہے۔
پھر آپ نے پوچھا: کیا لوگوں میں ابی بن کعب ہیں؟
کہنے لگے: ہاں۔
آپ نے ان سے پوچھا: کیا مجھ سے قرآن کی کوئی آیت رہ گئی ہے؟
انہوں نے عرض کیا: ہاں یارسول اللہ ﷺ! فلاں فلاں آیت رہ گئی ہے۔'' الحدیث۔
حارث بن مغیرہ النضری کہتے ہیں! میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے پوچھا:
ہم نے مغرب کی نماز پڑھی، امام بھول گیا، اور دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا۔ ہم نے نماز دوبارہ لوٹائی (اس کا کیا حکم ہے)
آپ نے فرمایا: تم نے دوبارہ نماز کیوں پڑھی؛ کیا ایسے نہیں ہوا تھا رسول اللہ ﷺ نے دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا، اور بعد میں یہ رکعتیں پڑھ کر نماز پوری کر لی۔ تم نے بھی اپنی نماز پوری کیوں نہ کی؟۔''

## شبہ: رسول اللہ ﷺ کا غصہ ہونا:

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے؛ فرماتے ہیں:
''اللہ کی قسم! بیشک محمد ﷺ بشر تھے؛ اور ایسے غصہ ہوتے تھے جیسے بشر کو غصہ آتا ہے۔ [آپ فرمایا کرتے]:
''اے اللہ! میں نے آپ سے عہد لے رکھا ہے جس کے خلاف آپ نہیں کریں گے؛ جس مؤمن کو میں نے تکلیف دی ہو؛ یا اسے برا بھلا کہا ہو؛ یا اسے مارا ہو؛ تو اسے اس کے گناہوں کا کفارہ اور اپنی قربت کا ذریعہ بنا دے۔''[1]
کہتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ اور دیگر تمام انبیاء کے لے جائز نہیں کہ وہ کسی کو تکلیف دیں۔ یا انہیں کوڑے لگائیں، یا گالی دیں یا لعنت کریں، اور وہ ان چیزوں کا مستحق نہ ہو۔ خواہ ایسا رضامندی کی حالت میں ہو یا غصہ کی حالت میں۔ بلکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ بغیر حق کے غصہ کریں۔

[1] مسلم: (٢٦٠١)

الجواب: یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت جابر بن عبداللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے۔

☆۔ امامیہ کی اسناد علیہ السلام سے ابوجعفر سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بے شک میں بشر ہوں، میں غصہ بھی کرتا ہوں اور راضی بھی ہوتا ہوں۔ پس جس کسی مؤمن کو میں نے محروم رکھا، یا تکلیف دی، یا اس پر بددعاء کی، اے اللہ اس کو اس مؤمن کے گناہوں کا کفارہ اور طہارت بنادے۔ اور جس کسی کافر کو میں نے قریب کیا، یا اس سے محبت کی، یا اس کے لیے دعا کی، اور وہ اس کا اہل نہیں تھا۔ تو اس کو اس پر وبال اور عذاب بنادے۔" [1]

اور ابوعبداللہ علیہ السلام کہتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یمن سے ایک وفد آیا، اس میں ایک آدمی بہت زیادہ باتونی اور کٹ حجتی کرنے والا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بہت غصہ ہوئے، حتیٰ کہ غصہ سے پسینہ آپ کی پیشانی پر نظر آنے لگا، اور آپ کے چہرہ انور کا رنگ بدل گیا۔ آپ نے زمین کی طرف سر مبارک جھکالیا۔ پس جبرائیل امین آپ کے پاس تشریف لائے۔ اور عرض گزار ہوئے، آپ کے رب نے آپ کو سلام بھیجا ہے۔ اور فرمایا ہے: یہ آدمی سخی انسان ہے۔ اور لوگوں کو کھانا کھلاتا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ جاتا رہا۔

آپ نے سر مبارک اٹھایا، اور اس آدمی سے کہا: اگر مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبرائیل امین تیرے بارے میں نہ بتاتے کہ تم سخی ہو اور لوگوں کو کھانا کھلاتے ہو یا تو میں تمہیں یہاں سے دھتکار کر بھگا دیتا، اور تجھے تیرے پسماندگان کے لیے نشان عبرت بنادیتا۔"

وہ آدمی کہنے لگا: کیا آپ نے رب کو سخاوت پسند ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔

وہ آدمی بولا: "أشهد أن لا اله الا الله واشهد ان محمداً رسول الله" اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں اپنا مال کسی سے نہیں روکوں گا۔" [الكافي: ٤/ ٤٠.]

## شبہ: نماز میں شیطان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آنا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک نماز پڑھی، تو فرمایا کہ:

"شیطان میرے سامنے آیا اور مجھ پر دشوار کردیا گیا کہ نماز کو توڑ دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس پر غلبہ عطا کیا اور میں نے اس کو مغلوب کرلیا اور میں نے ارادہ کیا کہ اسے ایک ستون سے باندھ دوں، تاکہ صبح کے

[1] بحار الانوار: (١٠١/ ٢٩٠)

وقت تم لوگ اسے دیکھ سکو۔ پھر مجھے حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ دعا یاد آئی کہ: ﴿ رب ھب لی ملکا لا ینبغی لأحد من بعدی ﴾ "اے اللہ مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی کو نہ ملے" [تو میں نے اسے چھوڑ دیا؛] تو اللہ تعالیٰ نے اس کو نامراد اور ذلیل کر کے واپس کر دیا۔" ❶

کہتے ہیں کہ: کیا شیطان کا کوئی جسم ہے کہ اسے رسیوں میں جکڑ کر ستون کے ساتھ باندھ دیا جاتا، حتیٰ کہ صبح لوگ اسے اپنی آنکھوں سے بندھا ہوا گرفتار دیکھ لیتے۔

الجواب: ابوعبداللہ رحمہ اللہ سے اس آیت کی تفسیر میں ہے:

﴿وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ (ص: ۳۵)

"اور مجھے ایسی بادشاہی عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو، یقیناً تو ہی بہت عطا کرنے والا ہے۔"

میں کہتا ہوں: کیا آپ کو وہ کچھ دیا گیا تھا جس کی آپ نے دعا مانگی تھی؟ ہاں آپ کو وہ کچھ دیا گیا تھا اور آپ کے بعد کسی انسان کو وہ کچھ نہیں ملا جو اللہ کے نبی کو ملا تھا، شیطان پر غلبہ اور اسے گردن سے دبا کر ستون تک لے جانا، حتیٰ کہ اس کی زبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو بھی لگی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا نہ ہوتی، تو میں آپ کو وہ دیکھا دیتا۔"

## شبہ: حدیث نماز فجر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند:

شبہ: حدیث نماز فجر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات گزاری۔ ہم میں سے کوئی ایک بھی صبح سورج طلوع ہونے تک بیدار نہیں ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے ہر انسان اپنی سواری کو سر سے پکڑ لے؛ بیشک یہ ایسی منزل ہے جہاں پر شیطان آ موجود ہوا ہے۔"

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں: "پھر ہم نے ایسے ہی کیا؛ [یعنی اس علاقہ سے نکل گئے] پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوا کر وضو کیا؛ پھر آپ نے پہلے دو سنت پڑھے؛ اور پھر فجر کی نماز ادا کی۔" ❷

کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی چیزوں سے بری ہیں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نماز کی ترغیب دیتے ہیں۔ اور بالخصوص نماز فجر کا اتنا زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔ اور جو لوگ سوئے رہیں، نماز فجر کے لیے نہ نکلیں، ان کے گھروں کو جلانے کی دھمکی دیتے ہیں۔ پھر وہ خود نماز فجر سے سوئے رہیں؟ حاشا وکلا۔ معاذ اللہ؛ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دن جس لشکر کے ساتھ تھے، اس کی تعداد سولہ سو تھی۔ اور عادۃً یہ بات محال ہے کہ سارے لوگ سو جائیں۔ شاید کہ یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے خارق کلام میں سے ہے۔

❶ البخاری: (۱۲۱۰) مسلم: (۵٤۱)

❷ مسلم: (٦۸۰)

جـــواب : سماعۃ بن مہران سے روایت ہے کہا کہ: میں نے اس آدمی کی بابت سوال کیا، جو نماز فجر میں سویا رہے حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جائے؟ فرمایا: جب یاد آئے اسی وقت نماز پڑھ لے۔ بیشک رسول اللہ ﷺ نماز فجر مین سو گئے تھے، حتیٰ کہ سورج طلوع ہو گیا۔ پھر آپ جب بیدار ہوئے تو نماز پڑھ لی، مگر اس جگہ سے ہٹ کر نماز پڑھی۔'' ❶

**اورحمزہ بن الطیار سے روایت ہے وہ ابو عبداللہ علیہ السلام سے روایت کرتا ہے فرمایا:**

''بے شک اللہ تعالیٰ نے نماز اور روزہ کا حکم دیا ہے،[اور فرمایا ہے: میں ہی] رسول اللہ ﷺ کو نماز سے سلاتا ہوں اور میں ہی بیدار کرتا ہوں۔ جب بیدار ہو جاؤ تو نماز پڑھ لو۔ تاکہ لوگ جان لیں کہ اگر ان کے ساتھ یہ صورتحال پیش آئے تو انہیں کیا کرنا چاہیے۔ ایسا نہیں ہے جیسے وہ کہتے ہیں جب انسان نماز سے سویا رہا تو ہلاک ہو گیا......'' ❷

**سعید الأعرج سے روایت ہے، کہا کہ: میں نے سنا ابو عبداللہ نے فرمایا:**

''بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو نماز فجر سے سلا دیا، حتیٰ کہ سورج طلوع ہو گیا۔ پھر آپ بیدار ہوئے تو پہلے فجر کے دو سنت پڑھے، اور پھر فجر کی دو رکعات پڑھیں۔ اور پنے حبیب کو نماز میں بھلا دیا ۔آپ نے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ پھر ذوشمالین نے آپ سے بات کی (تو باقی دو رکعت پڑھا دیں)۔ یہ تمام اس لیے ہوا تا کہ اس امت کے لیے رحمت ہو، تا کہ کوئی بھی کسی مسلمان کو اس کے سو جانے پر یا بھول جانے پر عار نہ دلائے۔ اس لیے کہ ایسا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھی ہوا ہے۔'' ❸

**سعید الأعرج سے روایت ہے، کیا ہے کہ میں نے سنا ابو عبداللہ کہہ رہے تھے کہ:**

''رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز میں سوئے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کو سلا دیا تھا۔ حتیٰ کہ رسوج طلوع ہو گیا، اس میں آپ کے رب کی طرف سے لوگوں کے لیے رحمت تھی۔ کیا آپ دیکھتے نہیں ہے کہ اگر کوئی آدمی سو جائے حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جائے تو لوگ اسے عار دلاتے ہیں اور کہتے ہیں: تم نماز کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے نہیں ہو۔ پس آپ کا سو جانا اسوہ حسنہ بن گیا۔ اگر ایک انسان دوسرے سے کہے کہ: تم نماز سے سو گئے تھے؟ تو وہ کہہ سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بھی سو گئے تھے۔ پس یہ اسوہ حسنہ اور رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر بڑی مہربانی کی ہے۔'' ❹

## گائے اور بھیڑیے کا صاف عربی زبان میں کلام کرنا:

☆۔ شبہ: حدیث: گائے اور بھیڑیے کا صاف عربی زبان میں کلام کرنا:

❶ بحار الا نوار: (۱۷/ ۱۰۳)
❷ الخ الکافی: (۱/ ۱٦٤)
❸ من لایحضرہ الفیقہ: (۱/ ۳۵۸) بحار الأنوار: (۱۷، ۱۰۷)
❹ الکافی: (۳/ ۲۹٤) بحار الأنوار: (۱۷/ ۱۰٤) تفسری نورا التقلین: (٤/ ۲۵٦)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ:

''رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھی پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''بنی اسرائیل کا ایک شخص اپنی گائے ہانکے لئے جا رہا تھا کہ وہ اس پر سوار ہو گیا اور پھر اسے مارا۔

اس گائے نے بقدرت الٰہیکہا کہ:''ہم جانور سواری کے لئے نہیں پیدا کئے گئے ۔ ہماری پیدائش تو کھیتی باڑی کے لئے ہوئی ہے''۔

لوگوں نے کہا: سبحان اللہ! گائے بات کرتی ہے''۔

پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:''میں اس بات پر ایمان لاتا ہوں اور ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی ۔''

حالانکہ یہ دونوں وہاں موجود بھی نہیں تھے۔

اسی طرح ایک شخص اپنی بکریاں چرا رہا تھا کہ ایک بھیڑیا آیا اور ریوڑ میں سے ایک بکری اٹھا کر لے جانے لگا۔ ریوڑ والا دوڑا اور اس نے بکری کو بھیڑیے سے چھڑا لیا۔ اس پر بھیڑیا بقدرت الٰہی بولا: آج تو تم نے مجھ سے اسے چھڑا لیا لیکن درندوں والے دن میں (قرب قیامت) اسے کون بچائے گا جس دن میرے سوا اور کوئی اس کا چرواہا نہ ہوگا؟

لوگوں نے کہا:''سبحان اللہ! بھیڑیا باتیں کرتا ہے۔''

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:''میں تو اس بات پر ایمان لایا اور ابو بکر و عمر بھی۔'' حالانکہ وہ دونوں اس وقت وہاں موجود نہ تھے۔''❶

کہتے ہیں: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی عجیب وغریب حکائتیں، انہیں عجائب کی طرف لے گئی ہیں۔ اس کی خوارق عادت باتوں کا شوق کہاں سے کہاں لے گیا، آپ دیکھ رہے ہیں کہ کیسے طبعی ناموس سے بھی بالاتر باتیں کرنے کے شوقین ہیں۔ اب یہ بیان کر رہے ہیں کہ گائے اور بھیڑیا صاف عربی زبان میں باتیں کرتے ہیں۔

جواب: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''بھیڑیے نے ابو اشعث بن قیس الخزاعی سے کلام کیا۔ ابو اشعث نے تین بار بھیڑیے کو بھگایا، جب چوتھی بار آیا تو بھیڑیے کو مخاطب کر کے کہا:''میں نے تم سے زیادہ بڑھ کر بے حیاء کوئی نہیں دیکھا۔

تو اس بھیڑیے نے اس آدمی کو جواب دیا: بلکہ مجھ سے بڑھ کر بے حیاء وہ انسان ہے جو ایسے آدمی سے منہ پھیر رہا ہے جس سے افضل روئے زمین پر کوئی نہیں اور نہ ہو ہی کوئی ان سے زیادہ روشن نور والا ہے، نہ ہی زیادہ بصیرت والا۔ نہ ہی کامیاب و کامران، جو کہ مشرق و مغرب کا مالک بنے گا۔ اور وہ کہتا ہے:''لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ'' اسے چھوڑتے ہو۔ پس زیادہ بے حیاء چہرے والا کون ہے، میں یا آپ جو کہ اس مہربان اور بزرگ ہستی سے روگردانی کئے ہوئے ہے، جو کہ رب العالمین کے رسول بھی ہیں۔''❷

❶ صحیح البخاری: (۳۴۷۱)
❷ الثاقب فی المناقب: (۷۲)

اور ابو عبداللہ علیہ السلام سے روایت ہے:

''تین قسم کے جانور ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے عہد رسالت میں قوت نطق عطا فرمائی تھی۔

۱۔ اونٹ جس نے اپنے مالک کی شکایت کی تھی، اور اس کے علاوہ دیگر باتیں بھی کی تھیں۔

۲۔ بھیڑیا، جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر بھوک کی شکایت کی تھی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکریوں والوں کو بلا کر کہا: اس بھیڑیے کے لیے کچھ حصہ مقرر کر دو۔ مگر انہوں نے بخل سے کام لیا، پس وہ چلا گیا......

۳۔ اور وہ گائے، جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان کیا، اور آپ کی نشانی بتائی۔ وہ اس وقت انصار کے قبیلہ بنی سالم کے باغ میں تھی۔ اس نے اعلان کیا تھا: اے ذریع! کامیابی کا کام کرو۔ ایک آواز لگانے والا آواز لگا رہا ہے وہ صاف عربی زبان میں کہہ رہا ہے: کہ اللہ رب العالمین کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں۔ محمد رسول اللہ سید النبیین ہیں۔ اور آپ کے وصی حضرت علی سید الوصیین ہیں۔'' [الخرائج والجرائح: ۲/ ٤٩٦]

## شبہ: ترکہء نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ:

شبہ: حدیث ترک نبی صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میرے ورثاء دینار اور درہم تقسیم نہیں کریں گے۔ میں جو کچھ اپنے بعد چھوڑوں گا، وہ میری بیویوں کا خرچ، میرے عمال کی اجرت اور صدقہ کا ہوگا۔'' [1]

❁ کہتے ہیں: حدیث کا یہ مضمون روایت کرنے میں ابو بکر رضی اللہ عنہ منفرد ہیں۔ اس حدیث سے انہوں نے حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی عدم توریث پر استدلال لیا تھا۔ خلیفہ اس کو روایت کرنے میں یقیناً منفرد ہے، اور اس کے عہد میں اس کے علاوہ کسی نے یہ حدیث روایت نہیں کیا۔

جواب: یہ حدیث روایت کرنے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ منفرد نہیں ہیں، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص، عباس عبدالرحمٰن بن عوف زبیر بن عوام ابو ہریرہ، طلحہ، حذیفہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین سبھی اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔

## امامیہ کی اسناد سے۔ ابو عبداللہ علیہ السلام کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو کوئی ایسے راستہ پر چلتا ہے جس میں وہ علم کا متلاشی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے، اس کے لیے جنت کی راہ آسان کر دیتے ہیں اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہے جیسے چودھویں کی رات چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر...... اور بے شک علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ وہ دینار اور درہم ورثہ میں نہیں پاتے، لیکن انہیں علم کا ورثہ ملتا ہے۔ جس نے اس سے حصہ لے لیا، اس نے بہت بڑا نصیب پالیا۔''

[1] البخاري: (٢٧٧٦) مسلم: (١٧٦٠)

## شبہ: ابو طالب کی موت:

حدیث: ابو طالب کی موت شرک پر ہوئی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے چچا لا الہ الا اللہ کا کلمہ کہہ دو میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کی گواہی دوں گا۔''

بالآخر ابو طالب نے لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا؛ اور کہا: اگر مجھے قریش کے یہ عار دلانے کا خوف نہ ہوتا کہ موت کے ڈر سے میں نے کلمہ پڑھ لیا ہے؛ تو میں یہ اقرار کر کے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔

پس اللہ تعالیٰ نے ابو طالب کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرماتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾[القصص 56]

''بیشک آپ ہدایت نہیں کر سکتے جسے آپ چاہیں لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت کرتے ہیں جسے چاہیں اور وہ ہدایت والوں کو خوب جانتے ہیں۔''❶

کہتے ہیں: یہ حدیث آل ابی طالب کے دشمنوں نے گھڑ لائی۔ اس کا مقصد اعدائے آل ابی طالب کی قربت حاصل کرنا تھا۔ اور پھر اس کی ترویج اور نشر واشاعت میں اموی حکومت نے کردار ادا کیا۔

جواب: ابو طالب کے مشرک مرنے اور شہادتین کے اقرار سے انکار کی حدیث صرف اکیلے ابو ہریرہ نے روایت نہیں کی۔ ان کے علاوہ حضرت عباس، حضرت ابو سعید حذری اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے۔

امامیہ کی اسناد سے قمی نے اس سابقہ آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے، یہ آیت ابو طالب کے حق میں نازل ہوئی۔

''رسول اللہ ﷺ اس سے کہہ رہے تھے: چچا جی! "لا الـٰـه الا اللّٰـه" کہہ دو تو اس کی وجہ سے میں رہے تھے: بھتیجے میں اپنے ذات کے بارے میں بیکھر خوب جانتا ہوں۔ جب وہ مر گیا، تو عباس بن عبد المطلب نے رسول اللہ ﷺ کے پاس گواہی دی کہ انہوں نے کلمہ پڑھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اس کی زبان سے نہیں سنا۔ اور امید کرتا ہوں کہ بروز قیامت اسے یہ کلمہ نفع دے گا۔''

راوندی (شیعہ عالم) کہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

''جہنم کا سب سے کم عذاب میرے چچا کو ہوگا۔ اس جہنم کے نچلے طبقہ سے نکال کر اوپر لایا جائے گا، اور آگ کی دو جوتیاں پہنائی جائیں گی، جن کی وجہ سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔''

## شبہ: ایک امت کا مسخ:

☆۔ شبہ: حدیث ایک امت کا چوہوں کی شکل میں مسخ ہونا۔

❶ مسلم: (۲۵) ❷ النوادر ص (۱۰) بحار الأنوار: (۲۲/ ۲۷۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"بنی اسرائیل کا ایک گروہ گم ہو گیا معلوم نہیں کیا ہوا میرا خیال ہے کہ یہ چوہے مسخ شدہ صورت میں وہی گمشدہ گروہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب چوہوں کے سامنے اونٹ کا دودھ رکھا جائے تو نہیں پیتے اور جب بکری وغیرہ کا دودھ رکھا جائے تو پی لیتے ہیں۔"[1]

کہتے ہیں یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا من گھڑت کلام ہے، اور شیخین اس کلام سے اس کی حماقتوں پر استدلال کرتے ہیں۔

جواب: اس طرح کی بعض روایات خود امامیہ مذہب کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اصبغ بن نباتہ سے روایت ہے کہ:

"بیشک امیر المؤمنین کے پاس منافقین کی ایک جماعت آئی۔ اور کہنے لگے: آپ یہ کہتے ہیں کہ: جری مچھلی مسخ شدہ اور حرام ہے؟

تو آپ نے فرمایا: ہاں۔

کہنے لگے: ہمیں اس کی کوئی دلیل دکھاؤ؟

آپ ان کو لے کر فرات پر گئے، آپ نے آواز دی: ہناس ہناس!

جری مچھلی نے کہا: لبیک۔

تو امیر المؤمنین نے اس سے کہا: تم کون ہو؟

کہنے لگی: "میں وہ ہوں جس نے آپ کی ولایت سے منہ موڑا تھا پس میری شکل مسخ کر دی گئی۔ اور بے شک آپ کے ساتھ موجود لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں، جو ایسے ہی مسخ ہوں گے جیسے ہم مسخ ہوئے، اور ان کا انجام بھی ویسا ہوگا۔ جیسا ہمارا انجام ہوا۔

امیر المؤمنین نے اس سے کہا: ذرا اپنا قصہ وضاحت کے ساتھ سناؤ تاکہ حاضرین سن اور جان سکیں۔

اس نے کہا: ٹھیک ہے، ہم چوبیس قبیلے تھے، جن کا تعلق بنو اسرائیل سے تھا۔ ہم سرکشی اور بغاوت پر اتر آئے تھے۔ ہم پر آپ کی ولایت پیش کی گئی مگر ہم نہ مانے۔ ہم نے اپنا علاقہ چھوڑ دیا اور فساد مچانے لگے ہمارے پاس ایک آنے والا آیا جس کو آپ اچھی طرح جانتے ہیں ہم سے بڑھ کر جانتے ہیں۔ اس نے ہم میں ایک چیخ لگائی تو ہم سارے ایک جگہ پر جمع ہو گئے۔

پھر اس نے دوسری چیخ لگائی، اور کہا: اللہ کی قدرت سے مسخ شدہ ہو جاؤ۔ تو ہم مختلف اجناس میں مسخ ہو گئے۔ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، ہم مسخ شدہ ہو گئے۔

امام کاظم ان مسخ شدہ کے بارے میں کہتے ہیں: "یہ بارہ اقسام ہیں، اور ان کی اپنی اپنی وجوہات تھیں۔

[1] البخاری: (۳۳۰۵) مسلم: (۲۹۹۷)

ہاتھی بادشاہ تھا، اس نے لوطی سے زنا کیا، تو وہ اس شکل میں بدل گیا۔

اور ریچھ اس لیے مسخ ہوا کہ یہ دیوث اعرابی تھا۔

اور خرگوش اس حالت میں اس لیے بدلا کہ وہ ایک عورت تھی جو اپنے شوہر سے خیانت کرتی تھی۔ اور حیض اور جنابت سے غسل نہیں کرتی تھی۔

اور چمگاڈر اس شکل میں اس لیے مسخ ہوا کہ وہ لوگوں کی کھجوریں چرایا کرتا تھا۔

اور سہارہ برج یمن میں پھلوں پر دسواں حصہ مالیہ وصول کرتا تھا۔

اور زہراء سیارہ ایک عورت تھی جس نے ہاروت وماروت کو فتنہ میں مبتلا کیا تھا۔

جب کہ بندر اور خنزیر بنی اسرائیل کی وہ قومیں ہیں جنھوں نے ہفتہ کے دن سرکشی اور تجاوز کی تھی۔

جب کہ جری مچھلی، اور گوہ بنی اسرائیل کا ایک فرقہ تھا، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کھانا نازل ہوا تو یہ لوگ آپ پر ایمان نہ لائے، بلکہ اس کھانے میں کراہت محسوس کرنے لگے۔ پس ان میں سے ایک ٹولہ سمندر میں گرا اور وہ پاپلیٹ مچھلی بن گیا، اور ایک فرقہ صحراء میں جا گرا، اور وہ گوہ بن گیا۔

جب کہ بچھو ایک چغل خور انسان تھا۔

جب کہ بھڑ قصائی تھا، وہ ماپ تول کے وقت چوری کرتا تھا۔“ [1]

ان کے علاوہ بھی بہت ساری روایات ہیں۔

## شبہ: حدیث جو جنابت کی حالت میں صبح کرے، وہ روزہ نہ رکھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جو کوئی جنابت کی حالت میں صبح کرے، وہ روزہ نہ رکھے۔ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بہت زیادہ جلیل القدر کامل اور افضل ہیں جیسا کہ یہ لوگ گمان کرتے ہیں، معاذ اللہ کہ آپ جنابت کی حالت میں صبح کریں، اور خصوصاً رمضان کے دنوں میں، اور انبیاء کے لیے احتلام ہونا جائز نہیں۔ کیونکہ احتلام شیطان کی شرارت اور کھیل ہے جبکہ انبیاء اس سے منزہ ہیں۔

جواب: حضرت صادق علیہ السلام سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان میں رات کو نماز پڑھتے، پھر جنابت سے ہوتے، پھر جان بوجھ کر غسل میں طلوع فجر تک تاخیر کرتے۔“ [2]

اور محمد بن حمران ابو عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے آپ سے سوال کیا کیا جنبی مسجد میں بیٹھ سکتا ہے۔ فرمایا: نہیں لیکن مسجد میں سے گزر سکتا ہے سوائے مسجد الحرام اور مسجد نبوی کے۔“

اور فرمایا: ہمارے اصحاب نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] مدينة المعاجز للبحراني: (٢/ ٤٢)
[2] تهذيب الاحكام: (٤/ ٢١٤)

''میری مسجد میں کوئی نہ سوئے اور نہ ہی کوئی جنبی اس میں داخل ہو۔''

اور فرمایا:'' اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ مسجد کو پاک رکھا جائے اور کوئی مسجد میں بحالت جنابت داخل نہ ہو، سوائے میرے اور علی اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم اجمعین کے۔'' ❶

## مروزی نے فقیہ علیہ السلام سے روایت کیا ہے، فرمایا:

جب انسان کو ماہ رمضان میں رات کو جنابت ہو جائے اور وہ صبح تک غسل نہ کرے تو اس پر لگاتار دو ماہ کے روزے ہیں اور اس دن کا بھی روزہ ہے، اور اس دن کی فضیلت کو وہ نہیں پا سکے گا۔'' ❷

## ابوبصیر نے ابوعبداللہ سے روایت کیا ہے، فرمایا:

'' وہ آدمی جو ماہ رمضان میں رات کو جنبی ہو جائے، اور پھر وہ جان بوجھ کر صبح تک غسل کو مؤخر کر دے، تو وہ ایک غلام آزاد کرے گا، یا دو ماہ مسلسل روزے رکھے گا۔ یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے گا۔ اور فرمایا کہ: وہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ کبھی بھی اس ثواب کا ادراک نہ کر سکے۔'' ❸

## احمد بن محمد سے روایت ہے وہ ابوالحسن علیہ السلام سے روایت کرتا ہے: کہا:

'' میں نے آپ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا جو ماہ رمضان میں اپنی بیوی کے پاس چلا گیا، یا اسے جنابت لاحق ہوگئی پھر وہ جان بوجھ کر سو گیا، حتیٰ کہ صبح طلوع ہوگئی، فرمایا: وہ اس دن کا روزہ بھی پورا کرے گا۔ اور اس کی قضاء بھی کرے گا۔'' ❹

## شبہ: حدیث لا عدوی ولا صفر ولا هامة:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ...... فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(( لَا عُدْوَى وَلَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَ لَا صِفَرَ . )) ❺

'' چھوت لگنا، بدشگونی لینا، الو کا منحوس ہونا اور صفر کا منحوس ہونا یہ سب لغو خیالات ہیں۔''

جواب: یہ حدیث امام بخاری نے صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر، اور حضرت انس بن مالک وغیرہم سے روایت کی ہے۔

☆۔ امامیہ کی اسناد سے جمال سے روایت ہے، وہ ابوعبداللہ سے روایت کرتا ہے۔ میں نے آپ سے اونٹوں کے بارے میں پوچھا کہ ان میں جرب نامی ایک بیماری ہوتی ہے، کیا میں اسے باقی اونٹوں سے علیحدہ کر لوں؟، کیونکہ اندیشہ ہے کہ یہ بیماری دوسرے جانوروں کو بھی نہ لگ جائے۔ اور...... تو...... ابوعبداللہ نے کہا:

---

❶ سابقہ مصدر: (٦/ ١٥) ❷ سابقہ مصدر: (٤/ ٣١٢) ❸ الاستبصار للطوسی: (٢/ ٨٧)
❹ مسند الامام رضا: (٢/ ١٩٤) ❺ البخاری: (٥٧١) مسلم: (٢٢٢٠)

''رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک اعرابی آیا، اور کہنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ مجھے کبھی بہت سستی گائے اور بکری مل جاتی ہے مگر اس میں جرب نامی بیماری ہوتی ہے۔ مجھے اس کا خریدنا اچھا نہیں لگتا، کیونکہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں یہ بیماری دوسرے جانوروں کو بھی نہ لگ جائے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا اے اعرابی: پہلے جانور کو یہ بیماری کس نے لگائی؟

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: نہ ہی متعدع مرض ہوتا ہے، نہ ہی فال نہ نحوست نہ ہی صفر۔ اور نہ ہی دودھ چھڑانے کے بعد رضاعت۔'' ❶

امام صادق رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: ''جذامی سے ایسے بھاگنا جیسے شیر سے بھاگتا ہے۔'' ❷

## شبہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی چوکیداری کا قصہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا:

''مجھے رسول اللہ ﷺ نے رمضان کی زکواۃ کی حفاظت پر مقرر فرمایا۔ میرے پاس ایک شخص آیا اور لپ بھر کر اناج لینے لگا میں نے اس کو پکڑ لیا؛ اور کہا کہ: ''خدا کی قسم میں تجھ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جاؤں گا۔'' اس نے کہا کہ میں محتاج ہوں اور مجھ پر بیوی بچوں کی پرورش کی ذمہ داری ہے اور مجھے سخت ضرورت ہے، میں نے اس کو چھوڑ دیا۔

جب صبح ہوئی تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ: ''تمہارے رات کے قیدی نے کیا کیا''؟

میں نے عرض کیا کہ: ''یا رسول اللہ ﷺ اس نے سخت ضرورت اور بال بچوں کی شکایت کی تو مجھے رحم آ گیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔''

آپ ﷺ نے فرمایا وہ جھوٹا ہے اور پھر آئے گا۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمانے کی وجہ سے مجھے یقین ہو گیا کہ وہ پھر آئے گا۔ چنانچہ میں اس کا منتظر رہا وہ آیا اور اناج لپ بھر کر لینے لگا، میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ میں تجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے جاؤں گا۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دو، میں محتاج ہوں اور مجھ پر بیوی بچوں کی پرورش کی ذمہ داری ہے؛ اب میں نہیں آؤں گا............ حتی کہ آپ ﷺ نے پوچھا:

اے ابو ہریرہ تم جانتے ہو کہ تین رات تم کس سے گفتگو کرتے رہے؟

ابو ہریرہ نے جواب دیا: نہیں۔

آپ نے فرمایا: ''وہ شیطان تھا''۔ (بخاری)۔

کہتے ہیں: ''ذرا سی بھی عقل رکھنے والا ایسی خرافات سننا گوارا نہیں کرتا۔ ابو ہریرہ اپنے شیطان کے بارے میں ہم

❶ وسائل الشیعہ: (۸/ ۳۷۱)

❷ من لا یحضرہ الفقیہ: (٤/ ٢٥٨)

سے کہیں غریب روایات بیان کرتا ہے۔ جب کبھی بھی ابو ہریرہ روایت کرنے میں منفرد ہوتا ہے، وہ اچھوت قسم کی کہانیاں نقل کرتا ہے، کبھی خیال کرتا ہے کہ شیطان اپنے بچوں کے لیے کھانا چراتا ہے، اور کبھی وہ ایسی گوز مارتا ہے جس کو کانوں سے سن سکتے ہیں اور اس طرح کے دیگر قصے بھی ہیں، جن کے سننے سے روشن ذہن اور سلیم عقل انکار کرتی ہے، عقلی بے راہ روی اور جانچ پرکھ کے ضعف سے اللہ کے پناہ......الخ۔

الجواب: امامیہ کی کتابوں میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں:

''میرے پاس ایک تھیلی تھی۔ جس میں کھجوریں تھیں۔ بلائیں ایک نور کی شکل میں آتیں اور اس تھیلی سے کھجوریں نکال لیتیں۔ میں نے اس کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جاؤ، جب وہی بلا پھر آئے تو تم کہنا: بسم اللہ! چلیں، تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا ہے۔''

کہتے ہیں: میں نے اسے پکڑ لیا، اس نے قسم اٹھائی کہ وہ دوبارہ نہیں آئے گی۔ میں نے اسے چھوڑ دیا۔

پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، اور کہنے لگی: میں آپ کو ایک چیز یاد دلائی ہوں، اور وہ آیت الکرسی ہے۔ اسے اپنے گھروں میں پڑھا کرو۔ کوئی شیطان یا دوسری چیز قریب بھی نہیں آئیں گے۔

پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تیرے قیدی نے کیا کیا؟

تو اس صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کچھ بتایا، جو اس نے کیا تھا۔

تو آپ نے فرمایا: ''وہ جھوٹا ہے، مگر اس نے صحیح کہا۔'' [1]

اور یہ بھی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب مؤذن اذان دیتا ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے، اور اس کی گوز نکل رہی ہوتی ہے۔'' [2]

## بلی کی وجہ سے عورت جہنم کی نذر:

شبہ: حدیث بلی کی وجہ سے عورت جہنم کی نذر۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک عورت ایک بلی کی وجہ سے جہنم کی آگ میں چلی گئی' اس نے بلی کو بند رکھا یہاں تک کہ وہ مرگئی' اس نے اس بلی کو بند کردیا تھا؛ نہ اسے پانی پلاتی تھی' اور نہ کھانا دیتی تھی' اور نہ ہی اسے کھلا چھوڑتی کہ وہ زمین سے کیڑے مکوڑے کھا کر گزارہ کرلے۔'' [3]

کہتے ہیں یہ خیالی روایات ہیں جن میں ظلم وعداوت کے برے انجام سے ڈرایا گیا ہے۔

جواب: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ نے بھی روایت کی ہے۔

[1] بحار الأنوار: (٦٠/ ٣١٦)
[2] الحوالی لأحسیائی: (١/ ٤٠٩) مستدرك الوسائل: (٤/ ٧٣)
[3] مسلم: (٣٧)

آل بیت کی روایات میں: حفص بن البختری نے ابوعبداللہ سے روایت کیا ہے، فرمایا: ''بیشک ایک عورت کو بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا، اس نے بلی کو باندھ رکھا تھا اور وہ پیاس سے مرگئی۔'' ❶

اور موسیٰ بن جعفر اپنے آباء سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں نے جہنم کی آگ میں بلی والی عورت کو دیکھا، وہ بلی اسے آتے جاتے نوچ رہی تھی۔ کیونکہ اس نے بلی کو باندھ رکھا تھا۔ نہ ہی اسے کھانا دیتی تھی، اور نہ ہی کھلا چھوڑتی کہ وہ زمین سے کیڑے مکوڑے کھالے۔'' ❷

☆شبہ: حدیث کتے کو پانی پلانے کی وجہ سے عورت کی مغفرت،

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''ایک فاحشہ عورت صرف اس وجہ سے بخشی گئی کہ وہ ایک کتے کے قریب سے گزر رہی تھی، جو ایک کنویں کے قریب کھڑا پیاسا ہانپ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ پیاس کی شدت سے ابھی مر جائے گا۔

اس عورت نے اپنا موزہ نکالا اور اسے اپنے دوپٹہ سے باندھ کر پانی نکالا اور اس کتے کو پلا دیا، تو اس کی بخشش اسی نیکی کی وجہ سے ہوگئی''۔[البخاری]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''ایک شخص راستے میں سفر کر رہا تھا کہ اسے پیاس لگی۔ پھر اسے راستے میں ایک کنواں ملا اور وہ اس کے اندر اتر گیا اور پانی پیا۔ جب باہر آیا تو اس کی نظر ایک کتے پر پڑی جو ہانپ رہا تھا اور شدت پیاس سے کیچڑ چاٹ رہا تھا۔ اس شخص نے سوچا کہ اس وقت یہ کتا بھی پیاس کی اتنی ہی شدت میں مبتلا ہے جس میں میں تھا۔ چنانچہ وہ پھر کنویں میں اترا اور اپنے جوتے میں پانی بھر کر اس نے کتے کو پلایا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا یہ عمل مقبول ہوا۔ اور اس کی مغفرت کر دی گئی۔'' ❸

معترضین کہتے ہیں: ہم جانتے ہیں کہ یہ حدیث اور اس سے پہلے والی حدیث ابو ہریرہ کے خیالات کی پیداوار ہیں جن میں مہربانی اور شفقت کے اچھا انجام کو مثال میں بیان کیا ہے۔ اور نیکی اور احسان کی ترغیب دی گئی ہے۔

الجواب: امام موسیٰ بن جعفر اپنے آباء سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں جنت میں داخل ہوا تو وہاں پر وہ کتے والا بھی دیکھا جس نے کتے کو پانی پلایا تھا۔'' ❹

اور نعمت اللہ الجزائری لکھتا ہے:

''ذہن کو خوش کرنے والی روایات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک ایسا آدمی جو کہ ہر وقت گناہوں میں لت پت رہتا تھا۔ وہ اپنے ایک سفر میں ایک کنویں پر پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ ایک کتا پیاس سے ہانپ رہا ہے۔ اس

❶ بحار الأنوار: (٦١/ ٢٦٧) ❷ بحار الأنوار: (٨/ ٣١٧)
❸ البخاري: (٢٣٦٣) مسلم: (٢٢٤٤)
❹ بحار الأنوار: (٦٢/ ٦٥)

کے دل میں ترس آیا۔ اس نے اپنے عمامہ کے ساتھ موزہ باندھ کر پانی نکالا اور کتے کو پلایا: حتیٰ کہ وہ سیراب ہو گیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے نبی کی طرف وحی کی کہ میں نے فلاں انسان کی نیکی کی قدر دانی کی ہے۔ اور اس کے گناہ معاف کر دیے ہیں، اس لیے کہ اس نے میری مخلوق میں سے ایک پر ترس کھایا تھا۔ پس جب اس گنہگار نے یہ سنا، تو گناہوں سے توبہ کر لی۔ اور یہ اس کے گناہوں سے توبہ کرنے اور عذاب سے نجات پانے کا ذریعہ بن گیا۔'' ❶

## فضائل صحابہ کی مرویات اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

شبہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ موضوع احادیث روایت کرتے ہیں۔ ایک معترض کہتا ہے، دین کا دوسرا آدھا حصہ ابو ہریرہ کے ساتھ خاص ہے، جو ان کے لیے ان کی من پسند روایات نقل کرتا ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے اسے قربت سے نوازا اور مدینہ منورہ کی امارت بھی سونپی؛ اور وادی عقیق میں آپ کے لیے محل بھی تعمیر کیا، حالانکہ آپ کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ اور انہیں راوی اسلام کا لقب دیا، اس طرح بنی امیہ پر ایک نیا اور کامل دین آسان ہو گیا جس میں کتاب و سنت سے وہی بات موجود ہو، جو ان کی خواہشات کے مطابق ہو۔

اور کہتے ہیں: ''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایسے ہی ابو بکر و عمر اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل بھی روایت کرتا ہے۔

جواب: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فتنہ کے دور میں جانبین میں سے کسی ایک کے ساتھ نہیں تھے۔ بلکہ آپ فتنہ سے علیحدہ رہنے والوں کے ساتھ تھے۔ آپ نے کسی سے قتال نہیں کیا۔ اور آپ نے فتنہ سے اعتزال کے متعلق احادیث روایت کی ہیں مثلاً بخاری کی یہ روایت: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عنقریب فتنے ہوں گے؛ تو ان میں سونے والا بیدار رہنے والے سے بہتر ہوگا اور بیدار کھڑا ہونے والے سے بہتر ہوگا۔ اور کھڑا ہونے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا پس جس آدمی کو کوئی پناہ کی جگہ یا حفاظت کی جگہ مل جائے تو اسے چاہیے کہ وہ پناہ حاصل کرے۔'' ❷

اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بھی رائے یہی تھی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خالی دست نہ تھے، اور نہ ہی مدینہ کی ولایت کوئی پہلی بار تھی۔ بلکہ آپ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بحرین کا گورنر بنایا تھا اور آپ کے پاس کافی مال تھا۔

ابن سیرین کہتے ہیں: ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو بحرین کا گورنر بنایا، آپ وہاں سے دس ہزار لائے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے دشمن، اور اللہ کی کتاب کے دشمن! یہ مال تم نے اپنے لیے خاص کر رکھا ہے؟

تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بولے! میں نہ ہی اللہ کا دشمن ہوں اور نہ ہی اس کی کتاب کا، بلکہ میں ان دونوں کے علاوہ کا دشمن ہوں۔

---

❶ الأنوار النعمانية: (٤/ ٦٦)

❷ البخاري: (٣٦٠٢) مسلم: (٢٢٨٦)

آپ سے پوچھا گیا: یہ مال آپ کے پاس کہاں سے آیا؟

تو فرمایا: یہ میرے گھوڑوں کی افزائش نسل ہوئی، اور غلاموں کی کمائی ہے، یہی بڑھتے رہے ہیں۔

جب تحقیق کی تو پتہ چلا کہ آپ کی بات درست تھی۔ پھر اس کے بعد دوبارہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو والی مقرر کرنا چاہا تو آپ نے انکار کر دیا۔ ❶

بنو امیہ کے آپ کو مدینہ کا گورنر بنانے کا سبب یہ تھا کہ آپ مدینہ میں باقی رہ جانے والے کبار صحابہ اور نمایاں شخصیات میں سے تھے۔ خصوصاً جب یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں نمازیں بھی آپ ہی پڑھایا کرتے تھے۔ اور اگر بنو امیہ کے علاوہ کوئی دوسرا بھی آتا تو یہ بات یقینی تھی کہ وہ آپ کو ہی گورنر بناتا۔ اس لیے کہ آپ اس کام کے لیے نامزد تھے۔ اور یہ ایسے ہوتا بھی کیوں نہیں کہ ان سے بہتر ہستی کوئی نہیں تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے آپ کو منتخب کر چکے تھے۔

جہاں تک آپ کی صداقت اور ثقاہت کا تعلق ہے، تو اس سلسلہ میں بارہ ائمہ میں سے چوتھے امام کی رائے آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ زین العابدین علی بن الحسین سے یہ روایت اردبلی نے روایت کی ہے۔ اردبلی کا شمار شیعہ امامیہ کے بڑے علماء میں ہوتا ہے۔ وہ سعید بن مرجانہ کی سند سے روایت کرتا ہے، وہ کہتا ہے، میں ایک دن حضرت علی بن الحسین کے پاس تھا، میں نے کہا: میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے وہ کہہ رہے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''جو کوئی کسی غلام کو آزاد کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر جوڑ کے بدلے اس کا ہر جوڑ جہنم کی آگ سے آزاد کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کے ہاتھ کے بدلے اس کا ہاتھ اور شرمگاہ کے بدلے شرمگاہ۔''

حضرت علی بن حسین نے کہا: کیا تم نے خود ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ سنا ہے؟ سعید نے کہا: ہاں۔

تو آپ نے اپنے پاس بیٹھے ایک غلام سے کہا: میرے غلاموں کو آزاد کر دو۔ عبداللہ بن جعفر نے اس غلام کے بدلے میں ہزار دینار کی پیش کش کی تھی، مگر آپ نہ مانے تھے۔''

اب کہا: ''تم صرف اللہ کی رضا کے لیے آزاد ہو۔'' ❷

یہ بات کوئی غریب نہیں ہے کہ امامیہ علماء کے ایک بڑے عالم اس کی توثیق کریں۔ اور ان کو قابل تعریف لوگوں میں شمار کریں۔ جیسا کہ ابن داؤد حلی نے کہا ہے:

''عبداللہ ابو ہریرہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے معروف ہستی ہیں۔'' ❸

---

❶ تاریخ دمشق: (٦٧/ ٣٧٠) البدایه والنهایة: (٨/ ١١٣)

❷ کشف الغمة: (٢/ ٢٤١)

❸ رجال ابن داؤدحلی ص: (١١٦)

اور یہ کہنا کہ حضرت ابو بکر و عمرو بن العاص اور ابو ہریرہ اور عروہ اور عکرمہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل بھی ایسے ہی روایت کیے جاتے ہیں۔ اور ان تمام کے بارے میں تاریخ یہ واضح کرتی ہے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف لشکر کشی کرنے والے تھے۔ انہوں نے اسلحہ سے بھی آپ سے جنگ کی، اور آپ کے مخالفین اور دشمنوں کے فضائل بھی گھڑے۔

میں کہتا ہوں: جہاں تک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے، تو آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جنگوں میں کنارہ کش رہے اس اعتبار سے آپ کسی کے خلاف نہیں تھے۔ لیکن یہ سب کچھ دشمنان کے فضائل گھڑنے اور انہیں پذیرائی دینے سے ظاہر ہوتا ہے، مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں خیبر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا:............ ''کل میں ایک شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوگا' اور جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتے ہوں گے۔''

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بھی روایت کی ہے، فرمایا: اور جس نے، ان دونوں سے محبت کی اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ آپ کی مراد حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما تھے۔''[1]

اور آپ نے یہ روایت بھی نقل کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر۔''[2]

### شبہ: حدیث، خلق اللہ آدم علی صورتہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی آدمی اپنے بھائی سے لڑے تو وہ چہرے پر مارنے سے بچے۔ اور یہ نہ کہے: اللہ تعالیٰ تیرے چہرے کو برباد کرے؛ اور نہ ہی اس کے مشابہ کوئی کلمہ کہے؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اس کی صورت پر پیدا کیا ہے۔''[3]

جواب: حضرت حسن کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک انصاری پر ہوا، وہ اپنے غلام کے چہرہ پر تھپڑ مار رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ اللہ تیرے چہرہ کو خراب کرے، اور اس کے چہرہ کو بھی جس سے تو مشابہت رکھتا ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے بہت ہی بری بات کہی، بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے، یعنی مضروب کی صورت پر، یہ جواب صحیح ہے، والحمدللہ۔[4]

اور حسین بن خالد کہتے ہیں: میں نے امام رضا علیہ السلام سے کہا: اے رسول اللہ کے صاحبزادے!

''لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے آدم کو اس کی صورت پر پیدا کیا ہے۔''

---

[1] ابن ماجه: (١٤٣)
[2] البخاري: (٣٧٤٧)
[3] رواه مسلم: (٢٦١٢)
[4] كنز الفوائد: (٢٧٤)

آپ نے فرمایا: ''اللہ انہیں قتل کرے، انہوں نے حدیث کا ابتدائی حصہ حذف کر دیا ہے؛ بے شک رسول اللہ ﷺ کا گزر دو آدمیوں پر ہوا، وہ ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے تھے۔ آپ نے سنا، ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ تیری شکل بگاڑے، اور اس کا چہرہ بھی بگاڑ دے جو تجھ سے مشابہت رکھتا ہے۔

آپ نے فرمایا: ''اے اللہ کے بندے! اپنے بھائی کو ایسے مت کہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے آدمی کو اس کی صورت پر پیدا کیا ہے۔''[1]

## بروز قیامت دیدار الٰہی:

شبہ: حدیث: بروز قیامت دیدار الٰہی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا ہم لوگ اپنے پروردگار کو قیامت کے دن دیکھیں گے؟

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تمہیں بدر کی رات میں چاند کو دیکھنے میں کوئی دقت ہوتی ہے؛ جب بادل نہ ہوں؟ لوگوں نے کہا: ''نہیں۔'' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

آپ نے فرمایا: ''تم اسی طرح اپنے رب کو دیکھو گے۔'' [البخاری]

کہتے ہیں: یہ حدیث ارباب خرد و دانش کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ کیا ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی صورت مختلف ہو سکتی ہے کہ بعض اسے پہچان لیں، اور بعض نہ پہچان سکیں۔ اور کیا ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پنڈلی ہے جو اس کی آیت اور علامت و نشانی ہے؟ اور پنڈلی دوسرے اعضاء کے بغیر کیسے اور کس چیز کی نشانی ہو سکتی ہے؟ اور کیا اللہ تعالیٰ کے لیے حرکت کرنا اور منتقل ہونا جائز ہے کہ وہ پہلی اور دوسری بار آئے گا، اور کیا اللہ تعالیٰ کے لیے ہنسنا جائز ہے، اور اس سارے کلام کا کیا وزن (اور حقیقت) ہے؟

جواب: بروز قیامت دیدار الٰہی کی روایات اہل بیت سے بھی مروی ہیں۔ ایک طویل حدیث میں ہے۔ بے شک اہل جنت اللہ تعالیٰ کی آواز سنیں گے اور اللہ ان سے مخاطب ہوں گے اور اہل جنت اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھیں گے۔ یہ دو باتیں اہل جنت کے لیے سب سے زیادہ لذیذ اور محبوب ہونگی۔

آپ علیہ السلام فرماتے ہیں: ''یعنی جب اہل جنت نعمتوں لطف اندوز ہو رہے ہوں گے کہ اس دوران وہ ایک آواز سنیں گے جو کہ عرش کے نیچے سے آرہی ہوگی۔ وہ آواز ہوگی: اے اہل جنت تم اپنے ٹھکانے کو کیسے دیکھ رہے ہو؟

تو وہ کہیں گے بہترین ٹھکانہ ہمارا ٹھکانہ ہے، اور بہترین ثواب ہمارا ثواب ہے۔ ہم نے ایک آواز سنی ہے، اور اب اس کو دیکھنے کی خواہش کر رہے ہیں۔ وہ ہمارا سب سے بڑا ثواب ہوگا۔ اور تو نے اس کا وعدہ کر رکھا ہے بے شک تو وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

---

[1] عیون اخبار الرضا: (۲/ ۱۱۰)

پس اللہ تعالیٰ ان کے سامنے آئیں گے۔ حتیٰ کہ لوگ رب تبارک وتعالیٰ کے چہرہ کی طرف دیکھیں گے۔ (لئالی الأخبار، باب اهل الجنتة يسمعون صوته......)

اور عاصم بن حمید ابوعبداللہ سے روایت کرتے ہیں، فرمایا: ''جب وہ جمع ہو جائیں گے تو رب تعالیٰ ان کے لیے تجلی فرمائیں گے۔ جب وہ اس کی طرف دیکھیں گے تو سجدہ میں گر جائیں گے۔'' [1]

امام سجاد کہتے ہیں: اے اللہ! ہماری آنکھوں کو اپنے ساتھ ملاقات کے دن اپنے دیدار پر قادر بنادے۔''

اور ابو بصیر نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے روایت کیا ہے، فرمایا: ''میں نے ان سے کہا: مجھے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بتائیں، کیا اہل ایمان بروز قیامت اس کو دیکھ سکیں گے: فرمایا: ''ہاں۔'' [2]

## شبہ: حدیث: ''لا تملاء النار حتى يضع الله رجله فيها'':

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

'' پھر جب دوزخ نہیں بھرے گی تو اللہ تعالیٰ اپنا قدم دوزخ پر رکھیں گے تو پھر دوزخ کہے گی بس بس۔ پھر دوزخ اسی وقت بھر جائے گی اور اس کا ایک حصہ دوسرے کی طرف سمٹ جائے گا۔'' [3]

کہتے ہیں: شریعت اور عقل کی روشنی میں یہ حدیث محال اور ممتنع ہے۔ کیا وہ مسلمان جو اللہ تعالیٰ کی نزاہت بیان کرتا ہو، وہ اس بات پر ایمان رکھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ٹانگ (پاؤں) ہے۔؟

اور کیا عقل منداس کی تصدیق کرسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جہنم میں اپنا پاؤں رکھیں گے اور وہ بھر جائے گی۔؟

جواب: یہ حدیث جس پر شیعہ نے اعتراض کیا ہے۔ اس سے خود شیعہ استدلال کیا ہے یہ شیعہ عالم صدر المتألهين کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، اس کا نام محمد بن، ابراہیم صدرالدین شہرازی ہے، وہ کہتا ہے: ''اور کیا آپ ہماری بات کی صداقت کو نہیں دیکھتے، جہنم اپنی کمی کی وجہ سے تکلیف کا شکار رہے گی یہاں تک کہ جبار سجانہ وتعالیٰ اس پر اپنا پاؤں رکھیں گے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔'' [4]

---

[1] البحار: (٨/ ٢٦ر)

[2] التوحيد للصدوق: (١١٧)

[3] البخاري: (٤٨٥٠) مسلم: (٢٨٤٦) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دوزخ اور جنت میں جھگڑا ہوا تو دوزخ نے کہا مجھے متکبر اور ظالم لوگوں کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے اور جنت نے کہا کہ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ میرے اندر سوائے کمزور حقیر اور عاجز لوگوں کے اور کوئی داخل نہیں ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا: ''تو میری رحمت ہے میں تیرے ذریعے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہوں گا رحمت کروں گا'' اور اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے فرمایا تو میرا عذاب ہے میں تیرے ذریعے سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہوں گا عذاب دوں گا۔ لیکن تم میں سے ہر ایک کو میں نے ضرور بھرنا ہے پھر جب دوزخ نہیں بھرے گی تو اللہ تعالیٰ اپنا قدم دوزخ پر رکھیں گے تو پھر دوزخ کہے گی بس بس پھر دوزخ اسی وقت بھر جائے گی اور اس کا ایک حصہ دوسرے کی طرف سمٹ جائے گا۔

[4] تفسير القرآن الكريم: (١/ ٥٨) اور (١٥٨)

مزید برآں اس حدیث سے شیعہ عالم: "سید محمدی الرے شہری نے بھی استدلال کیا ہے۔" ❶

## اللہ تعالیٰ کا ہر رات آسمانی دنیاء پر نزول:

☆ حدیث! اللہ تعالیٰ کا ہر رات آسمانی دنیاء پر نزول:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

"ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے، جس وقت رات کے آخر کا تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے۔ تو فرماتا ہے: "کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا کو قبول کروں۔"

اور کون ہے جو مجھ سے سوال کرے اور میں اسے عطا کروں۔

اور کون ہے جو مجھ سے مغفرت مانگے اور میں اسے بخش دوں۔" ❷

کہتے ہیں: نزول اور صعود، آنا جانا، حرکت اور نقل مکانی اور سارے عوارض حادث ہیں۔

جواب: حدیث نزول فریقین کے مابین متفق علیہ ہے، اہل بیت کی روایت میں صدوق نے اپنی کتاب "التوحید" میں امام صادق سے ثنویہ اور زنادقہ کے خلاف دلائل میں نقل کی ہیں۔ آپ سے پوچھا گیا کہ:

کیا آپ اللہ تعالیٰ کے آسمانی دینار پر نازل ہوئے کا عقیدہ رکھتے ہیں؟

تو آپ نے فرمایا: ہمارا یہ عقیدہ ہے۔ اس لیے کہ صحیح روایات اور احادیث سے ثابت ہے۔"

سائل نے پوچھا: جب اللہ تعالیٰ عرش سے نازل ہوتے ہیں تو کیا اس میں تحویل (اور عرش کا خالی ہونا) لازم نہیں آتا۔ اور ایک صفت کا حدوث نہیں ہوتا؟۔

تو ابوعبداللہ نے فرمایا: نزول الٰہی مخلوقات کے نزول کی طرح نہیں ہے، جو کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے ہیں تو پہلی جگہ خالی ہو جاتی ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نازل ہوتے ہیں تو بغیر تھکاوٹ اور حرکت کے نازل ہوتے ہیں، اور اس وقت اللہ سات آسمانوں کے اوپر عرش پر بھی ویسے ہی ہوتے ہیں جیسے آسمان دنیا پر۔" ❸

## جابر جعفی سے روایت ہے وہ کہتا ہے: میں نے ابوعبداللہ سے سنا، آپ فرماتے تھے:

"اللہ تعالیٰ رات کے آخری تہائی حصہ میں دنیاوی آسمان پر نازل ہوتے ہیں، اور آواز لگاتے ہیں:

کیا کوئی توبہ کرنے والا ہے اس کی توبہ قبول کی جائے۔

اور ہے کوئی جو گناہوں کی بخشش مانگنے والا ہو، اور میں اس کے گناہ بخش دوں؟

اور کوئی دعا کرنے والا ہے جو مجھ سے مانگے، اور میں اس کی مشکل دور کردوں۔

اور کوئی تنگ دست ہے جو مجھ سے دعا کرے میں اس کے رزق میں وسعت دیدوں۔

❶ میزان الحکمة: (۲/ ۱۷۸) باب :"هل من مزيد" ❷ البخاري: (۱۱٤٥) مسلم: (۷٥۸) ❸ التوحيد ص: (۲٤۸)

اور کوئی مظلوم ہے جو مجھ سے مدد کا طالب ہو، اور میں اس کی مدد کروں؟۔''❶

احسائی المعروف ابن ابی جمہور نے نزول کی صفت کو ثابت مانا ہے، وہ کہتا ہے:

''بے شک اللہ تعالیٰ رات کے آخری تہائی حصہ میں دنیاوی آسمان پر نازل ہوتے ہیں۔ اور عرفہ کی شام اہل عرفہ کی طرف اور پندرہ شعبان کی رات۔''❷

محسن الکاشانی کہتا ہے: اول یہ کہ دعاء کے لیے اس کے مناسب شرف کے اوقات تلاش کئے جائیں۔ مثلاً سال بھر میں عرفہ کا دن، مہینوں میں رمضان کا مہینہ۔ ہفتہ بھر میں جمعہ کا دن، اور عام اوقات میں سحر کے وقت آخری رات کی چند گھڑیاں:

﴿وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ۝﴾ (الذاریات: ۱۸)

''اور سحری کے وقت وہ استغفار کرتے ہیں۔''

اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان اللہ تعالیٰ ہر رات، رات کے آخری تہائی حصہ میں دنیاوی اسمان پر تشریف لاتے ہیں، اور فرماتے ہیں: کون ہے جو مجھ سے دعا کرے، میں اس کی دعا کو قبول کروں؟

اور مجھ سے مانگے، میں اسے عطا کروں۔

اور مجھ سے مغفرت کا طلب گار ہو، میں اس کے گناہ معاف کردوں۔''❸

ایسے ہی ایک دوسرے مقام پر کہتا ہے: رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: رات کا کون سا حصہ افضل ہے؟

آپ نے فرمایا: بقیہ رات کا آخری آدھا حصہ۔

رات کے آخری حصہ کے متعلق احادیث وارد ہوئی ہیں، مثلاً عرش کا کانپنا، جنت عدن سے ہواؤں کا چلنا اور جبار سبحانہ تعالیٰ کا دنیاوی آسمان پر نازل ہونا ان کے علاوہ دیگر روایات بھی ہیں۔ ❹

اور ایک دوسرے مقام پر لکھا ہے: اللہ تعالیٰ ہر رات دنیاوی آسمان نازل ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کوئی دعا کرنے والا ہے جس کی دعا قبول کروں۔''

بلکہ ان کے ہاں تو یہاں تک لکھا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ اونٹ پر سوار ہو کر نزول فرماتے ہیں: ''عبداللہ ابن سنان کہتے ہیں: میں نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے سنا؛ وہ کہہ رہے تھے: بے شک اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن زوال کے بعد ایک کشادہ کوہان والے اونٹ پر بیٹھ کر زمین پر اترتے ہیں۔''

❶ بحار الأنوار: (۸٤/ ۱٦۸)
❷ عوالی التلالی: (۱/ ۱۱۹)
❸ المحجة البیضاء: (۲/ ۲۸۵)
❹ المحجة البیضاء: (۲/ ۳۷۳)
❺ المصدر السابق: (۵/ ۱۵)
❻ ریاض العلماء: (۲/ ٤۰٤)

**ابو عبداللہ سے روایت ہے کہ:**

''جب عرفہ کا دن ہوتا ہے تو رب تبارک وتعالیٰ عرفہ کے دن زمین پر اترتے ہیں۔''❶

اور عطاء ابو جعفر سے روایت کرتا ہے وہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے آباء سے روایت کرتا ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے، اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، ایک طویل حدیث ہے، اس میں ہے:

''بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ زمین پر اترے اور بیت الحرام کی بنیادیں اٹھائیں۔''❷

**جابر کہتے ہیں: ابو جعفر رحمہ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے:**

﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ قُضِيَ الْاَمْرُ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ﴾ (البقرہ: ۲۱۰)

''وہ اس کے سوا کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس اللہ بادل کے سائبانوں میں آ جائے اور فرشتے بھی اور کام تمام کر دیا جائے اور سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔''

''اللہ تعالیٰ نورانی قبوں میں اتریں گے اور یہ معلوم نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے کس قبہ میں ہے۔ یہ اس وقت ہوگا جب اللہ تعالیٰ کوفہ کی سرزمین پر اتریں گے۔''❸

**اور ابو عبداللہ کہتے ہیں:**

''جب جمعرات کا دن ہوتا ہے تو رب تعالیٰ دنیاوی آسمان پر اترتے ہیں۔ اور جب فجر طلوع ہوتی ہے تو وہ اپنے عرش پر بیت المعمور کے اوپر ہوتے ہیں۔''❹

اور ابو جعفر نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سائے میں حضرت آدم علیہ السلام کے پاس زمین پر اترے، یہ واقعہ مکہ اور طائف کے درمیان وادی روحاء میں پیش آیا۔''❺

اور ابو عبداللہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ جمع کی رات کے پہلے حصہ میں دنیاوی آسمان پر اترتے ہیں۔''❻

علی بن الحسین کہتے ہیں: کیا تمہیں علم نہیں ہو سکا کہ جب عرفہ کے دن شام ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ملائکہ کے ساتھ دنیاوی آسمان پر ظاہر ہوتے ہیں۔''❼

---

❶ بصائر الدرجات ص: (٤٢٦)
❷ تفسير العياشي: (١/ ٣٧) بحار الأنوار: (٥/ ٤٩)
❸ تفسير الصافي: (١/ ٨٣) بحار الأنوار: (١٩/ ٢٥)
❹ تفسير البرهان: (٣/ ١٤٦)
❺ البرهان: (٢/ ٣٠٠)
❻ فروع الكافي: (٣/ ٤١٤)
❼ مستدرك الوسائل: (١٠/ ٤٧)

اسی پر بس نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ ائمہ کی قبور کی زیارت کے لیے اترتے ہیں۔ ابو وہب القصری سے روایت ہے، وہ کہتا ہے: میں شہر مدینہ میں پہنچا تو ابوعبداللہ کے پاس گیا، میں نے کہا:

''آپ پر قربان جاؤں میں آپ کے پاس تو چلا آیا، مگر امیر المؤمنین کی قبر کی زیارت نہیں کی۔''

تو آپ نے فرمایا: تم نے بہت ہی برا کیا، اگر تو ہمارے شیعہ میں سے نہ ہوتا، تو میں تیری طرف دیکھتا بھی نہیں۔ کیا تم اس کی زیارت نہیں کرتے جس کی زیارت اللہ تعالیٰ؛ فرشتے اور انبیاء کرتے ہیں۔ اور اہل ایمان بھی اس کی زیارت کرتے ہیں۔''

میں نے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں، مجھے اس کا علم نہیں تھا۔'' ❶

## منیع بن حجاج نے صفوان الجمال سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

''جب ابوعبداللہ ''الحیرۃ'' تشریف لائے تو مجھ سے کہا: کیا تم قبر حسین رضی اللہ عنہ کی خواہش رکھتے ہو؟

میں نے کہا: میں آپ پہ قربان جاؤں، کیا آپ اس کی زیارت کے لیے جائیں گے؟

تو کہنے لگے: میں کیسے اس کی زیارت کروں جب کہ اللہ اس کی زیارت کے لیے ہر جمعرات کو ملائکہ اور انبیاء اوصیاء کے ساتھ اترتے ہیں۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم افضل الأنبیاء ہیں، اور ہم افضل الأوصیاء ہیں۔''

صفوان نے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں! کیا میں ہر جمعرات کو اس کی زیارت کیا کروں تاکہ رب کی زیارت کو بھی پالوں؟ فرمایا: ہاں اے صفوان! قبر حسین رضی اللہ عنہ کی زیارت کو لازم پکڑلو، تو کچھ کمالو گے یہی تو فضیلت کی بات ہے۔'' ❷

## اور امام صادق سے ایک طویل حدیث میں مروی ہے، فرمایا:

''حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی زیارت کرتے ہیں ان سے ہاتھ ملاتے ہیں اور ان کیساتھ چار پائی پر بیٹھتے ہیں۔'' ❸

## شبہ: حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک رات میں سو بیویوں سے ملاقات!

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا:

''میں آج رات اپنی سب بیویوں سے زفاف کروں گا، وہ سب ایک ایک بیٹا دیں گی؛ جو اللہ کے راستہ میں جہاد کریں گے۔

فرشتے نے کہا: ان شا اللہ کہہ لیجیے۔ جس کو وہ کہنا بھول گئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی سب بیویوں سے صحبت کی مگر ان میں سے سوائے ایک بیوی کے (جس کو آدھا بچہ پیدا ہوا) کسی کے ہاں کچھ بھی پیدا نہ ہوا۔''

❶ تهذيب الأحكام: (٦/ ٢٠) ❷ بحار الأنوار: (٦٠/ ١٠١) ❸ صحيفه الأبرار: (٢/ ١٤٠)

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اگر سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہہ لیتے تو ان کی قسم نہ ٹوٹتی اور حاجت برآنے کی امید بھی زیادہ ہوتی۔''❶

کہتے ہیں: کئی وجوہات کی بنا پر روایت محل نظر ہے:۔

پہلی وجہ: بشری قوت اتنی بیویوں کے ساتھ ایک رات میں ہم بستری سے کمزور پڑ جاتی ہے، بھلے کوئی انسان کتنا ہی طوقتور کیوں نہ ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو کچھ حضرت سلیمان کے ان کے ساتھ ہم بستری کے بارے میں بیان کیا ہے، وہ طبعی نوامیس کے خلاف ہے، عادۃً ایسا واقعہ پیش آن ابھی بھی ممکن نہیں۔

دوسری وجہ۔ اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے یہ جائز نہیں تھا کہ وہ ان شاء اللہ کہنا ترک کر دیں۔

جواب: اس طرح کی احادیث ائمہ اہل بیت سے بھی مروی ہیں۔ صادق علیہ السلام سے روایت ہے، فرمایا:

''بیشک جب حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خلیفہ بنایا، اور آپ پر زبور نازل فرمائی......الخ:

تو اس وقت داؤد علیہ السلام کی ننانوے عورتیں تھیں؛ جن میں بیویاں بھی تھیں اور لونڈیاں بھی۔''

اور ابوالحسن سے روایت ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی ایک ہزار عورتیں تھیں، جو کہ ایک ہی محل میں رہتی تھیں۔ ان میں سے تین سو بیویاں تھیں، اور سات سو بندیاں۔''

''اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں چالیس مردوں کی طاقت تھی۔ اور آپ کی نو بیویاں تھیں اور آپ روزانہ ان کے پاس جایا کرتے تھے۔''❷

اور ابوالحسن علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی ایک ہزار عورتیں ایک ہی محل میں تھیں۔ ان میں سے تین سو بیویاں تھیں، اور سات سو باندیاں۔ اور ان کے پاس ہر روز دن اور رات میں جایا کرتے تھے۔

الجزائری نے اس روایت پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا ہے:

''میں کہتا ہوں: اس میں احتمال ہے کہ آپ صرف ملاقات کے لیے جاتے ہوں۔ جب کہ روایت کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مراد جماع ہے۔''

اور ابو جعفر رحمہ اللہ نے کہا ہے:

''سلیمان علیہ السلام کا ایک قلعہ تھا جسے شیاطین نے تعمیر کیا تھا اس میں ہزار گھر تھا۔ اور ان میں سے ہر ایک گھر میں ایک منکوحہ تھی۔ ان میں سے سات سو قبطی باندیاں تھیں، اور تین سو آزاد بیویاں تھیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو چالیس مردوں کی قوت عطا کی ہوئی تھی۔ آپ ان تمام پر چکر لگایا کرتے تھے۔''❸

❶ البخاري: (٥٢٤٢)
❷ فروع الکافي: (٥/ ٥٦٧)
❸ قصص الانبیاء (٤٠٧)

اور توسیر کانی نے کہا ہے: ''حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک ہزار منکوحہ تھی۔ جن کے لیے ایک ہزار شیشے کا گھر تھا۔ جسے لکڑ پر تعمیر کیا گیا تھا۔''❶

اور الجزائری نے تذکرہ کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے ساتھ اپنی بساط پر ایک ہزار منکوحہ لے کر چلتے تھے۔ ان میں ساتھ سو باندیاں اور تین سو آزاد بیویاں تھیں۔ اور کہا گیا ہے کہ: وہ ہر رات ان کے ہاں جایا کرتے تھے۔ اور کہتا ہے:

میں کہتا ہوں کہ: ''ہر رات اور دن میں ان پر چکر لگایا کرتے تھے۔''❷

کاشانی نے کہا ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے کہا: آج کی رات میں ایک سو بیویوں کے پاس جاؤں گا، اور ان میں سے ہر ایک ایک جوان مرد لڑا کے کو جنم دے گی، مگر آپ نے، ان شاء اللہ نہ کہا، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی مراد کے لڑکوں سے محروم رکھا۔''❸

جہاں تک نسیان کا تعلق ہے، تو یہ قرآن میں بھی کئی مقام پر وارد ہوا ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ لَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًاo اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ وَ قُلْ عَسٰٓی اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًاo﴾ (الکهف: ۲۳ ـ ۲٤)

''اور کسی چیز کے بارے میں ہرگز نہ کہہ کہ میں یہ کام کل ضرور کرنے والا ہوں۔ مگر یہ کہ اللہ چاہے اور اپنے رب کو یاد کر جب تو بھول جائے اور کہہ امید ہے کہ میرا رب مجھے اس سے قریب تر بھلائی کی ہدایت دیگا۔''

اور قمی نے ذکر کیا ہے کہ:

''ابو عبداللہ سے روایت ہے کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے تین مسائل کی بابت پوچھا گیا: تو آپ نے فرمایا: میں کل ان کا جواب آپ کو دوں گا۔ اور آپ نے ان شاء اللہ نہ کہا؛ تو چالیس دن تک وحی روک لی گئی، اور نبی کریم ﷺ بہت غمگین ہوئے۔''❹

## حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ملک الموت کو تھپڑ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ:

''حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف موت کا فرشتہ بھیجا گیا؛ جب وہ ان کے پاس آیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کے ایک تھپڑ مار دیا؛ جس سے ملک الموت کی آنکھ نکل گئی۔ تو ملک الموت اپنے رب کی طرف لوٹا اور اس نے کہا اے پروردگار! آپ نے مجھے ایک ایسے بندے کی طرف بھیجا ہے جو مرنا نہیں چاہتا۔''

اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ لوٹا دی اور فرمایا: ''دوبارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف جا اور ان سے کہہ کہ اپنا ہاتھ مبارک ایک بیل کی پشت پر رکھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتنی عمر بڑھا دی جائے گی۔''

❶ اللآلي للتوسيركاني (١/ ١٠٠)
❷ الأنوار الغمانية: (٣/ ١٨٢)
❸ المحجة البيضاء: (٦/ ٢٨٢)
❹ تفسير القمي (٢/ ٣١)

کہتے ہیں: ایسا اللہ تعالیٰ یا اس کے انبیاء یا ملائکہ کے لیے جائز نہیں۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناسب ہے کہ وہ اپنے بندوں میں سے کسی ایک کو چن لے جو کہ غصہ کے وقت بہت سختی سے اہل جبروت کی طرح پکڑ لے، اور جہلاء کی طرح موت کو ناپسند کرے۔

جواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ملک الموت کو تھپڑ مارنے کا قصہ امامیہ نے بھی اپنی اسناد سے نقل کیا ہے۔ اس کا ذکر الجزائیری اور تو یسیر کانی نے کیا ہے، وہ کہتا ہے:

''جب ملک الموت آپ کی روح قبض کرنے کے لیے آیا، تو آپ نے اسے تھپڑ مار کر کانا کر دیا۔

اس نے کہا: اے رب! آپ نے مجھے ایسے آدمی کی طرف بھیج دیا جس کو موت پسند ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ: بیل کی پیٹھ پر ہاتھ رکھو، جتنے بال بھی تمہارے ہاتھ کے نیچے آئیں گے، ہر سال کے بدلہ میں ایک سال زندگی ملے گی۔'' [1]

## اردبلی نے کہا ہے:

''بشری طبیعت میں موت کی ناپسندیدگی ودیعت کردی گئی ہے، اور طبیعت اس سے نفرت کھا جاتی ہے، جب آپ میں زندگی کی محبت اور اس کی طرف میلان رکھا گیا ہے، حتیٰ کہ انبیاء کرام بھی جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ملک الموت کے ساتھ قصہ ہے۔'' [2]

## حدیث: پتھر کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر فرار ہونا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''بنی اسرائیل ننگے غسل کرتے اور ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھتے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اکیلے غسل کرتے۔ تو لوگوں نے کہا کہ اللہ کی قسم موسیٰ علیہ السلام کو ہمارے ساتھ غسل کرنے سے روکنے والی صرف یہ چیز ہے کہ آپ کو ہرنیا کی بیماری ہے۔ ایک مرتبہ آپ غسل کرنے گئے آپ نے اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھے وہ پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اور موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے دوڑے اور فرماتے جاتے تھے:

''اے پتھر میرے کپڑے دے؛ میرے کپڑے دے۔'' یہاں تک کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ کی شرمگاہ کو دیکھ لیا اور انہوں نے کہا: ''اللہ کی قسم موسیٰ علیہ السلام کو تو کوئی بیماری نہیں'' تو پتھر بھی کھڑا ہو گیا۔

موسیٰ علیہ السلام نے اس کو دیکھا اپنے کپڑے لئے اور پتھر کو مارنا شروع کر دیا۔'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم اس پتھر پر موسیٰ علیہ السلام کی ضرب کے چھ یا سات نشانات موجود تھے۔''

کہتے ہیں: آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس حدیث میں جو محال اور عقلاً ممتنع باتیں وارد ہوئی ہیں۔ اس بات کی تشہیر کرنا کہ

[1] لئالی الأخبار: (۱/ ۹۱) الأنوار النعمانية: (٤/ ٢٠٥)
[2] المحجة البيضاء: (٤/ ٢٠٩)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے قوم کے لوگوں کے سامنے اپنی شرمگاہ ظاہر کی، ہرگز جائز نہیں۔ یہ آپ کی شان میں کوتاہی اور مقام ومرتبہ سے گراوٹ ہے۔ خصوصاً جب کہ لوگوں نے اس حال میں دیکھا ہو کہ وہ ننگے پتھر کو آوازیں لگاتے دوڑ رہے ہوں۔ اور وہ نہ ہی سنتا ہو اور نہ ہی دیکھتا ہو۔ پتھر میرے کپڑے۔ اور پھر لوگوں کے سامنے ایسے ننگے جا کھڑے ہوں، اور پتھر کو مار رہے ہوں، اور لوگ آپ کی طرف دیکھ رہے ہوں، اور آپ کا ستر کھلا ہوا ہو جیسے کہ کوئی مجنون ہو۔ اور اس کی بنیاد پر یہ خیال کرنا کہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نامرد سمجھتے تھے، یہ بات ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی نے بھی نقل نہیں کی۔

جواب: یہ قصہ امام صادق رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے، کہتے ہیں:

> ''بنو اسرائیل کہا کرتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مرد نہیں ہیں۔ اور موسیٰ علیہ السلام جب نہانے کا ارادہ کرتے تو ایسی جگہ پر چلے جاتے، جہاں لوگ آپ کو نہ دیکھ سکتے ہوں۔
>
> ایک دن آپ نہر کے کنارے نہا رہے تھے اور آپ نے اپنے کپڑے ایک پتھر پر رکھے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے پتھر کو حکم دیا، تو وہ آپ سے دور ہو گیا، حتیٰ کہ بنی اسرائیل نے دیکھ لیا، اور وہ سمجھ گئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ویسے نہیں ہیں جیسے وہ سمجھتے تھے، اسی بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:
>
> ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا﴾ (الاحزاب: ٦٩)
>
> ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے موسیٰ کو تکلیف پہنچائی تو اللہ نے اسے اس سے پاک ثابت کر دیا جو انھوں نے کہا تھا اور وہ اللہ کے ہاں بہت مرتبے والا تھا۔'' [1]

## الجزائری نے کہا ہے: محدثین کی ایک جماعت نے کہا ہے:

''جب صحیح آحادیث میں یہ وارد ہوا ہے تو اس میں اب کوئی استبعاد والی بات نہیں۔ اور اس طرح سے ان کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھنا، اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عمداً یا قصداً نہیں تھا۔ آپ کو یہ پتہ نہیں چلا تھا کہ کوئی آپ کو دیکھ رہا ہے یا نہیں۔ اور آپ کا کپڑے پکڑنے کے لیے ان کے پیچھے ننگے چلنا۔ یہ منفرات میں سے نہیں ہے۔'' [2]

## حدیث: انبیائے کرام علیہم السلام سے طلب شفاعت بروز قیامت:

کہتے ہیں: اس حدیث میں اولی العزم انبیاء اللہ کے مقام پر تجاوز ہے، اور ان کی نزاہت و پاکیزگی میں خلل اور اس سے برأت ہے۔ اس لیے کہ سنن مقدسہ میں سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت انبیاء کی اس غایت درجہ کی تعظیم ہے، جس سے دل اجلال اور ہیبت سے بھر جاتے ہیں۔...... آگے چل کر کہتا ہے......:

---

[1] تفسير القمي: (٢/ ١٧١) قصص الأنبياء: (٢٥٠)
[2] قصص الأنبياء: (٢٥٠)

''اس پس منظر میں حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجنبی اور بہت دور کی چیز ہے۔ اور آپ کی سنتوں سے ہر لحاظ سے جدا ہے۔ معاذ اللہ کہ انبیاء کی طرف ایسی چیزیں منسوب کی جائیں جو کہ اس حدیث میں بھری ہوئی ہیں۔ اور حاشا وکلا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں حرام کر کے اللہ کے غضب کو واجب کیا ہو۔ بے شک آپ کو درخت کا پھل کھانے سے منع کیا گیا تھا۔ یہ نہی وممانعت تنزیہ اور ارشاد کے لیے تھی۔ اور نوح علیہ السلام اس سے پاک ہیں کہ آپ اللہ کے دشمنوں کے علاوہ کسی پر بددعا کریں۔

جواب: یہ حدیث حضرت انس بن مالک، ابوسعید، ابوبکر اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے، اور ائمہ اہل بیت کی اسناد سے جعفر بن محمد سے روایت ہے کہ:

''جب قیامت کا دن ہوگا، اللہ تعالیٰ تمام خلائق کو ایک جگہ پر جمع فرمائیں گے...... وہ وہاں پر کھڑے رہیں گے حتیٰ کہ وہ پسینہ میں ڈوب جائیں گے پھر وہ کہیں گے: کاش کے اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دیتے۔ بھلے جہنم میں ہی ڈال دے۔......

پھر وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے: '' آپ ہمارے باپ اور نبی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے عرض کریں کہ وہ ہمارا فیصلہ کرے، بھلے جہنم کی آگ میں ہی ڈال دے۔''

حضرت آدم علیہ السلام کہیں گے: میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ اور مجھے اپنے عرش پر بٹھایا، اور اپنے فرشتوں سے مجھے سجدہ کروایا۔ پھر مجھے حکم دیا، اور میں نے اس کی نافرمانی کی......۔''[1]

## حدیث: حضرت ایوب علیہ السلام پر سونے کی ٹڈیاں گرنا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ایک دن حضرت ایوب علیہ السلام برہنہ نہا رہے تھے، ان پر سونے کی ٹڈیاں برسنے لگیں، تو حضرت ایوب علیہ السلام ان کو اپنے کپڑے میں سمیٹنے لگے۔ انہیں ان کے پروردگار نے آواز دی کہ: اے ایوب! کیا میں نے تمہیں اس سونے کی ٹڈی سے جو تم دیکھ رہے ہو، بے نیاز نہیں کر دیا؟

انہوں نے کہا:'' ہاں! آپ کی بزرگی کی قسم! آپ نے مجھے بے نیاز کر دیا ہے لیکن مجھے تیری برکت سے بے نیازی نہیں ہو سکتی۔''[2]

کہتے ہیں: اس حدیث کی طرف وہی مائل ہو سکتا ہے جس کی بصیرت اندھی ہو چکی ہو، اور اس کی حس میں اندھیر ہو۔ اس لیے کہ سونے سے ٹڈی کا پیدا کرنا اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی جو کہ خرق عادت تھی۔ اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اس کی سنت یہ ہے کہ ایسی چیزیں صرف ضرورت کے وقت پیدا ہوتی ہیں۔ جیسا کہ اگر ثبوت نبوت ایسے معجزہ پر موقوف ہو تو اس وقت نبوت کی برہان اور رسالت کی دلیل کے طور پر ایسا سامنے آتا ہے۔

[1] بحار الأنوار: (٨/ ٣٥) تفسیر العیاشی: (٢/ ٢١٠)

[2] البخاري: (٢٧٩)

جواب: یہ روایت ائمہ اہل بیت سے بھی مروی ہے۔ ابو عبداللہ علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنے گھر میں سونے کی ٹڈیوں کی بارش کی۔ آپ انہیں جمع کرتے۔ جب ہوان میں سے کسی ایک کو اڑا لے جاتی تو آپ اس کے پیچھے جاتے اور اس کو واپس لاتے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ سے کہا: اے ایوب! آپ سیراب نہیں ہوتے؟

تو آپ نے فرمایا: ''اپنے رب کے رزق سے کون سیراب ہوتا ہے۔'' ❶

**ہشام بن سالم نے ابو عبداللہ سے روایت کیا ہے۔ فرمایا:**

اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام پر آسمان سے سونے کی ٹڈیوں کی بارش کی پس حضرت ایوب علیہ السلام گھر سے باہر کی ٹڈیوں کو گھر میں جمع کرنے لگے۔

حضرت جبرائیل نے کہا: اے ایوب علیہ السلام! آپ سیراب نہیں ہوتے؟۔

تو آپ نے فرمایا: اپنے تب کے فضل سے کون سیراب ہوتا ہے۔'' ❷

**اور حضرت صادق علیہ السلام سے ظہور الحجۃ کی علامتوں میں ہے؛ فرماتے ہیں:**

''پھر مہدی کوفہ کی طرف واپس آئیں گے، اور آسمان سے سونے کی ٹدیاں برسیں گی، جیسا کہ نبی اسرائیل کے نبی حضرت ایوب علیہ السلام پر برسی تھیں۔'' ❸

**شبہ: حدیث حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چیونٹیوں کی بستی کو جلانا:**

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمار ہے تھے:

''ایک چیونٹی نے ایک نبی - ترمذی کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام - کو کاٹ لیا تھا۔ تو ان کے حکم سے چیونٹیوں کی ساری بستی جلا دی گئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ اگر تمہیں ایک چیونٹی نے کاٹ لیا تھا تو تم نے ایک ایسی خلقت کو جلا کر خاک کر دیا جو اللہ کی تسبیح بیان کرتی تھی۔'' ❹

کہتے ہیں: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تو انبیاء علیہم السلام کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا ہے۔ اور ہر ایسی گندی مصیبت ان کی طرف منسوب کرتا ہے جس سے نظریں کتراتی ہوں۔ اور کان بہرے ہو جاتے ہوں۔ بلاشک وشبہ انبیاء اللہ بہت بڑے صابر اور کشادہ دل اور سینے والے ہوتے تھے۔ اور جو کچھ یہ خرافاتیں ان نے متعلق بیان کرتے ہیں، اس سے ارفع اور اعلیٰ قدر والے ہوتے ہیں۔

جواب: لآلی الأخبار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے:

---

❶ بحار الأنوار: (۱۲/ ۳٤٤)
❷ المصدار السابق: (۱۲/ ۳۵۲)
❸ الزام الناصب: (۲/ ۲۵۲)
❹ البخاري: (۳۰۱۹) مسلم: (۲۲٤۱)

''انبیاء میں سے ایک نبی نے درخت کے نیچے پڑاؤ ڈالا۔ آپ کو ایک چیونٹی نے کاٹ دیا۔ آپ نے حکم دیا، آپ کا سامان وہاں سے اٹھا لیا گیا۔ پھر حکم دیا تو ان تمام کو آگ سے جلا دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف وحی کی: تم نے ایک ہی چیونٹی کو قتل کرنے پر اکتفا کیوں نہ کیا۔'' ❶

اور جعفر بن محمد سے روایت ہے، کہتے ہیں: اور سوال کیا گیا ہے کہ ''سانپ اور چیونٹیاں جب گھروں میں تکلیف دیں تو انہیں مارنا جائز ہے؟ فرمایا: جب وہ تکلیف دیں تو انہیں مارنے اور آگ سے جلانے میں کوئی حرج نہیں۔'' ❷

اور جب آگ سے جلانا کسی بھی جانور کو، جائز نہ ہوتا، جیسا کہ مشہور حدیث ہے، تو نبی کریم ﷺ ان لوگوں کو جلانے کا ارادہ نہ فرماتے جو گھروں میں نماز پڑھتے ہیں۔ یہ تو ائمہ اہل بیت کی روایات کے مطابق ہے۔ ابو عبداللہ علیہ السلام فرماتے ہیں: بے شک رسول اللہ کے عہد مبارک میں کچھ لوگ نماز سے پیچھے رہ جاتے تھے۔ (مسجد میں باجماعت نماز سے سستی کرتے تھے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''قریب ہے کہ لوگوں کو نماز کے لیے مسجد میں بلایا جائے اور پھر ہم لکڑیوں کا حکم دیں وہ لوگوں کے دروازوں پر رکھ کر ان کے گھروں کو آگ لگا دی جائے۔'' ❸

اور آپ سے یہ بھی روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کے گھروں کو جلانے کا ارادہ کیا تھا جو گھروں میں نماز پڑھتے ہیں، جماعت کے ساتھ نہیں پڑھتے۔'' ❹

ایسے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سبائیوں کے ایک گروہ کو جلا دیا تھا۔ ❺

آپ کا مشہور شعر ہے:

لما رأيت الأمر أمراً منكراً      أوقدت ناري ودعوت قنبراً

## نومولود اور غیب کی خبریں:

☆۔ شبہ: حدیث: نومولود اور غیب کی خبریں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''بنی اسرائیل میں ایک آدمی اپنے عبادت خانے میں تھا؛ اس کا نام جریج تھا؛ اس کی ماں نے اسے پکارا: اے جریج! اس نے کہا: ''اے میرے اللہ میری ماں اور میری نماز۔

اس کی ماں نے پکارا: اے جریج۔ اس نے کہا: اے میرے اللہ میری ماں اور میری نماز۔

اس کی ماں نے کہا: ''اے اللہ جریج کو موت نہ آئے جب تک کہ کسی زانیہ عورت کا منہ نہ دیکھ لے۔''

---

❶ لئالي الأخبار: (٥/ ٣٢٦) ❷ المصدر السابق: (٦٤/ ٢٧١)
❸ تهذيب الأحكام: (٣/ ٢٥) الأنوار النعمانية: (١/ ٣٥٨)
❹ التهذيب: (٣/ ٢٦٦) ❺ بحار الأنوار: (١٩/ ٣٥٢)

جریج اپنے عبادت خانے میں رہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے سامنے ایک فاحشہ عورت آئی اور ان سے بدکاری چاہی۔ لیکن انہوں نے اس کی خواہش پوری کرنے سے انکار کیا۔

پھر ایک چرواہے کے پاس آئی اور اسے اپنے اوپر قابو دے دیا؛ اس سے ایک بچہ پیدا ہوا۔ اور اس نے ان پر یہ تہمت دھری کہ یہ جریج کا بچہ ہے۔ ان کی قوم کے لوگ آئے اور ان کا عبادت خانہ توڑ دیا، انہیں نیچے اتار کر لائے اور انہیں گالیاں دیں۔ پھر انہوں نے وضو کر کے نماز پڑھی، اس کے بعد بچے کے پاس آئے اور اس سے پوچھا کہ تیرا باپ کون ہے؟

بچہ اللہ کے حکم سے بول پڑا کہ: فلاں چرواہا ہے......۔'' ❶

کہتے ہیں: جریج انبیاء میں سے نہیں تھا، اور ایسے ہی یہ بچہ بھی۔ پس یہ ممکن نہیں ہے کہ ان سے خوارق عادت امور ظاہر ہوں۔ بلا شک خوارق عادت امور انبیاء کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اور ایسے مقام پر ظاہر ہوتے ہیں تا کہ بشریت اس معجزہ کے سامنے عاجز آ جائے۔ اور یہ معجزہ اثبات نبوت کی دلیل ہو۔ جیسا کہ یہ قاعدہ اپنے مقام پر طے شدہ ہے۔ ان دو بچوں کا کلام کرنا اور غیب کی خبریں دینا، اس کو انسانی فطرت تسلیم نہیں کرتی۔

جواب: یہ حدیث ائمہ اہل بیت سے بھی روایت کی گئی ہے، راوندی نے اپنی کتاب "القصص" میں اپنی اسناد سے ابو جعفر علیہ السلام سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا جسے جریج کہا جاتا تھا وہ اپنے گرجا میں عبادت کرتا رہتا تھا۔ وہ نماز پڑھتا تھا کہ اس کی ماں آ گئی، اس نے جریج کو آواز دی، مگر اس نے جواب نہ دیا۔ تو وہ واپس چلی گئی۔

پھر وہ دوسری بار آئی اور آواز دی، مگر اس نے بات نہ کی۔ تو وہ پھر واپس چلی گئی، اور وہ یہ کہتے ہوئے جا رہی تھی: میں بنی اسرائیل کے رب سے التجاء کرتی ہوں کہ وہ تجھے ذلیل کر دے۔''

اگلے دن ایک بدکردار عورت آئی، اور اس کے گرجاء کے پاس بیٹھ گئی، اس نے بچے کو جنم دیا۔ اس نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ بچہ جریج کا ہے۔ یہ خبر بنی اسرائیل میں پھیل گئی کہ جو انسان لوگوں کو زنا پر ملامت کرتا تھا، اس نے خود زنا کیا ہے، بادشاہ نے اس کو پھانسی لگانے کا حکم دیدیا۔ اس کی ماں اپنا چہرہ پیٹتی ہوئی آئی۔

اس نے ماں سے کہا: ٹھہر جاؤ! یہ تمہاری ہی بددعا کا اثر ہے۔

''جب یہ بات لوگوں نے سنی تو کہنے لگے: ہم تیری اس بات کی تصدیق کیسے کریں گے؟

تو کہنے لگا: بچے کو لے کر آؤ۔ بچے کو لایا گیا اس نے بچہ اٹھایا: اور اس سے پوچھا:

تیرا باپ کون ہے؟ تو اس نے کہا: بنی فلاں کا فلاں چرواہا۔'' ❷

❶ صحیح البخاری کتاب احادیث الأنبیاء

❷ قصص الأنبیاء: (٥١٧)

## گنہگار کافر کی مغفرت:

☆۔ حدیث: گنہگار کافر کی مغفرت:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ایک آدمی نے ایک نیکی بھی نہ کی تھی جب وہ مرنے لگا تو اس نے اپنے گھر والوں سے کہا مجھے جلا کر میرا آدھا حصہ سمندر میں جبکہ آدھا حصہ فضا میں اڑا دینا۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ اسے عذاب دے گا تو ایسا سخت عذاب دے گا کہ جہان والوں میں سے کسی کو بھی ایسا عذاب نہ ہوا ہو گا۔''

پس جب وہ آدمی مر گیا تو اس کے گھر والوں نے وہی کیا جو انہیں حکم دیا گیا تھا۔ پس اللہ نے فضا کو حکم دیا تو اس نے اس کے ذرات کو جمع کر دیا اور سمندر کو حکم دیا تو اس نے بھی اپنے اندر موجود سب کو جمع کر دیا پھر فرمایا تو نے ایسا کیوں کیا اس نے کہا اے میرے رب تیرے خوف وڈر کی وجہ سے تو بہتر جانتا ہے پس اللہ نے اسے معاف فرما دیا۔''[1]

جواب: امامیہ کی اسناد سے بھی یہ حدیث مروی ہے زین العابدین کہتے ہیں:

''بنی اسرائیل میں ایک آدمی نے اپنی اولاد کو وصیت کی، اور کہا: جب میں مر جاؤں تو مجھے آگ سے جلا دینا۔ پر جب میں راکھ بن جاؤں تو مجھے پس کہ بارک کر لینا پر میرا آدھا حصہ آندھیوں کی نذر کر دینا، آدھا صحراء میں بکھیر دینا، اور آدھا سمندر میں ڈال دینا جب وہ مر گیا تو اس کے ساتھ اس کی اولاد نے ایسے ہی کیا جیسے اس نے وصیت کی تھی۔ جب اسے بکھیر دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے خشکی سے کہا کہ اس کے اجزاء جمع کرو۔ سمندر سے کہا: جو تمہارے اندر ہیں اس کے اجزاء جمع کرو۔ پس اس آدمی کو اللہ تعالیٰ کے سامنے لا کھڑا کیا گیا اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا: کس چیز نے تجھے اس بات پر برانگیختہ کیا کہ تم اپنی اولاد کو یہ نصیحت کرو، کہ وہ تمہارے ساتھ یہ سلوک کریں۔ اس نے کہا: اے میرے رب! تیری عزت کی قسم! تیرے خوف نے مجھے اس بات پر برانگیختہ کیا تھا۔ تو اللہ جل جلالہ نے اس سے کہا: تیرے مخالفین کو میں راضی کر لوں گا۔ اور میں نے تیرے خوف کو امن سے بدل دیا، اور تیرے گناہ معاف کر دیے۔''[2]

## حدیث: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنابت کا واقعہ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے؛ انھوں نے فرمایا کہ:

''نماز کے لیے اقامت کہی جا چکی تھی اور لوگوں نے صفیں سیدھی کر لی تھیں۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آگے بڑھے۔ لیکن حالت جنابت میں تھے (مگر پہلے خیال نہ رہا)۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ:

''تم لوگ اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو۔''

---

[1] صحیح مسلم: (٢٧٥٦)

[2] الأنوار النعمانية از نعمة الله: (٤/ ٢٧٦)

پھر آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو آپ غسل کیے ہوئے تھے اور سر مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔'' ❶

کہتے ہیں: اس آدمی کی بیہودہ گوئی میں اس کا یہ قول بھی ہے کہ نماز کے لیے اقامت ہوگئی، اور صفیں سیدھی ہوگئیں، تو رسول اللہ ﷺ ہمیں نماز پڑھانے کے لیے باہر تشریف لائے جب اپنے مصلّٰی پر کھڑے ہوگئے تو یاد آیا کہ وہ حالت جنابت میں ہیں۔

ہم اللہ کی بارگاہ میں اس الزام سے برأت کا اظہار کرتے ہیں، اور ان لوگوں سے بھی، جو اس رسول کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہیں جو ہر وقت پاک رہتے تھے (باوضو رہتے تھے)۔ اور آپ کے نزدیک وضوء پر وضو کرنا نوراً علی النور تھا۔ تمام انبیاء اس مضمون سے پاک ہیں۔ اس سے کم تر اور اس سے ادنی چیز سے بھی معصوم ہیں جو کہ صدیقین اور صالح مؤمنین کے ساتھ شایان شان نہیں۔

جواب: ابو عبداللہ علیہ السلام کہتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز ظہر پڑھائی، اور آپ بلا طہارت کے تھے۔ پھر آپ گھر میں داخل ہوگئے، اور ایک منادی کرنے والا نکلا اور اس نے منادی کی؛! امیر المؤمنین نے بغیر وضوء کے لوگوں کو نماز پڑہائی ہے، اپنی نمازیں دوبارہ پڑھو، اور حاضرین غائبین تک یہ پیغام پہنچادیں۔'' ❷

## حدیث: عمل کی وجہ سے جنت میں داخلہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے کوئی بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ بھی؟ تو آپ نے فرمایا:

''اور میں بھی نہیں؛ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں سمیٹ لیں۔'' ❸

کہتے ہیں: بہت ساری آیات کے مخالف ہونے کی وجہ سے اس حدیث کو دیوار پر ماردیا جائے۔ آپ کے لیے یہ آیت کافی ہے:

﴿إِنَّ هَٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَكَانَ سَعْيُكُم مَّشْكُورًا﴾[الانسان ۲۲]

''یہ ہے تمہارا انعام اور تم نے دنیا میں جو محنت کی تھی اس کی پوری قدردانی کی گئی ہے۔''

جواب: مجلسی نے اس آیت کی تفسیر ان الفاظ میں کی ہے!

''اور یہ احتمال ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہو کہ: کسی ایک سے عذاب صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے ہی ٹل سکتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے:

❶ البخاري: (۲۷۵) ❷ الا ستبصار: (۱/ ۴۳۳)

❸ البخاري: (۴۶۷۳) مسلم: (۲۸۱٦)

''تم میں سے کوئی بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ بھی؟ تو آپ نے فرمایا:

''اور میں بھی نہیں؛ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں سمیٹ لیں۔'' ❶

## حدیث: نبی کریم ﷺ اور گلہ بانی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا، جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔'' ❷

کہتے ہیں: یہ انتہائی بعید از قیاس اور گری ہوئی بات ہے۔

جواب: ابوجعفر کہتے ہیں: رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔'' ❸

## حدیث: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ختنہ ۸۰ سال کی عمر میں:

اور اس حدیث پر اعتراض کرتے ہیں کہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ۸۰ سا کی عمر میں ختنہ کروایا۔'' ❹

جواب: یہ حدیث ائمہ اہل بیت نے بھی روایت کی ہے، حضرت کاظم سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے پہلے فی سبیل اللہ جہاد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت کیا جب اہل روم نے حضرت لوط علیہ السلام کو قیدی بنالیا تھا، حضرت ابراہیم نے جہاد کے لیے کوچ کیا، اور حضرت لوط کو چھڑا لائے۔ اور سب سے پہلے حضرت ابراہیم نے اس وقت ختنہ کیا جب آپ کی عمر مبارک اسی سال ہوگئی تھی۔'' ❺

## حدیث: حضرت آدم علیہ السلام کی عمر:

اور جس حدیث کا انکار کیا ہے، وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ:

''آدم علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ اس کی عمر کتنی طے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ساٹھ سال۔

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ اس کی عمر میں مجھ سے چالیس سال زیادہ کر دیجیے۔''

پھر جب آدم علیہ السلام کی عمر پوری ہوگئی تو موت کا فرشتہ حاضر ہوا۔ آدم علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ: ''کیا میری عمر کے چالیس سال باقی نہیں ہیں؟''

فرشتے نے کہا کہ: ''وہ تو آپ اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو دے چکے ہیں۔''

---

❶ تفسیر الصافی: (۲/ ۱۱۱) نورالثقلین: (۱/ ۷۰۶) مجمع البیان: (۳/ ۲۳) بحار الأنوار: (۷/ ۱۱)

❷ البخاری: (۲۲۶۲) ❸ المحجة البیضاء: (۴/ ۱۲۸) الثلالی: (۵/ ۲۴)

❹ البخاری: (۳۳۵۶) مسلم: (۲۳۷۰)

❺ قصص الأنبیاء: نعمت الله الجزاهري: (۱۱۳)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''پھر آدم علیہ السلام نے انکار کر دیا لہذا ان کی اولاد بھی انکار کرنے لگی۔''❶

جواب: یہ حدیث ائمہ اہل بیت نے بھی روایت کی ہے، ابو جعفر سے روایت ہے، حضرت آدم علیہ السلام کا گزر حضرت داؤد علیہ السلام کے نام پر ہوا۔ دیکھا کہ ان کی عمر چالیس سال تھی۔ تو آپ نے کہا: اے میرے رب، داؤد کی عمر کتنی کم ہے، اور میری عمر کتنی زیادہ ہے، اے میرے رب! میں اپنی عمر سے داؤد کی عمر میں تیس سال زیادہ کرتا ہوں، اے اللہ اس فیصلہ کو نافذ فرما دے۔ اور اس عمر کو اپنے پاس ان کے حساب میں ثبت کر دے اور میری عمر سے کم کر دے۔''

کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے یہ تیس سال حضرت داؤد کی عمر میں لکھ کر ثبت کر دیے جو کہ پہلے سے ثبت نہیں تھے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کی عمر سے تیس سال کم کر دیے جو کہ آپ کے لیے اللہ کے ہاں ثبت تھے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کی موت کا وقت قریب آیا، اور ملک الموت آپ کی روح قبض کرنے کے لیے آیا، تو حضرت آدم نے اس سے کہا: اے ملک الموت: میرے عمر میں سے تیس سال باقی ہیں۔ ملک الموت نے آپ سے کہا: کیا آپ نے وہ سال اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو نہیں دیے؟۔

حضرت آدم نے کہا: اے ملک الموت مجھے یاد نہیں آ رہا۔

ملک الموت نے آپ سے کہا: اے آدم! لاعلمی کا اظہار نہ کریں۔ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ نہیں کیا تھا کہ اتنی عمر حضرت داؤد علیہ السلام کے حساب میں ثبت کر دی جائے۔ اور آپ کے حساب سے کاٹ دی جائے تو اللہ تعالیٰ وہ عمر تختیوں پر داؤد کے حساب میں ثبت کر دی اور آپ کے حساب سے مٹا دی گئی۔''❷

## مجلسی نے کہا ہے:

''اس قسم کی روایات پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے قصص میں گزر چکی ہیں، ان میں سے بعض میں ہے کہ آپ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنی عمر کے ساتھ سال دیے کر ان کی عمر ساٹھ سال پوری کی تھی۔ یہ تمام روایات میں سے زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔❸

## حدیث: احتجاج آدم و موسیٰ علیہما السلام:

اس کی مثال وہ حدیث ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مابین احتجاج کا واقعہ نقل ہے، کہتے ہیں کہ: ''اس کیفیت کے اعتبار سے دلیل نکلتی ہے کہ وہ دونوں قدری تھے۔ اس روایت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حجت قائم کر کے غالب آ گئے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ ایسی باتیں مناسب نہیں ہیں ان سے ان کی تنزیہ واجب ہے۔

❶ ترمذی: (۳۳۶۸)
❷ تفسیر البرھان: (۲/ ۳۰۱)
❸ البحار: (۱۴/ ۱۰)

جواب: یہ پوری حدیث امام بخاری نے حمید بن عبدالرحمٰن کی سند سے نقل کی ہے حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''حضرت موسیٰ اور حضرت آدم علیہما السلام نے آپس میں بحث کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ:

''آپ آدم ہیں جنہیں ان کی لغزش نے جنت سے نکالا۔''

حضرت آدم علیہ السلام بولے اور آپ موسیٰ ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام سے نوازا پھر بھی آپ مجھے ایک ایسے معاملے پر ملامت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے بھی پہلے مقدر کر دیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔

آنحضرت ﷺ نے یہ جملہ دو مرتبہ فرمایا۔''[1]

**یہ حدیث ائمہ اہل بیت نے بھی روایت کی ہے، حضرت ابو عبداللہ سے روایت ہے، فرمایا:**

''حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ: اللہ تعالیٰ انہیں حضرت آدم کے ساتھ جمع کر دے (ملا دے)۔

پس ان کو ملا دیا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا:

''اے ابا جی! کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا تھا، اور آپ میں اپنی روح پھونکی تھی۔ اور ملائکہ سے آپ کو سجدہ کروایا تھا۔ اور آپ کو حکم دیا تھا کہ اس درخت سے نہ کھائیں؟ تو آپ نے اللہ کی نافرمانی کیوں کی؟''

آپ نے فرمایا: اے موسیٰ! تم تورات میں کیا لکھا پڑھتے ہو، میری غلطی مجھ سے کتنے برس قبل لکھی گئی تھی۔

فرمایا: ''تیس سال۔'' حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: ''یہی تو وہ چیز تھی۔''

حضرت امام صادق فرماتے ہیں! حضرت آدم نے موسیٰ علیہ السلام پر محبت قائم کر دی۔''[2]

**مجلسی نے اس حدیث کا معنیٰ ان الفاظ میں بیان کیا ہے:**

''خطا کا تخلیق سے پہلے پایا جانا، یا تو عالم ارواح کا واقعہ ہے۔ پھر یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روح نے لوح محفوظ پر دیکھ لیا ہو۔ یا یہ لکھا ہوا تورات میں پایا گیا ہو کہ حضرت آدم علیہ السلام کی خطا ان کی تخلیق سے تیس سال قبل ان کے مقدر میں لکھی جا چکی تھی۔ اور آنے والی روایت اس دوسرے نکتہ پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ کہنا کہ: حجت قائم کر دی۔ اس مراد یہ ہے کہ حجت میں غالب آ گئے۔ اور یہ ضمیر قضاء وقدر کی طرف لوٹتی ہے۔''[3]

**اور عبدالصاحب نے کہا ہے:**

''اور جو بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب سے سمجھ میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ خطاء کا واقعہ ہونا حضرت آدم کی تخلیق

---

[1] البخاری: (٣٤٠٩) مسلم: (٢٦٥٢)
[2] التفسیر القمی: (١/ ١٤٤)
[3] بحار الأنوار: (١١/ ١٦٣)

سے قبل عالم ارواح میں حضرت آدم کے مقدر میں لکھا جاچکا تھا۔"

میں کہتا ہوں: ارواح کو عالم وجود سے دو ہزار سال قبل تخلیق کیا گیا تھا۔ یہ ایک معرکہ آراء مسئلہ ہے جس میں ناسمجھی کی وجہ سے بہت سارے لوگ ہلاک ہوگئے ہیں۔ کیونکہ وہ اس کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکے تھے۔ یہ مسئلہ مخلوق کے وجود سے پہلے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ اور تقدیر کا مسئلہ ہے۔

## حضرت علاء الحضرمی رضی اللہ عنہ کا لشکر کے ساتھ سمندر پر چلنا۔

کہتے ہیں: اس میں کتنی ہی کثرت کے ساتھ روایات نوامیس طبعی کے خلاف ہیں۔ آپ کیلئے وہی کافی ہے جو کچھ وہ علاء ابن الحضرمی کے متعلق کہتا ہے، جب اسے چار ہزار کے لشکر کے ساتھ بحرین کی طرف بھیجا۔ یہ لوگ چل پڑے۔ یہ لوگ راستہ میں ایک خلیجی سمندر پر پہنچے، جس میں نہ اس سے پہلے کوئی اترا تھا اور نہ اس کے بعد کوئی اترا ہے۔

ابو ہریرہ کہتے ہیں: حضرت علاء الحضرمی نے اپنے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور سمندر کے پانی پر چلنے لگے۔ آپ کا لشکر بھی آپ کے پیچھے چل پڑا؛ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! نہ ہم میں سے کسی کے پاؤں گیلے ہوئے اور نہ ہی گھوڑوں کے سم۔

جواب: صدوق نے روایت کیا ہے، حضرت امیر المؤمنین کا گزر راستہ پر ہوا۔ ایک خیبری بھی آپ کے ساتھ چل پڑا۔ آپ کا گزر ایک بہتی ہوئی وادی سے ہوا۔ خیبری اپنی سواری پر بیٹھ کر پانی عبور کر گیا۔ پھر اس نے امیر المؤمنین کو آواز دے کر کہا:

"اے انسان اگر تمہیں بھی اس چیز کا پتہ ہوتا جس کا مجھ پتہ ہے، تو تم بھی ایسے ہی عبور کر لیتے جیسے میں نے عبور کیا ہے۔"

## امیر المؤمنین نے اس سے کہا:

"اپنی جگہ پر رکے رہو۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا تو وہ پانی جامد ہوگیا۔ آپ اس پر سے گزرے۔ جب خیبری نے یہ دیکھا تو آپ کے قدموں پر گر پڑا اور کہا: اے نوجوان! تم نے کیا کلمات کہے ہیں حتیٰ کہ پانی پتھر ہو گیا۔ حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے کہا: "تم نے کیا کلمات کہے تھے جب پانی عبور کیا۔ خیبری نے کہا: میں نے اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم سے دعا کی تھی۔" [1]

## اور بحرانی نے آپ کے معجزات میں باب باندھا ہے:

**باب**:...... ((أنّه أعطيَ مَا أُعطِيَ النبيون مِن أحياء الموتى وابراء الأكمة والأبرص والمشي على الماء.)) [2]

---

[1] مدينه المعاجز: (۱/ ۴۳۰) مجمع النورين: (۱۸۰) مشارق الأنوار: (۲۷۱)

[2] مدينة المعاجز للبحراني: (۳/ ۵۱۳)

## ایک موزے میں چلنے کی ممانعت:

ان قابل اعتراض احادیث میں سے وہ حدیث بھی ہے جس میں ایک موزے میں چلنے سے منع کیا گیا ہے۔

جواب: أئمہ اہل بیت نے بھی روایت نقل کی ہے۔ امام صادق، جعفر بن محمد اپنے والد سے وہ اپنے آباء سے وہ امیر المؤمنین سے روایت کرتے ہیں، فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ:

''کوئی انسان ایک ہی جوتے میں چلے یا کھڑا ہو کر جوتا پہنے۔'' ❶

اور ابوبصیر نے امام باقر علیہ السلام سے روایت کیا ہے، فرمایا:

''ایک جوتے میں نہ چلا کرو۔ بیشک شیطان ایک جوتے میں چلتا ہے، اور انسان بعض احوال میں بہت تیز ہوتا ہے۔'' ❷

## حدیث: اِنما الطیرۃ في المرأۃ والدابّۃ.

جن احادیث پر ان لوگوں نے اعتراض کیا ہے ان میں سے ایک روایت یہ بھی ہے:

''اِنما الطیرۃ في المرأۃ والدابّۃ''.

جواب: خالد بن نجیع نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے روایت کیا ہے، کہا:

''ایک دن آپ کے پاس نحوست کا تذکرہ ہوا، تو آپ نے فرمایا:

''نحوست تین چیزوں میں ہوتی ہے، عورت، جانور اور گھر۔ عورت کی نحوست یہ ہوتی ہے کہ اس کا مہر بہت زیادہ ہو، اور وہ شوہر کی نافرمان ہو۔ اور چوپائے کی نحوست یہ ہے، اس کی عادات بری ہوں۔ اور وہ سوار نہ ہونے دے۔ اور گھر کی نحوست یہ ہے کہ اس کا صحن تنگ ہو، پڑوسی برے ہوں، اور عیوب کثرت کے ساتھ ہوں۔'' ❸

## حدیث: بیدار ہونے پر ہاتھ دھونے کا حکم......

جب کوئی نیند سے بیدار ہو تو ہاتھ دھولے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی ایک نیند سے بیدار ہو تو اسے چاہیے کہ برتن میں ہاتھ ڈالنے سے قبل اپنے ہاتھ دھولے؛ اس کے لیے کہ تم میں سے کوئی ایک نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری ہے۔'' ❹

جواب: یہ حدیث بھی أئمہ اہل بیت نے روایت کی ہے، عبدالکریم بن عتبہ کہتا ہے:

---

❶ البحار: (۷٦/ ۳۳۸)

❷ الکافی: (٥/ ٥٦٨) بحار الأنوار: (۷۳/ ۱٤۹)

❸ الکافی: (٥/ ٥٦٨) بحار الأنوار: (۷۳/ ۱٤۹)

❹ البخاري: (۱٦۲) مسلم: (۲۷۸)

''میں نے آپ سے اپنے آدمی کے بارے میں سوال کیا، جو نیند سے بیدار ہوتا ہے، اور وہ قضائے حاجت نہیں کرتا، کیا وہ ہاتھ دھونے سے قبل برتن میں داخل کر سکتا ہے، فرمایا: نہیں اس کو پتہ نہیں کیا اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری ہے، پس اسے ہاتھ دھو لینے چاہیں۔'' ❶

## کتا پالنے پر اجر میں کمی:

حدیث: کتا رکھنے والے کا اجر روزانہ ایک قیراط کم ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے شکار؛ زراعت یا کھیتی کی حفاظت کے علاوہ کسی اور مقصد کے لیے کتا پالا تو اس کے اجر میں ہر روز ایک قیراط کی کمی آتی ہے۔'' ❷

الجواب: ابو عبداللہ نے فرمایا:

''جب بھی کوئی کتا رکھتا ہے تو کتے والے کے اعمال میں روزانہ ایک قیراط کی آتی ہے۔'' ❸

اور جو کوئی چوکیداری اور زرعی ضرورت کے بغیر کتا رکھتا ہے۔ اس کے عمل میں روزانہ دو قیراط کمی ہوتی ہے۔ ❹

## جنازہ کے پیچھے چلنے کا اُجر ایک قیراط:

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے سنا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کر رہے تھے جو کوئی جنازہ کے ساتھ چلتا ہے اس کے لیے ایک قیراط اُجر ہے۔ آپ نے کہا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہم سے زیادہ احادیث بیان کرتا ہے، آپ نے اس کی تصدیق نہیں کی۔ حتیٰ کہ ایک آدمی بھیج کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کی تصدیق چاہی۔ اس نے بھی یہ روایت بیان کی تو تب یقین ہوا کہ یہ حدیث ثابت ہے۔

جواب: [یہ روایت تو خود شیعہ کے ہاں بھی موجود ہے] ابو بصیر کہتا ہے میں نے ابو جعفر سے سنا اس نے کہا ہے جو جنازہ کے ساتھ چلا حتیٰ کہ نماز جنازہ پڑھی اور پھر واپس آ گیا، اس کے لیے ایک قیراط اُجر ہے اور جو دفن کرنے تک اس کے ساتھ رہا۔ اس کے لیے دو قیراط اُجر ہے۔ اور ایک قیراط احد پہاڑ کے برابر ہے۔'' ❺

## اصبغ بن نباتہ نے کہا ہے: امیر المؤمنین نے فرمایا ہے:

جو جنازہ کے ساتھ چلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے چار قیراط اُجر لکھ دیتے ہیں۔ ایک قیراط ساتھ چلنے کا۔ ایک قیراط نماز جنازہ پڑھنے کا۔ ایک قیراط دفن کرنے کا، ایک قیراط اہل خانہ سے تعزیت کا۔'' ❻

---

❶ بحار الأنوار: (۸۰/ ۳۳۳)
❷ مسلم: (۱۵۷۵)
❸ الكافي: (٦/ ٥٥٢)
❹ عوالي اللآلي: (۱/ ۱٤۳)
❺ فروع الكافي: (۳/ ۱۷۳)
❻ فروع الكافي: (۳/ ۱۷۳)

## حدیث: ملاقات ربانی:

جوکوئی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کو پسند کرتے ہیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص اللہ سے ملنے کو پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنے کو پسند کرتا ہے اور جو شخص اللہ سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے۔'' ❶

جواب: یہ حدیث الکافی میں ابوعبداللہ کی روایت سے موجود ہے۔ راوی کہتا ہے میں نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کا بھلا کرے، جوکوئی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو پسند کرتے ہیں۔ کیا جوکوئی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ ملاقات کو ناپسند کرتے ہیں؟

''آپ نے فرمایا: ہاں۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم ہم موت کو ناپسند کرتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: ایسے نہیں ہے جیسے تم سمجھے ہو، بیشک ایسا موت کے معاینہ کے وقت ہوتا ہے جب انسان اپنی پسندیدہ چیز کو دیکھتا ہے، تو اسے کوئی چیز اس سے اچھی نہیں لگتی کہ اسے وہ اپنے آگے اللہ کے پاس بھیج دے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتے ہیں اور وہ اس وقت اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے، اور جب کوئی ایسی چیز دیکھتا ہے جو اسے ناپسند ہو، تو وہ اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ ❷

ایسے ہی امام سجاد سے روایت ہے، ان الفاظ میں حدیث وارد ہوئی ہے کہ: جوکوئی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کو پسند کرتے ہیں، اور جوکوئی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کو ناپسند کرتے ہیں۔ یہ تمام روایات حالت موت کے بارے میں ہیں۔

## نمازوں میں تخفیف پچاس سے پانچ:

کہتے ہیں: بخاری رحمہ اللہ نے صحیح البخاری میں قصہ معراج النبی، اور رب تعالیٰ سے ملاقات کے متعلق عجیب وغریب قصہ روایت کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:...... کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

❶ البخاری: ٦٥٠٧۔ مسلم: ٢٦٨٣ اس سے اگلی روایت حضرت عبادہ بن صامت سے مروی ہے؛ اس میں اس جملہ کے بعد ہے کہ:...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا آپ کی کسی دوسری بیوی نے عرض کیا کہ ہم موت کو برا سمجھتے ہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بات یہ نہیں ہے؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس مومن کی وفات کا وقت قریب آتا ہے تو اس کو اللہ کی رضامندی اور بزرگی کی خوشخبری دی جاتی ہے چنانچہ جو چیز اس کے آگے ہوتی ہے اس سے بہتر کوئی چیز اسے معلوم نہیں ہوتی اور اللہ سے ملنے کو اور اللہ اس سے ملنے کو پسند کرتا ہے اور کافر کی موت کا جب وقت آتا ہے تو اللہ کے عذاب اور اس کی ناراضگی کی خبر سنائی جاتی ہے اس کے سامنے جو چیز ہوتی ہے اس سے زیادہ ناگوار کوئی چیز نہیں ہوتی، چنانچہ وہ اللہ سے ملنے کو اور اللہ اس سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے۔

❷ فروع الکافی: (٣/ ١٣٤)

'' پھر اللہ نے میرے اوپر پچاس وقت کی نمازیں فرض کی تو میں اس حکم کو لے کر واپس آیا؛ حتی کہ میرا گزر موسی علیہ السلام کے پاس سے ہوا۔ تو موسی علیہ السلام نے پوچھا کہ: اللہ نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟

میں نے کہا: پچاس نمازیں۔

موسی علیہ السلام نے کہا: آپ اپنے پروردگار سے دوبارہ کہیے؛ کیونکہ آپ کی امت میں اتنی طاقت نہیں ہے۔''

تو میں واپس گیا؛ اور اپنے پروردگار سے دوبارہ عرض کیا۔ تو اللہ تعالی نے اس کا ایک حصہ معاف فرمایا۔

پھر میں موسی کے پاس واپس آیا؛ تو انہوں نے اپنے پروردگار سے پھر کہیے۔

اور میں نے ویسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے پھر ایک حصہ معاف کر دیا۔

میں پھر موسی کے پاس واپس آیا اور میں نے انہیں بتایا؛ تو انہوں نے کہا: اپنے پروردگار سے پھر عرض کیجیے کیونکہ آپ ﷺ کی امت میں اس کی طاقت نہیں۔''

میں نے واپس آ کر پھر پروردگار سے کہا تو اس نے فرمایا کہ: '' یہ پانچ نمازیں باقی رکھی جاتی ہیں اور یہ ثواب میں پچاس نمازوں کے برابر ہیں میرے پاس بات نہیں بدلی جاتی۔''[1]

ہاں یہ قصہ پڑ ہیں اور اس پر تعجب کیجئے۔ ان عجیب و غریب عقائد کا اظہار اہل سنت والجماعت کے علماء کرتے ہیں اور اسکے ساتھ وہ شیعہ پر ائمہ اہل بیت کے پیروکاروں پر طعنہ زنی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بداء کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

جواب: ''الوسائل'' میں الحر العاملی نے باب باندھا ہے (باب ہر دن اور رات میں ایک ہزار رکعت پڑھنے کے بیان میں بلکہ ہر دن، اور ہر رات میں اگر ممکن ہو)۔'' اس باب میں أئمہ اہل بیت سے نو احادیث مروی ہیں۔[2]

اور باب ہر دن اور رات میں ایک ہزار رکعت کے استحباب کے بیان میں، بلکہ ہر دن میں اور ہر رات میں، ماہ رمضان اور دیگر میں لیلۃ القدر کے ساتھ۔''[3]

ابو جعفر سے روایت ہے، وہ کہتا ہے: اللہ کی قسم حضرت علی رضی اللہ عنہ غلاموں کی طرح کھانا کھاتے تھے...... آگے چل کر کہتا ہے......۔ اور آپ ہر دن اور رات میں ایک ہزار رکعت پڑھا کرتے تھے۔''[4]

اور آپ سے ہی روایت ہے کہتے ہیں: حضرت علی بن حسین علیہ السلام ہر دن اور رات میں ایک ہزار رکعت پڑھا کرتے تھے، جیسا کہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کیا کرتے تھے۔[5]

اور صدوق نے ابو بصیر سے روایت کیا ہے امام صادق نے فرمایا ہے: ہمارے شیعہ اہل ورع لوگ ہیں...... اہل زہد و عبادت ہیں۔ اور ہر دن اور رات میں اکیاون رکعات پڑھنے والے ہیں۔''

---

[1] صحیح البخاری: (۳۲۰۷)
[2] الوسائل: (۳/ ۷۱)
[3] المصدر السابق: (۵/ ۱۷۶)
[4] البحار: (۸۲/ ۳۱۰)
[5] المصدر السابق: (۴۱/ ۱۵)

حائری نے باب: النوافل الیومیۃ'' میں کہا ہے: جہاں تک یومیہ نوافل کا تعلق ہے، ان کی مجموعی تعداد فرائض کی مجموعی تعداد کا دوگنا ہے۔ یہ چونتیس رکعات ہیں۔''[1]

ابن بابویہ القمی نے یہ حدیث زین العابدین سے روایت کی ہے فرمایا: رسول اللہ ﷺ مسلسل اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے اور بات کرتے رہے، اس چیز بارے میں جس کا حکم رب نے دیدیا تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا، تو وہ آپ کی امت کے حق میں آپ کے سامنے شفاعت کر رہے تھے، اور آپ ﷺ کے لیے جائز نہیں تھا کہ اپنے بھائی کی سفارش کو رد کر دیں۔ آپ اپنے رب کے پاس واپس گئے، اور رب تعالیٰ سے تخفیف کا سوال کیا، حتیٰ کہ پانچ نمازیں رہ گئیں۔ فرماتے ہیں: میں نے کہا: ابا جی: آپ نے پھر جا کر اپنے رب سے تخفیف کا سوال کیوں کہ کیا، حالانکہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ اپنے رب سے دوبارہ تخفیف کا سوال کریں۔ تو آپ نے فرمایا: اے بیٹے آپ ﷺ یہ چاہتے تھے کہ تخفیف کے ساتھ ساتھ پچاس نمازوں کا اجر بھی باقی رہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰۤی اِلَّا مِثْلَهَا وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ۝﴾ (الانعام: ۱٦٠)

''جو شخص نیکی لے کر آئے گا تو اس کے لیے اس جیسی دس نیکیاں ہوں گی اور جو برائی لے کر آئے گا سوا سے جزا نہیں دی جائے گی، مگر اسی کی مثل اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

یہ اقرار امام صاحب کر رہے ہیں کہ یہ تخفیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے مؤمن بندوں پر اس کی رحمت اور مہربانی ہے۔

آیت اللہ العظمی میرزا الشیخ جواد تبریزی اس حدیث کے متعلق سوال کرنے والے سائل پر رد کرتے ہوئے کہتا ہے:

''سند کے اعتبار سے اس روایت میں کوئی حرج نہیں۔ صدوق نے یہ روایت ''الفقیہ'' میں روایت کی ہے، اس کے علاوہ اور بھی کچھ روایات نقل کی ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنی امت پر نماز کی تخفیف کے لیے اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے تخفیف فرمائی، حتیٰ کہ سترہ رکعات باقی رہ گئیں۔ پھر نبی کریم ﷺ نے ان کیساتھ ساتھ رکعات زیادہ کیں۔ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ سے یہ مطالبہ اپنی امت پر شفقت کی وجہ سے کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ آپ کی بزرگی کی وجہ سے آپ کی بات مانتے رہے۔''[2]

---

1. احکام الشیعہ لمیرزا الحائری: (١/ ١٧٣)
2. علل الشرائع ص: (١٣٢)

# حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے متعلق اہم معلومات

حدیث کی نو اہم ترین کتابوں (البخاری، مسلم، سنن ابوداؤد، الترمذی، النسائی، ابن ماجہ، مؤطا امام مالک، مسند احمد اور دارمی) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات تلاش کرنے والا دیکھے گا کہ آپ کی اکثر روایات میں دوسرے صحابہ بھی ہر حدیث میں آپ کے شریک ہیں سوائے آٹھ احادیث کے، کیا آپ کو اس بات کا یقین آسکتا ہے؟ وہ آٹھ روایات یہ ہیں۔

۱۔ آدمی کی گائے پر سواری کی روایت......۔ ❶

۲۔ رسول اللہ ﷺ کی سورت زلزال کی قرأت۔ ❷

۳۔ (أتدرون من المفلس......)❸

۴۔ (أول من يدعىٰ يوم القيامة......)❹

۵۔ اظلكم شهر كم:......❺

۶۔ أعذر اللّٰه إلى أمري......))❻

۷۔ أقرب مايكون العبد:......❼

۸۔ بينما أيوب يغتسل:......))۔❽

آخر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فضائل اہل بیت میں مروی چند روایات کا ذکر کرتے ہیں۔ کیونکہ آپ پر اہل بیت سے عداوت اور ان کے فضائل چھپانے کی تہمت لگائی جاتی ہے۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن فرمایا:

"لأعطين الراية غداً رجلاً يحب الله و رسوله و يحبه الله و رسوله ۔"❾

❶ سنن ترمذی: (۳٦١٠)
❷ سنن الترمذی: (۲۳۵۳)
❸ صحيح مسلم: (٤٦٧٨)
❹ مسند احمد: (۸۵۵۸)
❺ مسند احمد: (۱۰۳٦۵)
❻ صحيح البخاری: (۵۹٤۰)
❼ مسلم: (٧٤٤)
❽ البخاری: (۲۷۰)
❾ رواه البخاری: (۵/۱۸)

''کل میں یہ جھنڈا ایسے آدمی کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے' اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں پر فتح دیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں؛ اس دن کے علاوہ میں نے کبھی بھی امیر بننا پسند نہیں کیا۔ ہم نے رات اس حالت میں گزاری کہ ہم میں سے ہر ایک اس بات کی امید کرنے لگا کہ یہ پرچم ہم کو مرحمت ہوگا، لیکن دوسرے دن تمام صحابہ کی موجودگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کو وہ علم دیا۔ اور فرمایا:

''سیدھے چلتے جاؤ؛ دائیں بائیں مت مڑنا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھوڑی دیر چلے اور پھر رک گئے اور ادھر ادھر مڑے بغیر چیخ کر پوچھا: ہم ان کافروں سے کس بات پر جنگ کریں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ان سے أشهد أن لا إله إلا الله و أشهد أن محمداً رسول الله کی گواہی پر جنگ کرو۔ اگر وہ اس کا اقرار کرلیں تو ان کی جانیں اور اموال محفوظ ہو جائیں گے؛ سوائے اسلام کے حق کے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہوگا۔''

۲۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا: ''اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں؛ تو بھی اس سے محبت کر؛ اور جو کوئی اس سے محبت کرے؛ اس سے بھی محبت کر''۔ [بخاری: ۵۸۸۴.]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب سے میں نے یہ فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنا ہے؛ اس وقت سے میرے لیے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر محبوب کوئی دوسرا نہیں ہوسکا۔''

۳۔ میں اس وقت ہمیشہ سے اس آدمی سے محبت کرتا ہوں جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے کرتے دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا کہ حسن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں بیٹھے ہوئے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان ان کے منہ میں داخل کر رہے تھے، اور فرما رہے تھے: اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت کر۔''[1]

☆۔ میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا؛ جب آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورت برأت دیکر اہل مکہ کی طرف روانہ فرمایا۔ آپ سے پوچھا گیا: آپ کس چیز کی منادی کرتے تھے؟ تو فرمایا: ہم یہ منادی کرتے تھے کہ:

جنت میں اہل ایمان کے علاوہ کوئی دوسرا داخل نہیں ہوگا۔

اور کوئی ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔

اور جس کسی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی متعین مدت کا معاہدہ تھا، وہ اپنی مدت چار ماہ پوری کرے گا۔

اور جب چار ماہ گزر جائیں تو اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری ہیں۔

[1] مستدرك حاكم: (۳/ ۱۸۵) ح، (٤٧٩١)

اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے۔

''آواز لگاتے ہوئے میری آواز بیٹھ گئی۔'' ❶

☆۔ اور ایک روایت میں ہے میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مشرکین میں ندا لگا رہا تھا، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آواز بیٹھ جاتی یا گلے میں شکایت ہوتی، یا آواز لگاتے ہوئے تھک جاتے تو میں آپ کی جگہ منادی کرتا...... ہم یہ نداء لگا رہے تھے: اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے پھر اس سال کے بعد کسی شرک نے حج نہیں کیا۔ اور کوئی ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔ اور جنت میں اہل ایمان کے علاوہ کوئی دوسرا داخل نہیں ہوگا۔ اور جس کسی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی متعین مدت کا معاہدہ تھا، وہ اپنی مدت چار ماہ پوری کرے گا۔ اور جب چار ماہ گزر جائیں تو اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری ہیں۔ تو مشرکین اس پر ہنستے تھے، اور کہتے تھے، نہیں بلکہ صرف ایک ماہ۔'' ❷

☆۔ حضرت امام باقر رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ عبیداللہ بن ابی رافع سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا: جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ عراق میں تھے، تو نماز جمعہ میں سورت جمعہ پڑھا کرتے تھے، ﴿إِذَا جَآئَكَ الْمُنَافِقُوْنَ﴾ تو آپ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی پڑھا کرتے تھے۔ ❸

☆۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن کو گلے لگایا۔ (البخاری)

☆۔ عمیر بن اسحٰق رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں، میں مدینہ کی راہوں پر حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ چل رہا تھا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی۔ تو انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا:

''میں آپ پر قربان جاؤں؛ اپنے پیٹ سے کپڑا ہٹائے، میں وہاں پر بوسہ دینا چاہتا ہوں جہاں پر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے، آپ نے اپنے پیٹ سے کپڑا ہٹایا، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کے ناف پر بوسہ دیا، اگر ناف سَتر میں داخل ہوتا تو آپ اس سے کپڑا نہ ہٹاتے۔'' ❹

☆۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر ہماری طرف تشریف لائے تو آپ کے ساتھ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما بھی تھے ایک ایک کندھے پر اور دوسرا دوسرے کندھے پر، اور آپ کبھی اس کو چومتے اور کبھی اس کو۔ ایک آدمی نے یہ دیکھ کر پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان دونوں سے محبت کرتے ہیں فرمایا: ہاں! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں جس نے ان سے محبت کی اس نے محبت کی، اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔'' ❺

---

❶ النسائي: (٢٩٥٨)

❷ ابن حبان: (٣٨٢٠)

❸ ابن حبان: (٢٨٠٦)

❹ احمد: (١٠٤٠٣) ابن حبان: (٦٩٦٥)

❺ احمد: (٩٦٧١) المستدرك: (٣/ ١٨٢)

☆۔ فرماتے ہیں: ''میں نے جب بھی حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو دیکھتا ہوں، تو میرے آنسو نکل جاتے ہیں۔''
قصہ یہ ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے تو مجھے مسجد میں پایا، آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ساتھ لے لیا۔ اور مجھ پر ٹیک لگالی۔ میں آپ کے ساتھ چل پڑا۔ حتیٰ کہ ہم بنو قینقاع کے بازار میں پہنچے، آپ نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی، ایک چکر لگا کر دیکھا اور واپس پلٹ گئے میں بھی آپ کے ساتھ واپس ہو گیا۔ آپ مسجد میں ٹیک لگا کر بیٹھے، اور فرمانے لگے بچوں کو بلا لاؤ۔ اتنے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے آئے، اور آپ کی گود میں بیٹھ گئے، آپ نے اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی داڑھی مبارک میں داخل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ آپ کا منہ کھولتے، اور اپنی زبان اس میں دخل کر دیتے۔ اور فرماتے:
''اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت کر۔''❶

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ پر آسمانوں سے فرشتہ نازل ہوا، اور اس نے مجھے یہ بشارت سنائی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا میری امت کی عورتوں کی سردار ہیں اور یہ کہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما نوجوانوں کے سردار ہیں۔❷

☆۔ سعید بن ابو سعید المقبری سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں، ہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، اتنے میں حضرت حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ آپ نے سلام کیا، ہم نے سلام کا جواب دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس کا علم نہ ہو سکا۔ ہم نے بتایا اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! یہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہیں۔ انہوں نے ہمیں سلام کیا ہے، آپ اٹھ کر ان سے ملے اور کہا: اے میرے سردار! وعلیکم السلام۔ پھر فرمایا:
''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ نے فرمایا: ''یہ سید (سردار) ہے۔''❸

☆۔ مساور السعدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات پر رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں کھڑے رو رہے تھے، آپ بلند آواز میں رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے: ''اے لوگو! آج رسول اللہ ﷺ کا حبیب مر گیا ہے، آج خوب رؤو۔''

☆۔ ہم عشاء کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، جب آپ سجدہ کرتے تو حضرت حسین وحسین رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کی پشت مبارک پر چڑھ جاتے، جب آپ سجدہ سے سر اٹھاتے تو بہت پیار اور نرمی کے ساتھ سر اٹھاتے۔ پھر جب سجدہ کرتے تو یہ دونوں صاحبزادے دوبارہ ایسے ہی کرتے۔ جب آپ نے نماز پڑھ لی تو میں نے عرض کیا، کیا ان کو ان کی ماں کے پاس نہ لے جاؤں؟ فرماتے ہیں: ''اتنے میں ایک بجلی چمکی، اور وہ دونوں اس وقت تک اس کی روشنی اور چمک میں رہے، حتیٰ کہ وہ دونوں اپنی ماں کے پاس چلے گئے۔''❺

---

❶ مستدرك حاكم: (۳/ ۱۸۵، ۴۷۹۱۲) ❷ الترمذی: (۳۷۸۱)
❸ الحاكم: (۳/ ۱۸۵) برقم: (۴۷۹۲)
❹ تاریخ دمشق (۱۳/ ۲۹۵) سیر اعلام النبلاء: (۳/ ۲۷۷) البدایه و لالنهایة: (۸/ ٤٤)
❺ سیر اعلام النبلاء: (۳/ ۲۵٦)

اس پر کتاب دفاعاً عن الآل والاصحاب کا پہلا حصہ مکمل ہوا۔ دوسرے حصہ میں دیگر مسائل ذکر کئے جائیں گے۔

وسبحانك اللّٰهُمَّ وبحمدك وأشهد أن لا اِله اِلاّ أنت أستغفرك وأتوب اِليك .

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه وبارك وصلى وسلم عليه تسليماً كثيراً۔

وآخر دعوانا ان الحمد الله رب العالمين .